إِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِكْمَةً وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا

الحمد للہ والمنہ کہ درین ایام خجستہ فرجام کلام بلاغت نظام مسمیٰ بہ اسم تاریخی

بہارستانِ خلد

۱۳۵۳ ہجری

معروف بہ

جذباتِ قیس

از تصنیف لطیف

ماہرِ علوم عقلی و نقلی، واقفِ رموز علمی و عملی طبیب عالی الخیال حکیم ارسطو مثال، شاعر شیوا بیان سخنور فصیح اللسان

ابوالخیر جناب مولانا الحاج الحکیم محمد ضمیر الحق صاحب قیس آروی

مدظلہ العالی دامت برکاتہ وزیدت حسناتہ

حسب ایماء عالیجناب ڈاکٹر محمد ولی الحق صاحب آروی ایم۔ بی۔ ایس اسسٹنٹ سرجن دام اقبالہ خلف ارشد جناب مصنف

باہتمام احقر زمن سید منظور حسن آروی

در مطبع ستارۂ ہند واقع کلکتہ زیور طبع پوشید

مُقدّمہ

از رشحاتِ قلم محققِ دوراں شاعرِ شیوا بیان نکتہ شناسِ رموزِ فصاحت شہسوارِ میدانِ بلاغت

جناب مولوی خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پیرو میر

ہماری ہندوستانی زبان جس کو اُردو کہیئے ہندی کہیئے جو چاہیئے نام رکھ لیجیئے اور جس طرف چاہیئے کھینچ لیجائیے خالص ہندوستان کی زبان ہے اور مغل بادشاہوں نے اسے اِس لئے پرورش کیا کہ ہندوستانیوں کی زبان سیکھ کر عدل و انصاف کا دریا جاری کیا جائے۔

ورنہ ظاہر ہے کہ عجم اور عرب کے لہجے میں ہندی حرفوں کا نام بھی نہ تھا وہ بیچارے تو روٹی کو روتی اور ٹٹی کو تتی بولتے تھے ڈلیا کو دلیا چھکڑ کو جھکڑ کہتے تھے پھر اُن کو کیا ضرورت تھی کہ آپ تکلیف اٹھا کر ایک دوسری زبان سیکھتے جو اُن کی زبان سے زمین آسمان کا تفاوت رکھتی تھی۔

یہ صرف اُن کی رعیت نوازی تھی اور اسی واسطے اُنھوں نے ہندوستان میں اسکی داغ بیل ڈالی۔
اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ہندوستان اور مغل بادشاہ اسی کو استعمال کرنے لگے امیر سے غریب تک ایک زبان بولنے لگے۔

سلطنت دہلی کا آفتاب جب زوال پذیر ہونے لگا اور شاہ عالم آنکھوں سے ہاتھ دھوکر الہ آباد چلے آئے تو دہلی کے تمام ارکین سلطنت تمام شہزادے تمام شاعر تمام اہل صنعت اودھ میں چلے آئے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی۔

اب اُردو کی پرورش لکھنؤ میں ہونے لگی اور یہاں کی زبان نے سند حاصل کی یہاں کے لوگ زبان کے بارے میں مستند مان لئے گئے اور ان کے کلام سند میں پیش ہونے لگے۔
یعنی جس لفظ کی سند پر شک ہوتا اور اُس کی صحت و عدم صحت کا فیصلہ منظور ہوتا تو اودھ کے شاعر کا شعر پیش کیا جاتا اور اسی پر صحت کا دار و مدار ہوتا۔
لکھنؤ ایک زبردست یونیورسٹی تھی جہاں سے تعلیم پاکر لوگ اطراف عالم میں پھیل جاتے اور دوسرے مُلک کے لوگوں کو صحیح زبان سکھاتے اور یہی لوگ گریجوئیٹ کہلاتے۔
اودھ نے زبان کو بہت صحیح اور صاف کیا اور اسکے چہرے کے گرد و غبار کو دور کیا۔
اودھ کے شعرائے نے یہ کمال کیا کہ اپنے عہد میں ہر لفظ ہر محاورہ ہر اصطلاح کو صحیح محل پر استعمال کیا تاکہ ان کے دیوان اُردو کی صحیح صرف و نحو کا کام دیں اور ان کی تحریر کی سند صحیح مانی جائے اور اُردو کا صحیح لغت تسلیم کیا جائے۔
نثر اور نظم میں یہی فرق ہے کہ نثر میں آپ جو مضمون لکھتے ہیں اُس پر یہ اعتماد نہیں ہوسکتا

کہ کس حرف کو حرکت ہے اور کون ساکن ہے بخلاف نظم کے کہ وہ حرکت سکون وزن ہر لفظ کے صحیح صحیح معلوم کرنے کی کسوٹی ہے اور اسی سبب سے شاعروں کی عزت کیجاتی ہے کہ ان کے ذریعہ سے ہم کو لفظ کی اصلی حالت معلوم ہوجاتی ہے رفتہ رفتہ یہ گروہ تمام ہندوستان میں ایسا پھیلا کہ اُردو کو صحیح اُردو بنادیا اور جگہ جگہ مستند شاعر پیدا کردیئے۔

انگریزوں نے جب ہندوستان پر قبضہ پایا تو سب سے پہلے اِن کو یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ اُردو کی پرورش کیجائے اگر اُردو کو فروغ نہ دینگے تو ہندوستان پر حکومت کرنا مشکل ہوگا۔ چنانچہ انھوں نے ایک وسیع محکمہ اُردو زبان کا کلکتہ میں قایم کیا اور شعرا اہل زبان نوکر رکھّے تاکہ وہ آسان اُردو میں انگریز حکام کے لئے کتابیں تصنیف کریں۔

اور ہندوستان میں جابجا اُردو زبان کے اسکول قایم کیئے اُردو مڈل تک کی تعلیم اس میں شامل کرکے سند ملازمت بھی دیدی اُس وقت تمام کچہریوں میں اُردو کے مڈل پاس طلبا داخل ہونے لگے اور تمام کچہریاں اُنھیں مڈل پاس شدہ سے بھرگئیں۔

پھر اسکولوں میں انگریزی تعلیم کی زیادہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ایسے لوگ کچہریوں میں داخل ہوں جو حکام کی زبان کو بھی جانتے ہوں اب اُردو کے مڈل پاس خارج ہونے لگے اور ان کی جگہ انگریزی کے مڈل پاس پانے لگے۔

جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ انگریزی تعلیم میں یہ برکت ہے کہ اس کا تعلیم یافتہ کیسا ہی غبی کند ذہن ہو سرکاری اعلیٰ عہدہ پانے کا مستحق ہوجاتا ہی تو سارے ہندوستان نے اِسی طرف رُخ کردیا پھر کیا تھا ساری کچہریاں اور دفاتر تجارتی کاروبار شفاخانے لیبریریاں سب انگریزی

والوں سے بھر گئیں۔ بی اے۔ ایم اے ہر طرف دوڑنے لگے بعض شہروں میں تو اُن کی دوسری زبان صرف انگریزی رہ گئی اور رفتہ رفتہ انگریزی دانوں کے لیئے بھی دروازے بند ہو گئے کیونکہ جو چیز ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے اُس کی قدر وقیمت گھٹ جاتی ہے آپ نے اخباروں میں سُنا ہو گا کہ بیچاروں نے باوجود بی اے ایم اے ہونے کے جب ملازمت نہ ملی تو خودکشی کرلی ہونا بھی یہی چاہیئے تھا کیونکہ دھوبی تیلی۔ مہتر چمار۔ دُھنئے۔ جلاہے سب بی اے۔ ایم اے ہو گئے اور اپنا اپنا کام چھوڑ کر ڈپٹی کلکٹر بننا چاہتے تھے وہ انگریزی کو زبان کی حیثیت سے نہیں سیکھے تھے بلکہ نوکری کے لالچ سے سیکھے تھے کیونکہ اگر زبان کا شوق اُن کو ہوتا تو سب سے پہلے اپنی مادری زبان کو حاصل کرتے جو سب سے بہتر اور آسان تھی یا عربی یا سنسکرت زبان سیکھتے جو ایک مذہبی زبان تھی۔

نہ مذہبی زبان حاصل کی نہ ملکی زبان سیکھی۔

بلکہ فکر معاش میں پڑ کے سرکاری عہدے کی لالچ میں اپنے تمدن اور مذہب دونوں کو خیرباد کہدیا۔

جب زبان غیر حاصل کر چکے تو لباس و پوشاک بھی غیر ملکی اختیار کرنا پڑی انگریز ٹھنڈے مُلک کے رہنے والے ہیں وہ بارہ ماس گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ ہندوستانیوں نے بھی تنزیب نین سکھ۔ شربتی۔ ادھی۔ چکن۔ آب رواں۔ جالی کو ترک کر کے موٹے اور گرم کپڑے اختیار کیئے غذا بھی انگریزی ہو گئی بالکل صاحب بہادر بن گئے۔

تعلیم میں کوئی صنعت تو سکھائی نہیں جاتی جس کو حاصل کر کے ذریعۂ معاش بناتے نوکری نہ ملنے سے فاقہ کشی ہو گئی اور جو روپیہ تعلیم میں صرف ہوا تھا وہ بھی برباد ہوا۔

ایسے لوگ شاذ ہیں جو تعلیم انگریزی کے بعد بھی اپنے لباس میں رہے۔

خدا رحمت کرے ان شعرا پر جو اپنی ملکی زبان حاصل کر کے ہمیشہ اُردو کی خدمت کرتے رہے ورنہ زبان تو اب تک ہندوستان سے نابود ہو چکی تھی اِس کی پرورش کرنے والی سلطنتیں مٹ گئیں اب اِسکا کوئی سرپرست اور والی نہ رہا کچھ دنوں ریاستوں نے اِس کی خدمت کی۔

جب گورنمنٹ انگلش کو اِس کی قدر اور ضرورت نہ رہی تو دوسروں کو کیا پڑی تھی کہ اِسے قایم رکھتے اگر یہ شعرا نہ ہوتے تو زبان کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

دوسری خرابی ملک میں ایک اور پھیلی انگریزی کتابوں کا اُن لوگوں نے ترجمہ کیا جو اُردو سے نابلد تھے اسلیئے اس کی گرام خراب ہونے لگی اور جدید انگریزی طلبا نے بھی ایسے ہی بڈھنگے ترجمے کیئے جو اُردو کو خراب کرتے رہے۔

ایک تیسری وبا حال میں اور پھیلی اور ایک طوفان بے تمیزی جاری ہوا کہ اُردو کی نظم و نثر کو خلاف طرز اُردوے معلیٰ اور اساتذہ قدیم کی روش کو ترک کر کے الفاظ کے طولانی سلسلے میں بے معنی جملے اور نامانوس ترکیبیں ایجاد کیں ٹیگور کی انگریزی نظموں کا لفظی ترجمہ خلاف محاورہ اور خلاف صرف و نحو کر کے اُس کا نام ادب لطیف رکھا ہر طرف سے اُردو کی ذات پر حملے ہونے لگے اور اِسے مال غنیمت سمجھ کر سب نے لوٹنا شروع کیا اس نوچ گھسوٹ میں صحیح زبان معرض خطر میں پڑ گئی۔

اس پر طرہ یہ ہوا کہ ہمارے ملکی بھائیوں نے جو سو برس سے اُردو بول رہے تھے اور اُردو لکھ رہے تھے اِس کی حالت زار سے فائدہ اٹھانا چاہا اور ایک قلم اُردو سے مُنہ موڑ کر ہندی کو رائج کرنا چاہا عدالتوں میں انھیں کی زیادہ رسائی تھی اسلیئے سمن ہندی میں لکھوا کر اہل مقدمہ کو دینے لگے

اور یہ سب کارروائی صوبہ اودھ میں جاری کی گئی جہاں کوئی ایک حرف بھی ہندی کا نہیں جانتا تھا۔
دوسری زیادتی یہ ہوئی کہ مدارس اودھ میں ہندی کی ابتدائی کتابیں پنڈت مہراج نے سنسکرت الفاظ ملاکر تصنیف کیں اور اُنھیں کا لفظی ترجمہ کرکے دوسرا ایڈیشن اُردو میں داخل درس کرایا جو مسلمانوں کو زبردستی پڑھنا پڑیں جس کا ان کو سمجھنا بھی دشوار تھا۔
شاعری تو مٹ ہی چکی تھی نثر اُردو کی اس طرح مٹی خراب ہوتے ہوئے دیکھ کر ملک کے وہ قدیم زبان اُردو کے شیدائی جو مدت سے گوشہ گمنامی میں بیٹھے ہوئے تھے اور جنھوں نے مشاعرہ میں جانا (اپنی تضیع اوقات سمجھ کر) ترک کر دیا تھا اپنے اپنے سلاح جنگ لیکر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ تاکہ ہندوستان کی مادری زبان اپنی اصلی حالت پر مع قواعد صرف و نحو قایم رہے۔
ان کے پاس اسلحہ کیا تھے اِن کے کلام تھے جو عہد ناسخ و آتش میر و مرزا کے وقت سے چلے آتے تھے اور باران مخالفت سے زنگ آلود ہونے لگے تھے سند زبان کے قواعد سے صیقل کرکے میدان مقابلہ میں آدھمکے اور مُلک کو دکھلا دیا کہ اصلی شمشیر زبان یہ ہے جسے حاصل کرنا ہو اس سے درس لے۔
یہ کون لوگ ہیں محبان مُلک و زبان جنھوں نے اساتذہ قدیم سے اُردو زبان کے قواعد صرف و نحو او محل استعمال صحیح سیکھ کر زباندانی کی سند حاصل کی اور سلسلہ بہ سلسلہ سینہ بہ سینہ اپنے تلامذہ کو سکھا کر اس امر کی تاکید کی تھی کہ تمام ہندوستان میں زبان کو صحیح طریق پر پھیلانا۔
ان کے ذرّے آفتاب بنکر مُلک میں پھیلے اور تمام عالم کو منور کر دیا اور انھیں کی کوشش نے اُردو زبان کو مکہ معظمہ مدینہ منورہ کربلائے معلیٰ بغداد شریف۔ امریکہ انگلستان روس جاپان چین قسطنطنیہ جرمن پیرس تک پہنچا دیا۔

سب کا ذکر تو جانے دیجیئے جو ہندوستان بھر کی خدمت کرتے تھے یا ہندوستان کے باہر پھیلے ہوئے تھے صرف ان کے دو چار نام سن لیجیئے جو محض پورب میں دادِ سخن دے رہے تھے۔

گیا میں مولوی کاہش شاگرد رشید مصحفی۔ پٹنہ میں مولوی علی محمد شاد۔ غازیپور میں مولانا عبدالاحد شمشاد لکھنوی۔ آرہ میں سیّد فرزند احمد صفیر بلگرامی ان کے علاوہ اور بھی سخنوران نامی گرامی تھے جنکا ذکر بوجہ طوالت مضمون ترک کیا جاتا ہے۔

مولانا شمشاد لکھنوی خاندان ناسخ سے ایک بہت بڑے عالم اور سخن گستر تھے ان کے تلامذہ دور دراز مقامات تک پھیلے ہوئے تھے۔

ان لوگوں کے بعد بزم مشاعرہ سرد پڑگئی اور مستند شعرا نے جانا چھوڑ دیا اسلیئے کہ اب مشاعروں میں ایسے شاعر آنے لگے جنکو علم عروض علم معانی و بیان اور معائب و محاسن شاعری میں درک نہ تھا مشاعری میں گانے لگے دو چار تانیں ماریں تانسین کی روح کو تکلیف دیکر سامعین کے کانوں کو محظوظ کیا اور واہ وا کا خلعت لیکر خوش خوش واپس آئے۔

عام لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اس سے بڑھ کر حظ نفس کا کوئی طریقہ نہیں ہے کسی تقریب میں بھانڈ نہ بلوائے طوایف کا ناچ نہ دیکھا دو چار شاعر بلوالیئے ناچیں گے گائینگے لوگوں کو خوش کرکے چلے جائینگے

ان غیر مہذب ماتم داران شاعری نے تمام ملک میں بدمذاقی پھیلائی شعرا نے گوشہ گزینی اختیار کی۔

بعد چندے لوگوں کو خیال آیا کہ اصلی خادمان زبان کا کلام تلف ہو جائے گا طبع کا اصرار کیا اور بحد اصرار کیا تو منشی امیر حسن صاحب بدر کا دیوان بہ ہزار کوشش چھپا۔

اس کے بعد سب کی نظر ایک روشن ضمیر عالم اور شاعر کی طرف تھی اور چاہتے تھے کہ مولانا حکیم

مانا کہ بُروں سے بھی بُرا ہوں
لیکن ترے در کا میں گدا ہوں

دل حرص و ہوا سے پاک کر دے
دامان امل کو چاک کر دے

جن باتوں کی دل میں آرزو ہو
جس چیز کی تجھ سے جُستجو ہو

دیکر مجھے سرفراز کر دے
اغیار سے بے نیاز کر دے

کوثر سے مری زبان دھو جائے
جو کچھ میں کہوں قبول ہو جائے

اے ہادیٔ جادۂ شریعت
اے مشعلِ وادیٔ طریقت

بھر دے مرے دل میں شوق اپنا
کر دے مجھے مست ذوق اپنا

دیوانہ صفت تری طلب میں
دن رات بسر ہو عمر سب میں

جب لائے اجل پیام تیرا
لب پر ہو الٰہی نام تیرا

بے فکر خیال دو جہاں سے
مشتاق لِقا چلوں یہاں سے

اُٹھوں جو لحد سے روزِ محشر
سایہ ہو ترا ہی میرے سر پر

وقت آنے لگے حساب کا جب
رحمت تری ہو شفیع یا رب

پھر مجھ سے ہو یہ کلام تیرا
"ہے خلد بریں مقام تیرا

یہ باغ و قصور و حور و غلماں
ہیں تیری خوشی کے سارے ساماں

اے قلیس رہ اس میں جا کے دل شاد
ہو کر غمِ این و آں سے آزاد"

اُٹھ جائے اگر دوئی کا جھگڑا / فانی نظر آئے سب ہویدا
باقی رہے صرف ذات تیری / آئینۂ صفت ہو بات تیری

عرض حال

اے دارو درد جن و انساں / اے چارہ گر مریض ہجراں
اے مونس و غمگسار عالم / اے مرہم دل فگار عالم
میں ایک فقیر بے نوا ہوں / در پر ترے آکے اب گرا ہوں
غفلت میں کٹی ہے زندگانی / ہونے کو ہے ختم عمر فانی
پیری نے کمر کا زور توڑا / ناتا مری لاغری سے جوڑا
عقبیٰ کی نہ ہو سکی کمائی / سب زندگی مفت میں گنوائی
بھولے سے جو کی بھی کوئی طاعت / حاصل نہ ہوئی کچھ اس کی لذت
جو بات ہے مکر و زُور کی ہے / ہر طرز و ادا غرور کی ہے
ہوں غرق گناہ سر سے پا تک / آغاز سے لے کے انتہا تک
دنیا کی طلب میں طوقِ لعنت / گردن میں رہا بشکلِ زینت
کردار پر اپنی منفعل ہوں / گفتار سے ہر طرح خجل ہوں
رحمت کی مری طرف نظر کر / ہر جرم و خطا سے درگزر کر
رسوائیِ حشر سے بچانا / مجھ کو نہ سیاہ رُو بنانا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُناجاتُ بدرگاہِ قاضیُ الحاجاتُ

اے مالک ملک کبریائی — زیبا ہے تجھے تری خدائی

اے دُور زوہم وفکرِ چالاک — بیرون ز قیاس و فہم وادراک

کیونکر ہو صفت بیاں تیری — ہے جلِّ جلال شان تیری

تو ذات وصفات میں ہے یکتا — تجھ سا کوئی تھا نہ ہے نہ ہوگا

کثرت میں عیاں ہے نور وحدت — ہر شئے ہے تری دلیل قدرت

حیرت ہے کہ یہ حجاب کیا ہے — قربت رگ جاں سے جب سوا ہو

چاہے جو کوئی ترا نظارا — ممکن نہیں دیکھے آشکارا

مشہور ہے طور کی کہانی — موسیٰ سے بجا تھی لن ترانی

ہاں یہ جو کوئی کہے روا ہے — صنعت میں تو اپنی یوں چھپا ہو

تو نار میں نور کی جھلک ہے — تو باغ میں پھول کی مہک ہے

دریا میں رواں ہے سیل بنکر — صحرا میں بہ رنگ بادِ صرصر

ہے شمس وقمر میں نور تیرا — ہر ذرّے میں ہے ظہور تیرا

ہر برگ و شجر میں تو ہی تو ہے — ہر خشک زمیں تر میں تو ہی تو ہے

جس سے کہ ترا نشان پانا — ہمصورت دید سب نے جانا

طبیعت وہ بلا کی پائی ہے جس سے کہ عالم میں
ہر اک فردِ بشر کو سُن کے ہو جاتی ہے حیرانی

ہوئے ہیں مستعد اس طرح علموں کی اشاعت پر
کہ ساری مشکلوں کو کر دیا ہے سر بسر پانی

کہاں آرہ کہاں یہ مجمعِ اربابِ علم و فن
انھیں کے توسنِ فکرت کی ہے بالکل یہ جولانی

فقط اک کوششِ ادنیٰ کا یہ سارا نتیجہ ہے
جو بیٹھے دیکھتے ہیں کاملانِ نوعِ انسانی

کہاں تک خامہ فرسائی کروں اوصاف بیحد میں
مجسم مخزنِ خوبی سراسر فضلِ یزدانی

میں درگاہِ خدا میں اپنے ہاتھوں کو اُٹھاتا ہوں
حضورِ قلب سے کرتا ہوں اب تھوڑی دعا خوانی

کہیں آمین صدقِ دل سے اس دم سُننے والے بھی
کہ ہو گرمِ عنایت چشمِ ربّ انسی و جانی

مرے ممدوح کو سب کو شگوں کا نیک پھل لادے
رکھے آباد و خرّم اور بخشے عمرِ طولانی

تمام اطراف میں اس مدرسے کی نیکنامی ہو
نہ باقی رہنے پائے شکوۂ بے ساز و سامانی

نزولِ رحمتِ حق ہو یہاں کے پڑھنے والوں پر
متاعِ دولتِ کونین حاصل ہو بآسانی

معلّم کو ملازم کو ہوا خواہانِ رفعت کو
ملے دنیا میں راحت آخرت میں باغِ رضوانی

زمین و آسماں شمس و قمر کی عمر آخر تک
رہے یا رب مسلمانوں میں علموں کی فراوانی

چھُڑا کر قیدِ ذلت سے عطا کر خلعتِ عزت
مٹا دے ظلمتِ جہل و بلائے ضعفِ نادانی

حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھیں دیکھنے والے
ہو ان کے طالعِ فرخندہ میں ایسی درخشانی

بس اب اے قلیس میں اپنا قصیدا ختم کرتا ہوں
قبولِ بارگاہِ احدیت ہو یہ ثنا خوانی

خصوصًا حامیِ اسلام ابراہیم علامہ ۔۔۔ بنائے درس گاہِ احمدیہ کے جو ہیں بانی
نکالی ہو اُنھوں نے طرز تعلیم اک نئے ڈھب کی ۔۔۔ کہ سُن سُن کر جسے ہوتے ہیں سب محوِ ثنا خوانی
وہ تعلیم اس غضب کی ہو کہ چھوٹے چھوٹے بچونکو ۔۔۔ بنا دے کاملِ فن چند مدت میں بآسانی
پھر آگے بھی ملے اچھی طرح موقع ترقی کا ۔۔۔ نہ مانع کسب علم نو سے ہو سن کی فراوانی
ہجومِ جوشِ مضموں سے طبیعت گدگدائی ہی ۔۔۔ ہم اُنکے وصف میں پڑھتے ہیں اس دم مطلعِ ثانی

مطلع ثانی

شعاعِ شمس ہے چینِ بیاضِ لوحِ پیشانی ۔۔۔ طلوعِ صبحِ صادق روئے انور کی درخشانی
فروغ افزائے دین و رہنمائے طالبانِ حق ۔۔۔ تجلی بخشِ قصرِ رضیائے نور ایمانی
جزائے خیر دے خالق کہ آنکھونکے اشاروں سے ۔۔۔ عیاں ہے اتباعِ سنتِ محبوبِ ربانی
یہاں کیا ذکر ہے داغِ گنہگاری کو دھبونکا ۔۔۔ لباسِ زہد و تقویٰ ہے دلیلِ پاک دامانی
ہوا آگاہ دل سارا جہاں اُنکے نصائح سے ۔۔۔ نہیں ممکن چلے اب زور مکر و کید شیطانی
بیان پُر اثر کو رشکِ سحرِ سامری کہیئے ۔۔۔ عیاں ہر بات سے ہوتا ہے جوشِ صدق بیتابی
خلش جاتی رہی بغض و عناد و رنج باہم کی ۔۔۔ رہِ صدق و صفا ان کی بدولت سبنے پہچانی
رفاہِ عام پر ہر لحظہ جان و دل سے آمادہ ۔۔۔ ہمیشہ قوم کی خدمت میں سرگرمِ نگہبانی
حدیث و فقہ و تفسیر و کلام و حکمت و منطق ۔۔۔ ہیں سب میں شہرۂ آفاق بے مثل اور لاثانی
الٰہی و طبیعی و ریاضی میں بھی کامل ہیں ۔۔۔ شہِ علمِ بلاغت واقفِ اسرارِ قرآنی

ذرا سی آنکھیں جھپکا کر لٹے یوں دن دہاڑے ہم
ہوئی کیسی یہ غفلت ہائے قسمت ہائے نادانی

ہمیں برباد کر کے گھر بسایا ہے جو غیروں کا
نہیں معلوم کیا خالق نے اسمیں مصلحت جانی

مٹا کر دولتِ علم و عمل بے آبرو بنکر
رہے آخر کہاں تک کوئی محوِ نقشِ حیرانی

جو بھولے سے کبھی دعویٰ نہ کرتے تھے تقابل کا
خدا کی شان وہ سمجھیں ہمیں غولِ بیابانی

مدد اے بختِ خفتہ آ گیا ہے وقت بیداری
تھپیڑے مارتی ہے موجِ بحرِ غم کی طغیانی

ہما کے آشیانے بن گئے ہیں بوم کے مسکن
ہوئے ہیں بدتر از زاغ و زغن طاؤس بستانی

خدا کو بھول کر ہے گرے سب کی نگاہوں سے
قیامت ہے کہ ساری آبرو پر پھر گیا پانی

کمندِ بام اُدھر ٹوٹی اُدھر جاتی رہی قوت
کوئیں میں لے گری ہم کو ہماری یہ گرانجانی

ہماری کفش برداری جو خوش ہو ہو کر کرتے تھے
مناسب کیا یہی ہے اب کریں ہم اُنکی دربانی

یہ کیا انصاف ہے ہم تو تہیدستی سے سر پیٹیں
پڑیں نا اہل کی گردن میں مروارید عمانی

خفا اقبال - آزردہ ہنر - جاہ و حشم دشمن
بھلا کیونکر نہ ڈھونڈیں ہم طریقِ عالمِ فانی

ذلیل و خوار و رسوا ہو رہے ہیں سب کی نظروں میں
نگاہیں خندہ زن ہیں دیکھکر یہ خانہ ویرانی

چھٹیں قیدِ بلا سے یا یکایک عزت ہی آئے
رہیں کب تک اسیرِ جہل ہم آفت کی زندانی

لباسِ آدمیت ہائے اب کس طرح پہنینگے
ملے گی ہم کو کیونکر عزتِ فضلِ ہمہ دانی

کہاں تک شکوۂ بے سود بس کر اے دلِ نالاں
بہت کچھ رو چکا اب ختم کر یہ مرثیہ خوانی

کہے دیتے ہیں ہم ہرگز نہ سنبھلیں گے نہ سنبھلیں گے
نہ ہوگی ہم میں جب تک علم و فن کی خوب ارزانی

مبارکباد ایّامِ خجستہ سر پر آ پہنچے
خدا کا شکر کچھ لوگوں نے قدرِ علم پہچانی

جھپٹ پڑتے تھے ہم غصے میں شیرِ شرزہ کی صورت
گرا دیتے تھے رستم سے دلیروں کو بہ آسانی

نہ مڑتا تھا کبھی سینا سنانِ گیو کے ڈر سے
نہ ہم کو روک سکتا تھا کبھی گرزِ نریمانی

نہ آنکھوں میں جگہ دیتے فلاطون و ارسطو کو
دکھانے پر جو آجاتے تھے علموں کی فراوانی

طبیعی میں ریاضی میں الٰہی میں عقاید میں
امام و شیخ کہتے تھے ہمیں سب انسی و جانی

کبھی لے جاتے تھے اشراقیوں پر گوے سبقت ہم
کبھی مشائیوں کو ہم سے ہوتی تھی پشیمانی

اگر رکھتے تھے صرف و نحو میں دعوٰی یکتائی
تو کرتی تھی خطا فی الفکر سے منطق نگہبانی

اصول و فقہ پر حاوی کبھی حلِ فرایض پر
نجوم و علم ہیئت میں کبھی استاد لاثانی

کتاب و سنت و تحقیق حق پر دیکھکر مائل
محدث کوئی کہتا تھا کوئی حلال قرآنی

کبھی ہم خسروِ ملکِ معانی و بلاغت تھے
کبھی بغیرت دہِ شورِ طلا قتہاے سحبانی

ہماری خاک پا قوت دہِ چشم بصیرت تھی
خجل تھا اس کے ذرے ذرے سے کحلِ سلیمانی

ہمیں تھے منبعِ علم و ہنر سارے زمانے میں
ہمیں رہتے تھے ہر دم موردِ افضال یزدانی

مگر افسوس یہ سب ہوگئیں اب خواب کی باتیں
نظر آتا نہیں کچھ بھی جز انبوہِ پریشانی

نہ ہمت ہے نہ دولت ہے نہ اخلاق و مروت ہے
نہ طاقت ہے نہ جرات ہے نہ خو و بوے انسانی

نہ وہ مہماں نوازی ہے نہ اب وہ حق پرستی ہے
نہ ہے ہم میں وہ اگلا اتحادِ جسمی و جانی

جدا ہے بھائی بھائی سے الگ ہے باپ بیٹے سے
نہ اس میں درد فرزندی نہ اسمیں لطف اخوانی

نگاہیں پست ارادے سست نازاں ہیں تنزل پر
سمجھتے ہیں بساطِ بوریا کو تخت سلطانی

امنگیں ہوگئیں رخصت مٹے سب ولولے دل کے
گھٹی تاب و توانائی بڑھے آلام روحانی

معلموں کی وہ فیاضیاں ہوں لڑکوں پر
فرشتے دیکھ کے جن کو پکار اُٹھیں احسن

یہاں کے مہتمم و بانی و ملازم کو
فروغ و اوج میں کر رشک انجم روشن

تمام اس کے ہواخواہ اے خدا خوش ہوں
حسد کی آگ میں ہر دم جلا کریں دشمن

مناسب اب ہے یہ اے قلیس دیکھوں فیض اثر
زبان بند کروں میں لگا کے قفل دہن

قصیدہ کہ بتقریب جلسۂ مذاکرۂ علمیہ آرہ در ۱۸۹۵ء خوانده شده بود

بنی ہے مجمر حالِ مصیبت چاک دامانی
کھُلے پڑتے ہیں صورت سے سر اسرارِ پنہانی

کہیں کیا انتشارِ حالِ دل حیرت سے ظاہر ہے
دلیل افسردگیِ طبع کی ہے چین پیشانی

بھڑکتی آگ بجھ سکتی ہی کب دو چار چھینٹوں سی
ہمیں ٹھنڈا کرے گی کیا ہماری اشک افشانی

پھُنکا جاتا ہی دل لائیں کہاں سی صبر کی طاقت
عدو کے طعنے سُن سُن کر کلیجا ہو گیا پانی

سراپا آتشِ غم ہیں کہیں گے صاف کھل کر ہم
نہیں وجہِ ملامت ہوتی ہے شعلے کی عریانی

رہا جب تک ہجومِ جوشِ اسلامی ترقی کا
نہ آنے پائی دامن تک کبھی گردِ پریشانی

وفورِ نعمتِ حق سے بنے تھے نور کے پُتلے
ہمارے نیّرِ اقبال میں تھی وہ درخشانی

جُھکی رہتی تھی سب کی گردنِ تسلیم خدمت میں
سلاطینِ عظام آ آ کے کرتے تھے مگس رانی

کوئی ملنے کو آتا تھا تو ہم آنکھیں بچھاتے تھے
عجب فرطِ محبت سے کیا کرتے تھے مہمانی

محبت میں مروت میں صداقت میں سخاوت میں
عبادت میں ریاضت میں بھرا تھا جوشِ ایمانی

حمایت دینِ حق کی موجزن جب دل میں ہوتی تھی
حریفوں کو پسند آتی تھی جب مشقِ ستم رانی

ہے کوئی نغمہ سرائے کلام ایزد پاک
بسان طوطی شکر فشان صحن چمن

کوئی ہے صرف صغیر و کبیر پر مائل
کسی کا نحو کی جانب بڑھا ہوا توسن

کہیں تصور و تصدیق کے مباحث ہیں
کہیں مسائل حکمت ہیں کوئی گرم سخن

کوئی ہے ہندسہ و ہیئت و کلام میں طاق
کوئی ہے فقہ و اصول و حدیث میں پُرفن

اگر کسی کو توجہ ادب کی جانب ہے
تو نظم و نثر کی ہے مشق مشعلِ روشن

ہر ایک علم کی بحثیں زبان پر فر فر
خدا کی شان کہ ایسا کمال یہ بچپن

طلسم ہے کہ یہ ہے کارخانہ جادو کا
سمجھ ہی میں نہیں آتا ہے کیوں نہ ہو اُلجھن

نصاب وہ جو ہوا یوں قبولِ خاطرِ خلق
نظر میں جچتے نہیں اب طریقہائے کہن

غرض درست ہے سب طرح کیل کانٹوں سے
مُنہ اُس پر آئے بھلا کیا ہے طاقتِ دشمن

جو کچھ کمی ہے تو اتنی ہے بس کہ ہائے ابتک
بقا کی شکل سے غافل ہیں سب سخی زمن

شکست ہر در و دیوار مدرسہ صد حیف
سُنا رہی ہے بآواز نالہ و شیون

مگر نہیں ہے تعجب خدائے عالم سے
کہ بھر دے گوہر مقصود سے ہمیں دامن

ابھی کہیں سے کوئی سرپرست آجائے
بلند حوصلہ ذی شان دوست صاحب فن

ٹھہر ٹھہر نہ بڑھ آگے زیادہ اے خامہ
ہے وقت تنگ نہ ہو جائے بار طول سخن

اگرچہ جوشش مضامیں ہیں موجزن دل میں
مگر تو سجدے کی خاطر جھکا سر و گردن

قلیل محض ہے فرصت مجھے بھی لازم ہے
اُٹھاؤں دست دعا سوئے بادشاہِ زمن

تری نگاہ عنایت سے رات دن یارب
بہار تازہ۔ رکھے سبز علم کا گلشن

عبث تلاش مضامین میں جان کھوتا ہے
خبر لے اپنی نہ بن مفت عقل کا دشمن

یہ سُنکے جوشش گریہ سے بندھ گئی ہچکی
لئے سرشک نے جھک جھک کے بوسۂ دامن

لگی جو سنگ ملامت کی چوٹ چھاتی پر
ہوئے وہیں جگر و دل میں سیکڑوں روزن

وفور غم سے لبوں کو ذرا ہلا نہ سکا
زبان مُنہ میں ندامت سے ہوگئی الکن

کبھی رولاتی تھی حسرت سے قوم کی حالت
کبھی کلیجے کو ملتے تھے طعنۂ دشمن

حواس آمد و شد کرتے تھے جو پے در پے
دلِ ستم زدہ تھا مبتلائے رنج و محن

اسی کشاکش بیچارگی میں آخر کار
کسی نے مجھ کو سُنایا وہ مژدۂ احسن

کہ جس کو سنتے ہی بے ساختہ اُچھل کریں
خوشی میں کہنے لگا یہ کہ سُن تو او بدظن

کدھر خیال ہے تیرا تجھے خبر بھی ہے
گیا وہ جہل چلی علم کی ہوا سن سن

فرشتہ خو شرفِ دین جناب ابراہیم
وحید دہر عدیم المثال فخر زمن

ہے جنکی ذات مبارک سے شوکتِ اسلام
بنے ہیں جنکے نصائح سے دوست سب دشمن

سمجھ کے قوم کی خدمت گزاریوں کو وہ فرض
مدام غوطہ زنِ بحر فکر ہیں ہمہ تن

ہوئے اشاعت ہر علم و فن پر آمادہ
ہزار حُسن سے دل کے کنول کیئے روشن

دکھائی جودت طبع رواں کی گلکاری
بنا کے مدرسۂ احمدیہ کو گلشن

ہے درجہ درجہ ہر اک رشک تختۂ گلزار
ہزاروں قسم کے پھولوں سے بھر گیئے دامن

ہیں پھول کون یہاں کے تمام طالب علم
بلا کے پُتلے فنون و علوم کے مخزن

وہ ننھے ننھے جو بچے ہیں غنچۂ نوخیز
چٹک کے حرفوں کو دیتے ہیں بوسہا دہن

نہ صرف و نحو سے مطلب نہ کام منطق سے
نہ فلسفہ و ریاضی کا اب کہیں ہے چلن

نجوم و ہندسہ و ہیئت و کلام و ادب
ہیں کس مپرس زمانے میں جیسے کامل فن

کوئی ہے مبطلِ تفسیر و منکرِ قرآن
اصول و فقہ و اثر سے کہیں کوئی بدظن

رموز علم معانی سے کون واقف ہے
فنِ بیان کا ہے اب نام کس جگہ روشن

عروض و قافیہ کی ہے جو سرد بازاری
خزاں رسیدہ ہے عالم میں باغ شعر و سخن

پڑے ہیں فرطِ تغافل سے مدرسے سونے
کوئی نہیں کہ ہو زینت دہ بنائے کہن

ہوئی کسی کو جو کسبِ علوم کی خواہش
غرور کان ابی ھکذا ہوا رہزن

کمال و نقص کی حالت میں آگیا ہے جو فرق
ہما بھی ڈھونڈتے پھرتے ہیں بوم کا مسکن

ہزار علم ہوں لیکن ہیں جہل سے بدتر
نہیں کسی کو زمانے میں قدرِ صاحبِ فن

یہی سبب ہے کہ دنیا سے اُٹھ گئے علمار
قبول اسی سے کیا سب نے گوشۂ مدفن

بڑھی جو حد سے فزوں کاملوں کی بے قدری
سکھائی تنگیٔ قسمت نے عادتِ مردن

دلوں میں پھوٹ کچھ ایسی کہ الحذر کہئے
عداوت ایسی کہ بھائی ہے بھائی کا دشمن

مزاجداں نہیں کوئی کسی کا دنیا میں
ہے ایک ایک سے ترساں تو دوسرا بدظن

نہ پاس مذہب و ملت نہ جوش دین ہی کہیں
نہ ہے تمدّن و تہذیب و تربیت کا چلن

کسی میں کچھ نہیں بوئے حمایتِ اسلام
حریف اس کی طرف ہیں ہمیشہ تیر فگن

ہوا سمائی ہے کیوں تجھ میں ہرزہ گوئی کی
زمینِ شعر میں ہے گرمِ فکر کا توسن

یہ کاوشیں ہیں فضول اور کوششیں بیکار
نہ داد پائیگی تیری طبیعتِ روشن

مجھ غریب خستہ پر بھی کر نظر الطاف کی | میری جانب بھی رواں ہو فیض دریائے کرم
روک کر اب اشہبِ خامہ کو قیسِ آروی | لکھ کچھ اشعارِ دعا تا پائے انجامِ رقم
حاسدوں کو ہو مبارک رشک تیرا رات دن | ہو مبارک مجھ کو تیری مدحت اے والاہمم
تا ابد ہوتی رہے تجھ سے اشاعت دین کی | حق تجھے زندہ رکھے جب تک ہیں مہر و مہ بہم
خوش رہیں احباب تیرے شاد خویش و اقربا | مدعی کو رات دن گھیرے رہیں رنج و الم

قصیدہ کہ بتقریب جلسہ مذاکرہ علمیہ آرہ در ۱۸۹۶ء بمقام دربھنگہ خواندہ شدہ بود

دکھاؤں کس کو عروسِ کلام کا جوبن | کہاں سے ڈھونڈ کے میں لاؤں قدر دانِ سخن
خیال شاہد مضمون سے شرم آتی ہے | نہ کیوں ہو تر عرقِ انفعال سے دامن
کوئی نظر نہیں آتا ہے عیب جو کے سوا | ہیں محو خندۂ بیجا ہزارہا دشمن
غضب میں جان ہے اب کیا کروں کدھر جاؤں | ہمیشہ درپئے آزار ہے یہ چرخ کہن
عجیب طرح کی آتش ہے شعلہ زن دل میں | بنا ہے سینۂ پرسوز غیرتِ گلخن
کہوں جو حال میں اپنا تو حشر برپا ہو | جو چپ رہوں تو جلیں غم سے استخوانِ بدن
نہ پہنچے تا بہ اثرہائے خوبیِ تقدیر | نکل کے سینے سے نالے ہوئے غریب وطن
یہ میری فکر رسا مجھکو طعنے دیتی ہے | کہ کس کی سمت سے ہے اتنی نظم میں قدغن
بتا وہ کون ہے جوہر شناس اہل نظر | ہوا ہے میل جسے جانبِ نزاکت فن
ہے تیری قوم کو ناز اپنی بے کمالی پر | لباس جہل مرکب ہے سب کے زیب بدن

اُس کے نورِ فیض کی پھیلی ہوئی ہے روشنی / جا گزیں ہے سب کے دل میں سنتِ شاہِ امم

قدرِ جوہر جانتے ہیں وہ جو ہیں جوہر شناس / کیوں نہ ہوں اس کے ثنا خاں کاملانِ محترم

اس ضعیفی میں بھی وقتِ درس ہے رشکِ جواں / دیکھکر کہتی ہے خلق اللہ رے جوشِ ہمم

کیا ذکی و کیا غبی و کیا امیر و کیا فقیر / ہر گھڑی یکساں ہے سب پر ریزشِ ابرِ کرم

جوش پر اب تک ہے فکرِ شاہدِ طبعِ رسا / اسلیئے میں تیسرا مطلع بھی کرتا ہوں رقم

مطلع سوم

جا پڑے جس پر نگاہِ لطف و احسان و کرم / لیں قدم اُس کے تمام اہلِ عرب اہلِ عجم

ہیں غریقِ لجۂ عشقِ جنابِ کبریا / تیرے ہر ہر عضو تن اے مقتدائے محتشم

نور کا منظر جو کچھ داغِ جبیں سائی میں تھا / کثرتِ سجدہ نے اس کو کر دیا مہرِ اَتم

کیوں نہ ہو ترجیح تجھ کو کاملانِ عصر پر / ہادیِ راہِ شریعت ہیں ترے نقشِ قدم

ہیں صحیحین و مؤطا و سنن وردِ زباں / پانی پانی ہو رہے ہیں سب مقاماتِ اہم

رغبت اتنی کیوں نہ ہو تجھ کو حدیثِ پاک سے / تو ہے آلِ مصطفےٰ فخرِ عرب فخرِ عجم

ہند میں تو نے دیا قرآن و سنت کو فروغ / اصلِ علمِ دین کو حاصل ہو گیا جاہ و حشم

شرک و بدعت کفر و عصیاں بلکہ سب فسق و فجور / تیری ہیبت سے ہوئے ہیں راہیِ ملکِ عدم

خالقِ اکبر نے کی یہ عزت افزائی تری / دشمنِ سرکش بھی آتے ہیں کیئے گردن کو خم

کر دیا خورشید ذرّوں کو نگاہِ مہر سے / تیری ذاتِ پاک نے اے سیدِ عالی شیم

جھومتی ہیں جوشِ مستی میں شجر کی ٹہنیاں
چہچہے ہیں طائرانِ خوش نوا کے دمبدم

چلتے پھرتے لوٹتے ہیں لوگ جنت کی بہار
خلد کے سبزے میں چرتے ہیں غزالانِ حرم

بھر کے گلچیں اپنے اپنے دامنوں کو پھول سے
کرتے ہیں خوشبو مشامِ روح و جاں ذی رنج و غم

ہر طرف صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کی دھوم ہے
جمع پھر کیونکر نہیں ہوں قدسیانِ باکرم

چپ رہیں کیونکر کہ ہے دریائے مضموں موج خیز
ایک مطلع دوسرا کرتے ہیں اب زیبِ رقم

مطلع دوم

آج میں لکھتا ہوں مدحِ نائبِ شاہِ اُمم
چشمۂ خورشید سے دھولے زباں اپنی قلم

مرحبا طبعِ رسا ہے بحرِ مضموں جوش پر
تو بھی ہو جا مہرباں اے شوقِ صادق ایکدم

اے سخن وقتِ ادب ہے دیکھ گستاخی نہ ہو
تو بھی کرلے اے قلم میری طرح گردن کو خم

دیکھ اُستادِ ازل آیا ہے وقتِ امتحاں
ہاں مدد کرنا کہ ہو آسان یہ کارِ اہم

جس کے فیضِ علم سے ساری فضا پُر نور ہے
اسکے وصفِ پاک میں کرتا ہوں میں بھی کچھ رقم

شیخنا اُستاذنا اُستاذِ اُستاذِ زماں
وارثِ علمِ نبی و حاجیِ بیت الحرم

شد محمد اسمِ پاک او ملقب با نذیر
بل بہ ترکیبِ حسین اے سامعانِ ذی ہمم

شش جہت میں ہر طرف شہرت ہے اسکے علم کی
کہتے ہیں سب لوگ چل کر لیجیے اُسکے قدم

عالمانِ دہر کو ہے فخر اُس کی ذات سے
ساکنانِ ہند ہیں سب اُس کے ممنونِ کرم

اس کے رعبِ علم سے ہر شرک و بدعت کا نشاں
ہو گیا ہے صفحۂ دنیا سے کافور ایکدم

جو نہ جانے[لہ] صدر کیا ہے کسکو کہتے ہیں عروض
ابتدائے مطلع و ضرب و عجز پر کھائے سم

جو معانی و بلاغت سے ہو بالکل بے خبر
اور ہو علم قوافی سے وہ جاہل ایکدم

اُس کو دعویٰ شاعری کا یہ خدا کی شان ہے
خود ہی کھوتا ہے وہ اپنی باتوں سے اپنا بھرم

ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں بے ربط معنی جوڑ کر
جاہلوں میں نکتہ سنجی کا عبث بھرتا ہے دم

تہ کرے زانوئے شاگردی ہمارے سامنے
تب بتائیں کنہیات فن اسے کچھ بیش و کم

ہم ہیں یہ عادت تعلّی و تفاخر کی نہیں
کوئی مانے یا نہ مانے کہتے ہیں کھا کر قسم

ہاں مگر عشق نبی نے جی میں جب گھر کر لیا
اور احادیث و سنن سے ہو گئے وابستہ ہم

دشمنوں کی جان پر اک قہر کی بجلی گری
بے سر و پا باتوں سے کرنے لگے وہ متہم

ہم بھی آخر آدمی ہیں کچھ فرشتا تو نہیں
سہتے کب تک ظالموں کے راتدن جور و ستم

طعنۂ بیجا سے دل میں آگ تھی بھڑکی ہوئی
کر گئے تشبیب میں یہ فخریہ بیتیں رقم

ورنہ اس ہرزہ سرائی کا یہاں موقع نہ تھا
پڑ گئے ہیں اصل مطلب سے نہایت دور ہم

ہے بیان مدعا کے واسطے لازم گریز
طرز تحریر اب بدل کر لکھ تو اشعار اے قلم

فاعلاتن - فاعلاتن - فاعلاتن - فاعلن
ہے رمل محذوف یا مقصور ہیں ساری رقم

ہیں نسیم سنتِ احمد کے جھونکے موج خیز
نغمہ زن ہیں عندلیب گلشنِ شاہِ امم

لہ آپ کے قیام دہلی کے زمانے میں بعض جزوی مسائل پر ایک شخص سے کچھ گفتگو ہوئی تھی اس پر فریق مخالف عاجز ہو کر اپنی جودت طبع دکھانے کو شاعرانہ پیرائے میں سخت فحش گالیاں لکھ کر ڈینگ مارتا پھرتا تھا حالانکہ وہ نظم گالیوں اور اتہامات سے مملو تھی اور شاعرانہ حیثیت سے از سرتا پا غلط۔ اُسی کی طرف تشبیب میں اشارہ ہے ۱۲۔ برق شیرپوری۔

قصیدہ در مدح شمس العلما شیخ الکل

جناب مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی علیہ الرحمۃ

کہ در سنہ ۱۳۰۳ھ ہنگام درس صحاح ستہ (از حضرت شاں) نظم کردہ شدہ بود

ہیں سخن میں نکہتِ گل کی طرح پوشیدہ ہم
شاعرِ عالی دماغ و خوش بیاں رنگیں رقم

کاملِ علمِ سخن ہیں شاعرِ یکتائے عصر
بحرِ مواجِ فصاحت نازشِ اہلِ عجم

گرمیِ فکرِ رسا سے ہے عرق ریزیِ طبع
ہو رہا ہے گلفشاں جوشِ مضامیں سے قلم

شاہدِ حسنِ بیاں کہتا ہے میں کوسوں ہوں دور
شوق کہتا ہے کہ میں لونگا ترے بڑھکر قدم

دیکھیں استادانِ فن اس نظم کی پاکیزگی
ہر جگہ روح القدس کے فیض ہیں کیا کیا بہم

نام تک اس میں کہیں حشو و زوائد کا نہیں
شستہ ترکیبیں ہیں بندش چست لفظیں منتظم

کب بھلا حسّاد سمجھیں گے ہمارا مرتبا
جل مرینگے دیکھکر شوخیِ رفتارِ قلم

عاشقانہ نوک جھونک بطور طنز ؎

انداز حسینوں کے ہیں دنیا سے نرالے جی لاکھ ستم کر کے بھی ٹھنڈا نہیں ہوتا

جواب خط کو کاغذ ابیض ثابت کیا ہے ؎

کچھ مدعا سمجھ میں سلے نامہ بر نہ آیا سو بار الٹ پلٹ کر خط کا جواب دیکھا

دنیا کی بے ثباتی ؎

قصر شاہی میں کسی کے خلعتِ زر تار پر آنکھیں پڑتے ہی مجھے گور و کفن یاد آگیا

مشکل طرحوں میں ردیف کو کیسا چمکایا ہے ؎

شکر ہے تن سے جدا ہو کر جو میرا سر گرا یاوری قسمت نے کی قاتل کے قدموں پر گرا

یہ مشتے نمونہ از خروار ہے ہر شعر پر ؎

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا این جاست

آپ پورا دیوان نگاہ تعمق سے دیکھیں گے تو زیادہ لطف اٹھائیں گے نظم میں کہیں الجھاؤ کا نام نہیں سہل الممتنع سارا کلام عالم ابتحر ہو کر اشعار کی زبان پر آپ غور کریں تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہندوستان کا طوطی چہک رہا ہے کہیں حسینوں کی چھیڑ چھاڑ ہے کہیں عاشقانہ رمز کہیں عارفانہ معرفت تمام دیوان مرقع معانی ہے نظر انصاف چاہیئے ۔ فقط

(خواجہ) محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی

۱۹۔ ستمبر ۱۹۳۲ء

سنجری چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے ننھیالی رشتہ ملتا ہے یعنی دونوں طرف سے سیّدعالی نسب اور
دُر یکتا ہیں شرافت نورٌ علیٰ نور ہے ایسی متبرک صحبتیں کہاں میسّر آتی ہیں۔ اخلاق میں اپنا نظیر نہیں رکھتے
شاعری معائب سے پاک طرز رشک دو منیر کو زندہ کرنیوالے ہیں اِن کی قدر وہی جانتے ہیں جو مذاق صحیح رکھتے ہیں
نااہل سے ہمیں کلام نہیں صاحبان ذوق سے انصاف طلب ہیں۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دو چار شعر دیوان سے لیکر مولانا کا مرتبہ شاعری بیان کیا جائے۔

دیوان کی پہلی غزل میں حمد کا مطلع کیسا برجستہ کہا ہے ؎

طور ہی پر نہیں موقوف نظارا تیرا — چشم بینا ہو تو ہر شئے میں ہے جلوا تیرا

توحید میں دوسری غزل کا ایک شعر ہے جسمیں دلیل وحدت کس خوبصورتی سے بیان کی ہے سبحان اللہ ؎

ہر شئے میں تیری قدرت ای یار جلوہ گر ہے — تیری دلیل وحدت ہے انتظام تیرا

اب صفائی زبان کے دو شعر سُن لیجیئے ؎

سبق پڑھا کے مجھے اپنی آشنائی کا — دیا ہے داغ کسی نے غمِ جدائی کا
ہوا کلیم کو دیدار یار کا دھوکا — نہ سمجھے یہ کہ وہ تھا کھیل دلربائی کا

لطف تخئیل ملاحظہ کیجیئے ؎

دریا ہے رواں جو چشم تر کا — پھوٹا نہ ہو آبلہ جگر کا
کیوں دم بخود آج بیٹھے ہو تم — اے قیس خیال ہے کدھر کا

اعتقادات میں ایک مقطع کس شان سے کہا ہے ؎

حصولِ مدعا میں دربدر کی ٹھوکریں کھائیں — تعجب ہے کہ قیس اغیار کو حاجت روا سمجھا

منقولات۔ فقہ۔ تفسیر۔ حدیث اور طب کا درس دیتے ہیں اسی کے ضمن میں شاعری کا شوق ابتدائے شباب سے ہے اور پہلے تو برابر مشاعروں میں شریک ہوا کرتے تھے۔

حقیقت میں مولانا حضرت شمشاد لکھنوی کے ارشد تلامذہ میں ہیں اور استاد کے مسلک کے موافق رشک و منیر کے قواعد سے وابستہ ہیں اور تمام متروکات کے تارک ہیں۔

تقریباً کچھ کم وبیش چالیس برس کا ذکر ہے کہ بصیغۂ تجارت آرہ میں میرا جانا ہوا اور چندے متواتر جاری رہا جناب قیس سے شرف نیازمندی حاصل ہوا۔ آپ کے علمی مشاغل دیکھے مطب کا ہجوم دیکھا۔ مرضا کا رجوع دیکھا۔ شعر و شاعری کا شوق دیکھا۔ اچھی سوسائٹی کا جماو دیکھا۔ لوگوں کا آپ سے باحترام ملنا دیکھا۔ اُس زمانے میں شاعری کا اس شہر میں بہت چرچا تھا منشی محمد اسمٰعیل صاحب مختار مہر۔ مولوی سید امیر حسن صاحب بدر۔ سیّد قمر الدین حیدر صاحب قمر اور خدا جانے کن کن شعرا سے نیاز حاصل ہوا۔ جنکا نام بھی یاد نہیں۔ پھر غالباً سولہ سترہ برس ہوئے ہونگے کہ گیا کے مشاعرے میں بھی جناب قیس سے ملاقات رہی۔

مولانا کی کنیت ابوالخیر نام مولوی حکیم محمد ضمیر الحق صاحب تخلص قیس ہے اور مولانا شمشاد کے صحیح جانشیں ہیں طرز کلام اور طرز ادا دونوں میں مولانا شمشاد مرحوم کا رنگ ہے شاعری کے جملہ علوم کے فاضل ۱۲۸۰ھ کے آخر میں آپ کی ولادت ہوئی آپ کے جدی مورث اعلیٰ سیّد یوسف سدیسو پوری[ط] ساداتِ بہار میں ممتاز درجہ رکھتے تھے اور حضرت خواجہ معین الدین حسن

ط یہ ایک گاؤں سیّد یوسف علیہ الرحمۃ کے نام پر آباد ہے جس کو عوام نے بگاڑ کر سید یوسف پور سے سدیسو پور کر دیا اور اب اسی مہمل نام سے مشہور ہے۔ بھٹا اور نیورہ کے درمیان میں واقع ہے۔ اسی سدیسو پور کے نام سے وہاں ریلوے اسٹیشن بھی ہے۔ ۱۲ محمد عبدالغنی برق

محمد ضمیر الحق صاحب قیس آروی کا دیوان بھی چھپ جائے۔

کیونکہ ماشاء اللہ آپ عالم باعمل فاضل جید ہونے کے ساتھ ہی ساتھ شاعر اکمل بھی ہیں اور فن شعر و سخن میں کافی عبور رکھتے ہیں اور مولانا شمشاد کے صحیح جانشیں ہیں حالانکہ وہ شاعری کو اپنی کسر شان سمجھتے ہیں کیونکہ ان کا پایۂ علوم اس سے بلند تر ہے۔

جب کبھی لوگوں نے طبع دیوان کا اصرار کیا آپ نے یہ کہ کر ٹال دیا کہ مجھے درس و تدریس سے کہاں فرصت جو دیوان کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔

جب لوگوں نے اصرار کی وجہ بیان کی کہ آج کل فن شاعری اس قدر بدنام ہو رہا ہے کہ شاعر اور گویا ایک سمجھا جاتا ہے اکثر شاعر جاہل ہوتے ہیں لوگوں کا امتیاز اس قدر گم ہو گیا ہے کہ وہ ماہر فن اور غیر ماہر فن میں تمیز نہیں کر سکتے پھر نا مہذب کمینے شاعر بنکر اہل دولت کی خرابی کا باعث ہوتے ہیں ان سے افعال ناقصہ صادر ہوتے ہیں اور سب سے بڑھ کر خرابی تو یہ ہے کہ زبان اُردو کی مٹی پلید ہو رہی ہے دور از کار ترکیبیں غلط تراشی گئی ہیں زبان کی حمایت آپ ایسے ہمدردان لوگوں پر فرض ہے کم سے کم یہ خدمت آپ کے لیئے کیا کم ہے کہ اپنا دیوان شایع فرما دیجیئے لوگ دیکھیں کہ اُردو کی خدمت ایسی متبرک ہستیوں نے کی ہے اور اسکے تتبع سے فائدہ اٹھائیں اور دیوان سے الفاظ کی سند حاصل کریں۔

تو آپ نے مجبور ہو کر اس امر کو منظور کیا اور دیوان مطبع میں بھیجدیا۔

بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے کچھ مشاغل کا ذکر کیا جائے عنفوان شباب میں آپنے غازیپور، لکھنو اور دہلی وغیرہ میں علم عربی اور فن طب حاصل کیا اور بعد تکمیل اپنے وطن مالوف محلہ چوک مسجد آرہ میں مطب کرنے لگے اس وقت آپ کا شمار حاذق اطبا میں ہے اور زمانے سے طلبا کو معقولات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہدیۂ مختصر بنام نامی و اسم گرامی

سلطان العلوم اعلیٰ حضرت فلک شوکت سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ

حضور پُر نور ہز اگزالٹڈ ہائینس

نواب میر عثمان علی خان بہادر نظام الملک آصفجاہ سلطان دکن

خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

آج دل وقف بہارِ گل و سوسن ہوجائے
چاک چاک اپنے غم و یاس کا دامن ہوجائے

چل رہی ہے طرب انگیز نسیم سحری
دل کی کھِل جائے کلی سینہ بھی گلشن ہوجائے

عرض مطلب کے لئے جب ہوں تکلم آرا
اشہبِ فکر رواں عرش کا توسن ہوجائے

طور معنی کی تجلی کا دکھادوں جلوا
ساحتِ شوق اگر وادیِ ایمن ہوجائے

کچھ عمل پڑھ کے ذرا کیل دوں دشمن کی زباں
گفتگو پر اگر آمادہ وہ الکن ہوجائے

مال کی مجھ کو تمنا ہے نہ دولت کی ہوس
آرزو یہ ہے کہ دیوان مزین ہوجائے

اسم اقدس سے جو نسبت ہو ملے حسن قبول
آج ہر شہر میں مشہور مرا فن ہوجائے

ہفتمیں آصف ذی جاہ امیر ابن امیر
ذرہ ہو مہر جو وابستۂ دامن ہوجائے

ذکر اوصاف میں یہ رمز و کنایہ کب تک
نام نامی بھی عیاں صورت احسن ہوجائے

گد گداتی ہے طبیعت کہ یہ میرا دیواں
میر عثمان علی خان سے معنون ہوجائے

پھر دعا کے لئے ہو صرف حیاتِ باقی
قیس کا دل شہ پُر نور کا مسکن ہوجائے

۶۸۹

قطعۂ تاریخ طبع دیوان ہٰذا

از افکار گہر بار استاذ السلطان افتخار الشعراء

عالیجناب جلیل القدر نواب فصاحت جنگ بہادر حافظ محمد جلیل حسن صاحب جلیل

جانشین امیر مینائی لکھنوی رحمہ اللہ

جو ہیں متوالے سخن کے آئیں دیکھیں یہ کلام

معنیٔ پرکیف ہے یا دور میں پیمانہ ہے

طبع کی تاریخ بھی ہے وجد کے قابل جلیل

ہر سخنداں قیس کے دیوان کا دیوانہ ہے

۳ ۵ ۱۳ ھ

ردیف الف

طور ہی پر نہیں موقوف نظارا تیرا
چشم بینا ہو تو ہر شئے میں ہے جلوا تیرا
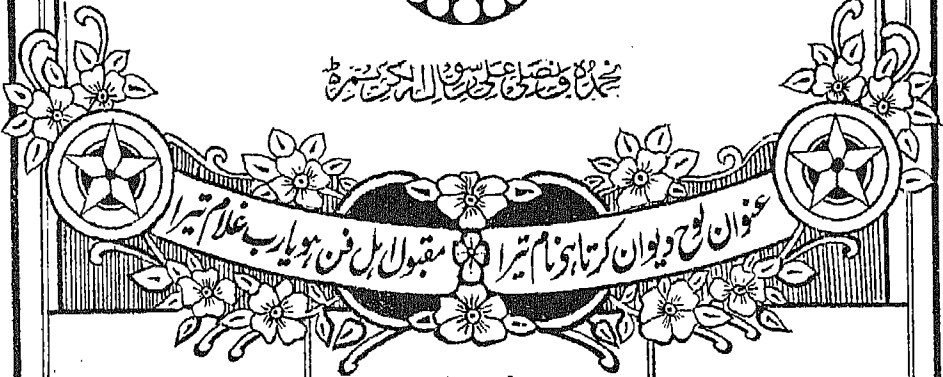
کعبہ تیرا ہے ترا دیر کلیسا تیرا
تیری راتیں ہیں ترے دن ہیں زمانا تیرا

دل دے وہ دل مجھے جس دل میں ہو تیری اُلفت
سر دے وہ سر مجھے جس سر میں ہو سودا تیرا

بھیجدے روح قدس کو گل مضموں لیکر
زمزمہ سنج ہے اب بُلبُل گویا تیرا

صرف انسان ہے وہ جس سے اطاعت نہ ہوئی
ورنہ ہے کون کہا جس نے نہ مانا تیرا

یہ حجاب اور قریبِ رگ گردن رہنا
واہ اے پردہ نشیں خوب ہی پردا تیرا

سرفروشی کو نہ کیوں عین سعادت سمجھوں
ہے بقا میرے لئے نام رہے گا تیرا

دولتِ عشق میسر ہو تو دشوار نہیں
ذرّے ذرّے میں نظر آئے تماشا تیرا

پھُنک رہا ہوں مگر اس پر بھی ادب کے صدقے
کیا مجال آئے لبوں پر کبھی شکوا تیرا

ہو بشر واقف اسرار حقیقت تو با
مشت خاک اور یہ پہچان لے ربّا تیرا

بُت کے پردے میں کہیں تیری پرستش دیکھی
ذکر ہوتے کبھی دیکھا لب دریا تیرا

کِس طرح سلجھے گی یارب مرے دل کی گتھی
ناخنِ فکر نہیں پاتے اشارا تیرا

ہے مرے دل میں کوئی شاہد اسرار نہاں
دخل بیجا ہے یہاں اے غم دنیا تیرا

لطف جب ہو کہ قیامت میں بتا کر مجھکو
تیری رحمت کہے یارب یہ ہے شیدا تیرا

ایک حیلا مرے ترنے کے لئے کافی ہے
مجھکو معلوم ہے بخشش میں بہانا تیرا

تو ہی تھا کچھ بھی نہ تھا جب بھی طلب تھی تیری
آج سب کچھ ہے تو کیا اب بھی ہوں جویا تیرا

اپنی آنکھوں سے لگا لیتے بصیرت کیلئے
دیکھ پاتے جو کہیں نقش کفِ پا تیرا

خار صحرا کو ہوئی دولت پا بوس نصیب
جب گیا سیر کو میں آبلہ فرسا تیرا

میں تہی دست ازل کون سی دولت لکھتا
ہاں مگر دل میں ہے اک داغ سویدا تیرا

وصل تو سہل ہے لیکن یہ عجب مشکل ہے
کہیں ملتا نہیں عاشق کو ٹھکانا تیرا

حشر کے دن بھی مٹا نقش کفِ پا کی طرح
شوق دیدار میں پامال تمنّا تیرا

نقد جاں کیوں میں نچھاور نہ کروں دلبر پہ
مجھ سے اُٹھتا نہیں اے موت تقاضا تیرا

پرتوِ رُخ کی جھلک ہی سے گرے غش کھا کر
حسن کیا دیکھتے پھر حضرت موسیٰ تیرا

کوئی گردن ہی جھکا لے تو نظر آئے اُسے
دل کے آئینے میں عکسِ رُخ زیبا تیرا

اے خدا تِلّس سیہ کار رہے کیوں رسوا
گو گنہگار ہے لیکن ہے یہ بندا تیرا

جو کوئی دلدادہ محبوبِ خدا کا ہو گیا
حق یہ ہے اللہ کا وہ خاص بندا ہو گیا

واہ کیا دردِ محبّت لذت افزا ہو گیا
قطرہ قطرہ آنسوؤں کا رشک صہبا ہو گیا

تشنہ کامانِ شفاعت کی یہ قسمت دیکھئے
زندگی دو بھر ہوئی آسان مرنا ہو گیا

موت کہتے ہیں جسے وہ وصل کا پیغام تھا
زیست کا جھگڑا چکا انجام اچھا ہو گیا

رنج فرقت میں مرے مرنے کی آسانی نہ پوچھ
ہچکی آئی دم رُکا بیمار ٹھنڈا ہو گیا

حشر کے دن آتے ہی پہنچے لوائے حمد کے
امتِ عاصی کو بخشش کا سہارا ہو گیا

آفتابِ دینِ برحق وہ مقدس ذات تھی
جس کے نورِ فیض سے عالم اُجالا ہو گیا

کر دیا ہر شئے کو پاک ایسا خس و خاشاک سے
کعبہ بُت خانہ بنا مسجد کلیسا ہو گیا

شرک ہو یا کفر ہو بدعت ہو یا فسق و فجور
آپ کی بعثت سے اِن سب کا صفایا ہو گیا

گونج اٹھی چاروں طرف اللہ اکبر کی صدا
کفر پر بجلی گری شیطان رسوا ہو گیا

منکرینِ بدنہاد اتنا تو دل میں سوچتے
حضرتِ صدیقؓ کا کیونکر یہ رتبا ہو گیا

گھر سے نکلے تھے عمرؓ کیا کیا ارادے باندھکر
سامنے آتے ہی لیکن اور نقشا ہو گیا

منزلت ہاتھ آگئی عثمانؓ ذی النورین کو
لحمكَ لحمِی علیؓ کا خاص حصّا ہو گیا

ہر مہاجر اور ہر ہر فرد تھا انصار کا
جو نظر پڑتے ہی جان و دل سے شیدا ہو گیا

دشمنوں کے روکے رُکتا جوش کیا اسلام کا
قطرے قطرے بڑھتے بڑھتے ایک دریا ہو گیا

کچھ نہ کام آئی کسی کی بھی کوئی افسونگری
رائج اسمِ پاک کا ہر سمت سکّا ہو گیا

سر سے لیکر پاؤں تک رحمت ہی رحمت آپ تھے
آنکھ جس پر پڑ گئی گویا فرشتا ہو گیا

کون ہے درد آشنا جس کو سناؤں سوزِ دل / پوچھتے ہیں لوگ تیرا حال یہ کیا ہو گیا

عالمِ امکاں میں لائے تھے متاعِ نقدِ جاں / عشق کی دولت ملی انمول سودا ہو گیا

خاتمہ ہوگا اگر دینِ رسول اللہ پر / میں تو سمجھوں گا جبھی ارمان پورا ہو گیا

گرمیِ خورشیدِ محشر سے وہ کیوں بے ڈر نہ ہو / جس کے سر پر آپ کے دامن کا سایا ہو گیا

یا الٰہی جلد حاصل ہو مسرت دید کی / بار مجھ پر انتظارِ روزِ فردا ہو گیا

دیکھوں ہوتی ہے مدینے کی زیارت کب نصیب / میں اسی ارماں اسی حسرت میں بوڑھا ہو گیا

حمدِ خالق سے جو پائی دولتِ مقبولیت / نعت احمد لکھ کے میں استاد یکتا ہو گیا

جوشِ حبِ مصطفٰے نے اس قدر بخشا شرف / قیس کے دیوان کا ہر شعر اچھوتا ہو گیا

خمخانہ ہے دل عشقِ رسولِ دوسرا کا / کیوں جام نہیں چھلکے مری طبعِ رسا کا

یارب مجھے دیدار ہو اُس ماہ لقا کا / مصداق جو ہے جملۂ لولاک لما کا

آمین مرے ساتھ کہیں جن و ملک بھی / میں ہاتھ اُٹھاتا ہوں پئے وصل دعا کا

حاصل ہو مجھے کوچۂ جاناں کی گدائی / خواہاں میں نہیں سلطنت و ظلِ ہما کا

اے کاش مری خاک ہی لیجائے وہاں تک / احسان پسِ مرگ ہو اتنا ہی صبا کا

مانندِ فلک میں بھی سرافراز جہاں ہوں / ملجائے جو بوسا کوئی نقشِ کفِ پا کا

ہیں نجمِ فلک آتشِ فرقت کے شرارے / ہے چاند ہمارے دلِ پُرداغ کا خاکا

لہ الحمد للہ کہ ۱۳۰۵ھ ہجری میں یہ دولت نصیب ہوئی ۱۲ منہ

پہنچائے گی الفت ہی مجھے یار کے در پر
محتاج نہیں ہوں میں کسی راہ نما کا

دریائے شفاعت کی روانی جو یہی ہے
کیا خوف گنہگاروں کو ہو روز جزا کا

کس کی نگہِ لطف کی شادی ہے کہ ہر دم
ٹوٹا نظر آتا ہے مجھے بند قبا کا

مرقد میں نکیرین نہ بک بک کے ستائیں
ہوں مست مئے الفت محبوب خدا کا

کس شان سے مقتل میں مرے قتل پر اٹھی
ہے تیغ کی جھنکار میں غل صلِّ علیٰ کا

عاشق کی شہادت بھی حیاتِ ابدی ہے
ہر قطرۂ خوں قطرہ ہے دریائے بقا کا

آوارہ وطن تو ہی نے اے عشق بنایا
سچ پوچھ تو قائل ہوں ترے ناز و ادا کا

ہوتے ہیں جدا مجھ سے مرے صبر و تحمل
اب ہاتھ سے جاتا ہے تعلق رفقا کا

اس ڈر سے کہ برہم نہ ہوں گستاخ سمجھ کر
کچھ ذکر کیا ہم نے وفا کا نہ جفا کا

اے قیس نہ بڑھ جاؤ کہیں حد ادب سے
خاموش رہو وقت ہے تسلیم و رضا کا

تماشا گاہ عالم ہے کرشما خود نمائی کا
نہ کیونکر ذرہ ذرہ آئینا ہو کبریائی کا

غریقِ لجۂ الفت ہوں اسکی خوش ادائی کا
کہ تھل بیڑا نہیں ہے جس کے بحرِ آشنائی کا

نگاہِ مست ساقی کہتی ہے سرشار رہنے کو
شکستِ توبہ طعنا دے رہی ہے پارسائی کا

دعائے وصل یارب یوں ہم آغوشِ اجابت ہو
کہ میری آہ سوزاں پھونک دے پردہ جدائی کا

بظاہر سینہ بیدھا مہ جبینوں کی نگاہوں نے
مگر میں لطف پاتا تھا کسی کی دل ربائی کا

ترا پاسِ ادب جوشِ جنوں کو تھام لیتا ہے
ارادا جب کبھی کرتا ہے میری پیشوائی کا

نہ کیوں محوِ تحیر ہو تجلّی طورِ سینا کی
فروغِ روز افزوں دیکھکر دل کی صفائی کا

ادب درکار تھا منصور اتنا بھی نہیں سمجھا
کیا ناداں بنکر فاش پردا آشنائی کا

عروجِ عاشقی ہے آتشِ فرقت میں جل بجھنا
اسے اغیار کیا جانیں یہ زینا ہے رسائی کا

پکارا دل قدم رکھتے ہی وادیِ محبّت میں
خدا ہی روکنے والا ہے اب تو میری آئی کا

پڑینگے آفتابِ حشر میں دھبّے خجالت کے
اگر قسمت نے چمکایا ستارا جبہہ سائی کا

میں اپنی آرزوے خوں شدہ کی داد کے صدقے
وہ رنگ اِس میں بتاتا ہی کسی پاے حنائی کا

مرے اظہارِ الفت پر وہ کس شوخی سے کہتا ہی
فریبی ہے زمانے کا تو جھوٹا ہے خدائی کا

اشاروں سے ترے پیدا ہوئی غمزے حسینوں میں
پڑھایا ہی سبق تو ہی نے اُن کو بے وفائی کا

رہے گا موردِ رنج و الم قیسِ حزیں کب تک
خبر لے جلد یارب وقت ہے مشکل کشائی کا

گلا ہے بے وفائی کا نہ شکوا کج ادائی کا
عجب لذت فزا ہے درد زخمِ آشنائی کا

بنانا پھر مٹانا ہے طریقہ رہنمائی کا
اسی سے مل گیا سارا پتا تیری خدائی کا

اگر کوئی فنا فی اللہ کر دے اپنی ہستی کو
تو پھر ہر سانس سے پیدا ہو نعرا کبریائی کا

تری راہِ طلب میں ناتوانی میری حائل ہی
نتیجا دیکھیے ہوتا ہے کیا بے دست و پائی کا

شرف افزا ہی سب کے حق میں تیرے در کی محتاجی
قمر کو وجہ نازش کیوں نہ ہو کاسا گدائی کا

ہوائے موسمِ گل ہے ترے میکش نہ سنبھلیں گے
کرینگے ٹکڑے ٹکڑے آج دامن پارسائی کا

اُٹھایا جس نے اپنا سر گرا قعرِ مذلت میں
ترے آگے نہ راس آیا کبھی دعویٰ بڑائی کا

عیاں ہے راز سربستہ مری مرجھائی صورت سے
لبوں پر مہر خاموشی ہے تمغا پیشوائی کا

نزاکت دیکھکر خنجر بکف قاتل کو بول اُٹھی
خدا ہی حافظ و ناصر ہے اس نازک کلائی کا

مزا دیتا ہے سر کا تیرے قدموں پر پڑا رہنا
کوئی کیا رتبہ داں ہوگا ہماری جبہہ سائی کا

اسیرانِ محبّت کو اسیری عین راحت ہے
ستم ڈھاتا ہے آجانا تصور بھی رہائی کا

بیانِ رنج و شرحِ درد دل کیونکر کروں تجھ سے
ٹھکانا ہی نہیں ملتا ہے جب غم کی سمائی کا

سرِ بالیں تم آکر مجھ سے آنکھیں کیوں چُراتے ہو
بھلا یہ بھی کوئی موقع ہے الفت آزمائی کا

نہیں معلوم مجھ پر کس لئے ڈھیلے برستے ہیں
مگر دیوانہ بننا دیکھیں گے اپنے فدائی کا

عبث اے بخت خُفتہ قیس کو رسوا نہ کرنا تھا
لگا کر آہ کے دامن میں دھبّا نارسائی کا

عجز سے رتبہ بڑھا وہ ترے شیدائی کا
رشک خورشید بنا داغ جبیں سائی کا

روز افزوں ہے مجھے شوق جو تنہائی کا
پیش خیمہ نہ ہو یہ بادیہ پیمائی کا

کہتے ہیں جس کو قیامت ہے کرشمہ تیرا
حشر کیا چیز ہے مجمع ہے تماشائی کا

شرط انصاف یہی ہے کہ مرا دل لے کر
غلغلا آپ سُنا دیجئے رسوائی کا

آئینہ خانے میں جاتے ہو سنورنے کے لئے
دیکھو دعویٰ نہ غلط ہو کہیں یکتائی کا

دو قدم چل کے ذرا آپ ہی تم دیکھ نہ لو
حال کیا پوچھتے ہو اپنے تمنّائی کا

دل میں داغِ غم فرقت کی سیاہی سمجھے
پھول دیکھا جو کہیں لالۂ صحرائی کا

کون سی شئے ہے نہیں تیری تجلّی جس میں
آنکھوں میں سرمہ ذرا چاہیئے بینائی کا

بن کے سائل جو میں پہنچا تو ملا اذن کلام
فقر کیا خوب ذریعہ ہے شناسائی کا

مسجد و کعبہ میں ڈھونڈوں کہ حریم دل میں
کچھ ٹھکانا بھی ملے اُس بُت ہرجائی کا

ہے کوئی مائل صد ناز نگر ہونے کو
شور ہے عرصہ گہ حشر میں رعنائی کا

گر کے اُٹھتا ہوں تو آتا ہوں تری ڈیوڑھی پر
ناتوانی میں یہ عالم ہے توانائی کا

دل ہی دل میں نہ ہو کیوں حسرت و ارماں کا ہجوم
نام خلوت ہے تری انجمن آرائی کا

میرے سر سے نہ گئی مر کے بھی سجدے کی ہوس
شوق اب تک ہے وہی ناصیہ فرسائی کا

جوش وارفتگی عشق وہ سنکر بولے
قیس پر سایہ ہے شاید کسی سودائی کا

سبق پڑھا کے مجھے اپنی آشنائی کا
دیا ہے داغ کسی نے غم جدائی کا

جب امتحاں اُنہیں منظور ہے فدائی کا
گلا فضول ہے نالوں کی نارسائی کا

علاج ہو نہ سکے جس سے اپنی آئی کا
خدا کی شان وہ دعویٰ کرے خدائی کا

رہ طلب میں غضب ہی غرور نفسانی
خودی سے پاک رہے جامہ پارسائی کا

چھپینگے میری نگاہوں سے کیا وہ پردوں میں
کہ عالم آئینہ ہے اُن کی خود نمائی کا

فلک کی طرح کسی کا سر نیاز جھکے
تو رشک مہر بنے داغ جبہہ سائی کا

اثر پذیر ہو کیا شورش قیامت سے
جو ہو شہید تری تیغ خوش ادائی کا

ہوا کلیم کو دیدار یار کا دھوکا
نہ سمجھے یہ کہ وہ تھا کھیل دلربائی کا

ترے فقیر کے رتبے کو شاہ کیا جانے
کھلا ہے راز کہاں کاسہ گدائی کا

جو محو لذت دیدار ہو اسیری میں
وہ نام سُن سکے نہ گھبرائے کیوں رہائی کا

ہر ایک ذرّہ دکھاتا ہے چشم حق بیں کو
کرشمہ عالم امکاں میں کبریائی کا

شعاع عکس تجلّی سے غش ہوئے موسیٰ
نظارہ کر نہ سکے حُسن کی صفائی کا

خلوص جادۂ الفت میں عین طاعت ہے
نہیں ہے کام یہاں سجدۂ ریائی کا

وہ خود ہی ایک اک دن ادھر کھنچ آئینگے
کرے گی دل کی کشش کام رہنمائی کا

بیاں سرّ حقیقت ہے قیس کا دیواں
کچھ اس میں دخل نہیں طبع آزمائی کا

بھلا تو ڈر اے ظالم بھرے دم میری الفت کا
غضب کی تیری چالیں ہیں یہ فقرا ہی قیامت کا

لگا کر دل ہوا ہی سامنا لاکھوں مصیبت کا
ستم ہوتا ہے آجانا حسینوں پر طبیعت کا

نہ پوچھو منچلوں کو ہوتے ہیں آتش کے پرکالے
ہر ایک ادنی کرشمہ پھانس لینا پیاری صورت کا

ابھی تو کیا ہے مرنے پر میں تجھ کو یاد آؤں گا
پھریگا جب تری آنکھوں میں نقشا میری صحبت کا

جھکا کر گردن اب دیدار کی لذت اُٹھاتے ہیں
کہاں تک آسرا دیکھا کریں بیٹھے قیامت کا

مئے گلرنگ سے سیراب کر دے جلد اے ساقی
تری ڈیوڑھی پر آیا ہوں میں پیاسا ایک مدت کا

نہیں معلوم کیا سمجھے ہیں آپ اے حضرتِ ناصح
اُبھرتا ہے کہیں ڈوبا ہوا بحرِ محبّت کا

مرا دل ایسی بے دردی سے کیوں پامال کرتے ہو
ذرا سوچو تو یہ پروردہ ہے کس ناز و نعمت کا

قیامت ہو گئی جب وہ ہماری لاش پر بولا
خدا بخشے یہ کیا انسان تھا پُتلا مروت کا

کٹا غیرت سے کیا کیا ایک لٹے سا مانگ کر اُس سے
کہا اُس نے جو ہنسکر دیکھوں مُنہ حضرت سلامت کا

پسِ مردن بھی شاید حوصلہ مشقِ ستم کا ہو
پتا ہر ایک سے وہ پوچھتے ہیں میری تربت کا

ہماری لاغری نے دی جگہ محفل میں رہنے کی
نہ آئے ہم نظر اُن کو بھلا ہو اس نحافت کا

مجھے کس واسطے باغِ ارم کی آرزو ہو گی
مزا جب کوچۂ جاناں ہی میں پاتا ہوں جنت کا

لحد میں اب نکیرین آئے میرا سر پھرانے کو
نہیں ہے بعد مرنے کے بھی کچھ سامان راحت کا

سوالِ وصل پر یوں دم بخود ہونا نہیں اچھا
سنا دو فیصلا جو کچھ ہوا ہو میری قسمت کا

میں خود ہی مر رہا ہوں تم مجھے کیوں قتل کرتے ہو
نشانا خلق میں بن جاؤ گے تیرِ ملامت کا

ہجومِ آرزو لے کر بڑی مشکل سے آیا ہوں
گلے مل جاؤ یہ موقع نہیں تکرار و حجت کا

جدھر جاتا ہوں اربابِ ہنر کے طعنے سنتا ہوں
کوئی انسان دیکھا ہے کسی نے اس بُری گت کا

اگر انصاف سے دیکھو تو قیسؔ رندِ مشرب بھی
برا ہو یا بھلا ہے آدمی اچھی طبیعت کا

ہوں اسیرِ دامِ الفت کس ستم ایجاد کا
ہے دگرگوں حال میری خاطرِ ناشاد کا

میں شہیدِ ناز ہوں جس بانیٔ بیداد کا
کھینچنا نقشا مری تربت پر اس جلاّد کا

حاملانِ عرش ہاتھوں سے کلیجا تھام لیں
شورِ بلبل میں جو عالم ہو مری فریاد کا

کھینچنا چاہیں اگر تصویر میرے یار کی
رنگ مانی کا اُڑے ٹوٹے قلم بہزاد کا

پھوڑتے ہیں دشتِ غربت میں پھپھولے خار سے
یاد آتا ہے مزا جب نشترِ فصّاد کا

غیر ممکن ہے کہ میں آؤں تمھارے دام میں
سہل سمجھے ہو پھنسانا طائرِ آزاد کا

نوکِ مژگاں نے کھٹک لی ہے سنان و تیر سے
تیغ ابرو میں ہے عالم خنجرِ فولاد کا

پھر کسی شیریں ادا کا عشق مجھ کو ہو گیا
پھر سمایا سر میں سودا تیشۂ فرہاد کا

آپ کے جور و ستم اُس پر مری یہ عاجزی
حشر میں ہوں گا خدا سے طالب اپنی داد کا

شاید آتا ہے زیارت کو ہماری قبر پر
شور ہے پازیب جاناں میں مُبارکباد کا

عاشقوں پر بے سبب کرتے ہو کیوں مشقِ ستم
خوف کیا دل میں نہیں کچھ پرسشِ بیداد کا

واہ رے شوقِ شہادت جی میں آتا ہے یہی
خلد سے پھر راستا لوں کوچۂ جلّاد کا

تم بناتے کب عماراتِ رفیع اے منعمو!
سُن جو لیتے ایک دن قصّا کہیں شداد کا

عمر بھر گردش رہی مجھ کو بگولے کی طرح
کیا ٹھکانا پوچھتے ہو خانماں برباد کا

ایک مُحبت سے دل لگا کر قیدیٔ الفت بنا
ورنہ عالم میری آزادی میں تھا شمشاد کا

محو رہتا ہوں ہمیشا گلرخوں کے وصف میں
بلبلِ نغمہ سرا ہوں گلشنِ ایجاد کا

توڑ دیتے جوشِ وحشت میں ہم اپنی بیڑیاں
ہو گیا مانع مگر پاسِ وفا حدّاد کا

چھوڑ کر یادِ خدا فکرِ معیشت ہے عبث
کیا بھروسا ہے بقائے دہرِ بے بنیاد کا

جب کوئی غنچا کھلا مرجھا کے آخر گر گیا
دیکھتے ہو رنگ اس باغِ خزاں آباد کا

توڑ کر جام و سبو ہو بیٹھے قیس اب قبلہ رو
مدتوں سے قصد تھا دل میں خدا کی یاد کا

رات دن سہنے کو ظلم اُس بانیٔ بیداد کا
کوئی پتھر کا جگر لائے کہ دل فولاد کا

عشق میں پاسِ خرد کیا وقت ہے امداد کا
میرے سینے میں گھُٹا جاتا ہے دم فریاد کا

لائی مجھ کو تیرے کوچے میں شہادت کی کشش
مل گیا بھولا ہوا رستا عدم آباد کا

پھڑپھڑا کر توڑ دیتا میں قفس کی تیلیاں
کیا کہوں رحم آگیا منہ دیکھ کر صیاد کا

سخت جاں کہنے کو تو لوگوں نے مجھکو کہدیا
یہ نہ سمجھا کوئی خنجر کند تھا جلّاد کا

تھیں کبھی مشہور چرخِ پیر کی نیرنگیاں
اب زمانا بھر ہے قائل آپ کے ایجاد کا

مختصر سے مختصر بھی ماجرائے دردِ غم
لکھتے لکھتے ایک دفتر ہو گیا روداد کا

پوچھتے ہیں سن کے میرا حال کس شوخی سے وہ
تذکرا کس کا ہے یہ مجنوں کا یا فرہاد کا

جوشِ وحشت میں جو میں باندھا گیا زنجیر سے
ہر کڑی دینے لگی طعنا مبارکباد کا

بے تعلق کی ادائیں ہوتی ہیں سب سے جدا
جس طرح ممتاز لکھنے میں الف آزاد کا

کچھ سبب معلوم ہو تو سہل ہو تدبیر بھی
کیا کرے کوئی مداوا رنج بے بنیاد کا

جو صدا نکلی دہن سے مثلِ بوئے گل اڑی
ہے اثر موجِ نفس میں نکہت برباد کا

کوہکن کو آرزوئے عشق کرنا ہی نہ تھی
کام تھا اس معرکے میں باخبر استاد کا

روتے روتے آنسوؤں کا ایک دریا بہہ گیا
مرثیا کہنے لگا میں جب دلِ ناشاد کا

کیوں نہ مانیں مستند اہلِ سخن میرا کلام
قیس خاکِ کفشِ پا ہوں لکھنوی شمشاد کا

دل اعتبار کا نہ جگر اعتبار کا
بھانپا ہوا ہر ایک یہ ہے بار بار کا

کیا خوب وعدہ وعدہ ہی فردائے یار کا
مرقد میں لے رہا ہوں مزا انتظار کا

سودا ہے زلف کا کبھی روئے نگار کا
نقشا ہی میری آنکھوں میں لیل و نہار کا

خوشبو نکل رہی ہے مرے دل کے داغ سے
شاید یہ پھول ہے ترے پھولوں کے ہار کا

چل کر چمن میں بادۂ گلرنگ پیجئے
آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا

کیا حال پوچھتے ہو کہیں دور بھی کرو
افسانہ ہے درازِ دلِ بے قرار کا

پہنچا سرِ نیاز جھکاتے ہی عرش پر
اللہ رے عروج ترے خاکسار کا

دل میں عدو کی یاد نہ لیتی ہو چٹکیاں
رخ پر ترے یہ رنگ ہی کیوں انتشار کا

کس طرح راہِ عشق میں برباد ہو گیا
پوچھا نہ تم نے حال کچھ اس جاں نثار کا

آغوشِ قبر میں بھی نہ راحت ہوئی نصیب
دھڑکا لگا رہا مجھے روزِ شمار کا

آنکھیں ملا کے سوزشِ خورشیدِ حشر سے
اترا رہا ہے زخم دلِ داغدار کا

دفنا کے مجھ کو آئی ہے شاید وفا کی یاد
ٹکیا لگا کے بیٹھے ہیں اب وہ مزار کا

تقدیر جو دکھائے بہر حال دیکھئے
شکوا نہ کیجیے ستمِ روزگار کا

ٹھہرا ہوا ہے وعدۂ دیدارِ حشر پر
شاباش کہئے واہ دلِ امیدوار کا

نالوں سے ہوگی شورشِ محشر گلی گلی
ہے یہ نشان قیسِ غریب الدیار کا

آنا چمن میں دیکھ کے ابرِ بہار کا
ہے عرش پر دماغ ترے بادہ خوار کا

برگشتہ جب نصیب ہو امیدوار کا
بیجا ہے شکوہ گردشِ لیل و نہار کا

گلشن میں بار بار چہکنا ہزار کا
مژدہ ہے مے کشوں کو گلوں کے نکھار کا

اک روز بھی تو آؤ ادھر بہرِ فاتحہ
روشن کرو چراغ ہمارے مزار کا

افشائے رازِ عشق کیا ہجرِ یار نے
ٹوٹا طلسم آج کسی بے قرار کا

پیغام مرگ سنتے ہی یں کیوں اُچھل پڑا
کیا گور تنگ نام ہے آغوش یار کا

بنکر ہوائے تند کا جھونکا تو اے فغاں
پردا اُٹھا دے محمل ناقہ سوار کا

سینے میں اپنے رکھ لوں چھپا کر بجای دل
ل جائے کوئی پھول اگر اُن کے ہار کا

دعوائے ہمسری ہو اسے ابر تر کے ساتھ
دیکھو تو حوصلا قطرۂ اشکبار کا

کیوں حاملان عرش نہ گھبرائیں خوف سے
ہنگامہ سُن کے نالۂ شب زندہ دار کا

ہوگی خراب مفت میں لذت وصال کی
قصّا نہ چھیڑیں آپ غمِ انتظار کا

میری طرف سے تم کو کدورت نہیں اگر
ہے رُخ سے آشکار اثر کیوں غبار کا

بے تیرے باغ میں کوئی بجلی گرا گیا
عالم گلوں کے خندۂ بے اختیار کا

ہم ہوں گے داد خواہ ترے ظلم و جور کے
محشر میں گُل دکھا کے دلِ داغدار کا

جلد آکے اپنے قیس کی اب لیجئے خبر
دم ہے لبوں پر آپ کے اس جاں نثار کا

دریا ہے رواں جو چشم تر کا
پھوٹا نہ ہو آبلا جگر کا

پاؤں جو پتا تمہارے گھر کا
سُرما میں بناؤں خاک در کا

ہوتا شب وصل خاک آرام
دھڑکا ہی رہا مجھے سحر کا

اے مرغ سحر ذرا نہ چلّا
بیدار ہوں آج رات بھر کا

اللہ یہ سختیاں قفس میں
ہیں جانور ایک مشت پر کا

میری آنکھوں سے ہو مقابل
پتّا یہ نہیں ہے ابر تر کا

مہمان ہے روح کوئی دم کی ۔ قصد اب بھی کرو ذرا اِدھر کا

کیونکر نہ کرے حجاب فصاد ۔ مُنہ چومیں گے زخم نیشتر کا

ہوں خانہ بدوش شکل مجنوں ۔ کیا پوچھتے ہو نشان گھر کا

یوں نزع میں چھوڑ کر نہ جاؤ ۔ جھگڑا ہے بس اور دوپہر کا

کیا ملک عدم میں ہے تماشا ۔ کھلتا نہیں حال کچھ اُدھر کا

دانتوں کی ترے جہاں صفت ہو ۔ کیا ذکر وہاں دُر و گُہر کا

آنکھوں سے رواں ہیں اشک خونیں ۔ بہتا ہے لہو دل و جگر کا

دم لینے دو مجھکو اے نکیرین ۔ آیا ہوں تھکا میں عمر بھر کا

باز آئے ہم ایسی زندگی سے ۔ ہے قصد عدم کے اب سفر کا

موت آگئی مجھکو ہائے لینے ۔ کیوں میری بغل سے یار سرکا

بل کھاتی ہے زلف روز بڑھکر ۔ کھٹکا ہے مجھے تری کمر کا

آدم کو کئے ملک نے سجدے ۔ اللہ رے مرتبا بشر کا

مس کرتی ہے جو بتوں سے جگنی ۔ ہے برسر اوج بخت زر کا

ہیں خوگر زخم تیر مژگاں ۔ احسان نہ لیں گے نیشتر کا

قاصد نے ہزار خاک اُڑائی ۔ لیکن نہ پتا ملا اُدھر کا

صیاد نے دی مجھے رہائی ۔ جھگڑا ہی مٹا کے بال و پر کا

نیند آئے شبِ وصال کیونکر ۔ مہمان ہے یار رات بھر کا

اب بھی سینے سے میرے لپٹو | دیکھو وقت آگیا گجر کا

کیوں دم بخود آج بیٹھے ہو تم
اے قیس خیال ہے کدھر کا

ہے آٹھوں پہر ذکر لب پر کسی کا | میں عاشق ہوا ہوں مقرر کسی کا
ہلاتا رہا قلب مضطر کسی کا | بدلنا وہ رہ رہ کے تیور کسی کا
الٰہی میں تیری خدائی کے صدقے | دکھا دے مجھے روئے انور کسی کا
مزا دے گیا ہجر میں یاد آکر | شبِ وصل سونا لپٹ کر کسی کا
کہیں دیکھ کر تیرے ہاتھوں کی مہندی | نہ ہو خون دل اے ستمگر کسی کا
تپ ہجر سے ہائے کروٹ بدلنا | وہ بیتاب ہو ہو کے شب بھر کسی کا
سُن اے پاس الفت تو جلدی نکرنا | جو انصاف ہو روز محشر کسی کا
مرے گھر جو آتا ہے وہ رشک یوسف | نہ ہو جائے دل خاک جل کر کسی کا
نہیں بے سبب تیری زلفوں پرافشاں | بلندی پر آیا ہے اختر کسی کا
کسی دن کوئی فتنہ برپا کرے گا | یہ بن ٹھن کے آنا لحد پر کسی کا
دمِ ذبح تڑپوں تو کس طرح تڑپوں | کہیں دل نہ ہو جائے مضطر کسی کا
شبِ وصل تھا آفتِ جان عاشق | بغل سے سرکنا بگڑ کر کسی کا
مری آبرو رکھ لے اے عشق ابرو | کھنچا ہے پئے قتل خنجر کسی کا
نہ بہ جائیں لختِ جگر اشک بن کر | کہ ہے جوش پر دیدۂ تر کسی کا

رہوں طالبِ دید میں شکل موسیٰ
نہ دیکھوں کبھی روئے انور کسی کا

لگاتا ہے داغِ خجالت قمر میں
سرِ بام آنا سنور کر کسی کا

ہوئی ہے خبر میرے مرنے کی افشا
نہ ہو جائے دل سُن کے مضطر کسی کا

رہے خشک میری اُمیدوں کا گلشن
ہو نخلِ تمنا ثمرور کسی کا

ہے بے وجہ کب خون آنکھوں سے جاری
لگا ہے مرے دل میں نشتر کسی کا

وہ غیروں کے گھر ہائے بن ٹھن کے جانا
لباسِ عروسی پہن کر کسی کا

نہ چشمِ وفا رکھ تو اے دل کسی سے
نہیں کوئی دنیا میں یاور کسی کا

مرا نام بھولے سے لب پر نہ آئے
رہے ذکر محفل میں شب بھر کسی کا

تہِ تیغ برّاں مری سخت جانی
کہیں دل نہ کر دے مکدر کسی کا

مرا روٹھنا ہائے رے وصل کی شب
ہنسانا مجھے گُد گُدا کر کسی کا

پسِ مرگ بھی ہے وہی کیف مستی
ہوا جام مے کاسۂ سر کسی کا

یہی بے خودی میں بھی مدِ نظر ہے
نہ آ جائے شکوا لبوں پر کسی کا

بھلا بے سبب کب ہے چہرے کی زردی
ہوا قیس شیدا مقرر کسی کا

لوگ کہتے ہیں کسی پر جسے آنا دل کا
سچ بتائیں کہ وہ آنا ہے کہ جانا دل کا

تیرِ مژگاں سے ہے دشوار بچانا دل کا
دُور ہی دُور سے کرتے ہیں نشانا دل کا

پھونک دیتا ہے نئی روح تنِ بسمل میں
مرحبا کہہ کے دمِ قتل بڑھانا دل کا

قہر تھا شوق میں گر گر کے سنبھلنا میرا
اور اُن کا بصد انداز لبھانا دل کا

عقل تو زلفوں نے لی ہوش لئے آنکھوں نے
اس دو عملی میں لٹا آج خزانا دل کا

ایک دن آتش جانسوز بھڑک اُٹھے گی
لائے گا رنگ یہ ہر وقت جلانا دل کا

کہتے ہیں دیکھ کے آمادۂ گفتار مجھے
پھر وہی چھیڑ دو گے تم قصہ پُرانا دل کا

کیوں مسیحا سے کروں چارہ گری کی خواہش
ہے مجھے داورِ محشر کو دکھانا دل کا

کچھ نہ کچھ ایک نہ اک دن یہ ستم ڈھائیگا
دیکھو اچھا نہیں دن رات ستانا دل کا

چھائی رہتی تھیں جوانی کی ترنگیں جسمیں
تھا زمانوں میں وہ کیا خوب زمانا دل کا

دیکھکر مضطرب الحال مجھے کہتے ہیں
کہیئے سمجھے تھے کوئی کھیل لگانا دل کا

سخت اُلجھن ہی میں کیا خط میں لکھوں اے قاصد
کچھ زبانی ہی اُنہیں حال سنانا دل کا

نذر لینے میں بھی انکار جنہیں ہوتا تھا
اب وہی ڈھونڈتے پھرتے ہیں ٹھکانا دل کا

ناوکِ ناز سے وہ سینہ کرینگے چھلنی
رکھ کے پہلو میں نہیں سہل چھپانا دل کا

اُن کی چالاکی و شوخی کوئی ہم سے پوچھے
آنکھیں جھپکاتے ہی مٹھی میں چُرانا دل کا

کان دھر کر جو سنوگے تو ملے گی لذت
گو پُرانا ہے مگر ہے یہ فسانا دل کا

پھینک دیں چیر کے پہلو اسے کیونکر اے قیس
ہو گیا بار گراں ناز اٹھانا دل کا

ازل سے شیفتہ ہوں اُس گلِ گلزار امکاں کا
قمر بگڑا ہوا خاکا ہے جس کے روئے تاباں کا

مرقع کیا دکھاؤں اپنے دل کے شوق پنہاں کا
ہے کچھ نقشا اُمیدوں کا تو کچھ ہے یاس و حرماں کا

کہیں سے لا کے اک چٹکی چھڑک دے واں پر اے قاتل
مرے زخم جگر تکتے ہیں منہ خالی نمکداں کا

اُدھر خنجر اِدھر میرا گلو مشتاق دونوں ہیں
وہ ہے پیاسا لہو کا یہ ہے پیاسا آب حیواں کا

کوئی زلفوں کا شیدا ہے کوئی صورت کا دیوانا
مگر ہے تو ہی تو مطلوب ہر گبر و مسلماں کا

کسی کی بے نیازی یہ کہ مڑ کر بھی نہیں دیکھا
کسی کے دل میں ہنگامہ ہجوم شوق داراں کا

زسر تا پا مرے سینے کو چھلنی چھلنی کر ڈالا
یہی کیا وصف عالمگیر تھا برگشتہ مژگاں کا

شگاف زخم کے ہوتے بھلا یہ بات کیا چھپتی
کہ میرا دل نشانا ہے کسی کے تیر پرّاں کا

تصدق ہفت کشور تیرے کوچے کی گدائی پر
ہمارا بوریا ہم رتبہ ہے تخت سلیماں کا

خط شوق آج لکھا ہے مگر قسمت سے ڈرتا ہوں
کہیں تیور نہ بگڑے دیکھ کر اُس آفت جاں کا

ابھی تک لوگ جس کو نوح کا طوفان کہتے ہیں
عجب کیا ہے فسانا ہو ہماری چشم گریاں کا

کبھی للہ اے دست جنوں ہرگز نہ کر جانا
رہے تیرے ہی سر سہرا مرے تار گریباں کا

تمنّا ہے کہ تیرے در کی جاروبی میسّر ہو
نہ جنت کا ہیں طالب ہم نہ خواہاں قصر و ایواں کا

عدو کے بھیس میں اکثر پہنچ جاتا ہوں میں اُن تک
مگر قائل ہوں پھر بھی چشم پوشی نگہباں کا

خدا کی بندگی میں ہوں بت پندار کو سجدے
تو اے واعظ نتیجہ کیا ہے ایسے دین و ایماں کا

نکل کر کوچۂ گیسو سے جانا ہو نہیں سکتا
مری گردن میں پھندا پڑ گیا ہے زلف پیچاں کا

بہت ہشیار رہنا نالۂ بلبل سے اے گلچیں
غضب ہوگا جو کھٹکا ایک پتّا بھی گلستاں کا

ہماری آہوں کے جھونکوں میں ہے تاثیر آندھی کی
دل پر داغ پر عالم چراغ زیر داماں کا

عجب کیا ہے فرشتے بھاگ جائیں الحذر کہہ کر
بھڑک اُٹھے اگر تربت میں شعلہ داغ ہجراں کا

کہاں کی نظم کیسی شاعری ای قیس وحشت میں
اُڑا پھرتا ہوں ذرّا بنکے میں ریگِ بیاباں کا

سُنے نالا جو مجھ اندوہگیں کا
جگر شق ہوا بھی گاوِ زمیں کا

اُٹھا پردا جو روئے مہ جبیں کا
ہوا زاہد کو دھوکا حورِ عیں کا

ارادہ میں کروں کس سرزمیں کا
نہ رکھا عشق نے مجھ کو کہیں کا

مری آنکھوں کو تیرے فیضِ رخ سے
ملا ہے مرتبا عین الیقیں کا

چمن میں دیکھ کر اُس سروِ قد کو
خمیدا قد ہے شاخِ یاسمیں کا

رہے گا یاد مجھ کو زندگی بھر
مزا اُس بُت کے نازِ دل نشیں کا

لحد پر ہو گلِ نرگس کی چادر
میں کشتہ ہوں نگاہِ سُرمگیں کا

مجھے کیوں بد کہا کرتے ہیں ناصح
لکھا کیا پڑھ لیا لوحِ جبیں کا

قیامت ہے رُخِ روشن پر آکر
بکھرنا تیری زلفِ عنبریں کا

نہ تنہا چھوڑ کر بالیں سے جاؤ
بھروسا کیا نگاہِ واپسیں کا

پری ہے۔ حور ہے۔ جن ہو۔ وہ کیا ہو
جو ہے انسان تو کس سرزمیں کا

تمہارے بوسۂ لب کے مقابل
مزا پھیکا ہے قندِ انگبیں کا

چبھو دیتا ہے گویا تیر دل میں
دکھانا چشمہائے سُرمگیں کا

رہا کرتے ہو کیوں آمادۂ ظلم
چلن سیکھے ہو کیا چرخِ بریں کا

رقیبوں کی بدولت مر رہا ہوں
چڑھا ہے زہر مارِ آستیں کا

مرے دل میں ترے نقشِ وفا سے
ہوا عالم سلیمانی نگیں کا

رخِ روشن پر آئی زلف شبگوں
جما رنگ اتحادِ کفر و دیں کا

کہاں تک جاؤ گے آنکھیں چرا کر
بھروسا ہے نگاہِ دوربیں کا

اثر بخشِ تجلّیِ قمر ہے
فروغِ حسن اُس روشن جبیں کا

سکتے دیتا ہے مجھکو نیم بسمل
اشارا تیری چشمِ خشمگیں کا

غزل ایک اور بھی اے قیس پڑھ دو
ہے مجمع شاعرانِ نکتہ چیں کا

تصور رات دن اُس مہ جبیں کا
مسلتا ہے کلیجا مجھ حزیں کا

بُرا ہو اِس دلِ اندوہگیں کا
نہیں رہنے دیا مجھ کو کہیں کا

پھرا ہوں مدتوں تیری طلب میں
بگولا بن کے میں گردِ زمیں کا

بغل میں کروٹیں لینے لگے تم
ارادہ پھر ہوا شاید کہیں کا

غضب کی چٹکیاں لیتا ہے دل میں
خیال اِک شاہدِ پردہ نشیں کا

سوالِ وصل میں چپ کیوں ہوئے تم
ملے کچھ تو پتا ہاں یا نہیں کا

نہیں ہے برق تابندہ فلک پر
ہے شعلا میری آہِ آتشیں کا

پریشاں اے مرے نالو نہ کرنا
بہت نازک ہے دل اُس نازنیں کا

لبِ شیریں کے بوسے میں نے پائے
مزا جن میں ہے قندِ انگبیں کا

ہوا پردوں سے بھی مجنوں کو حاصل
نظارا لیلیِ محمل نشیں کا

چڑھائی ہے غم و رنج والم کی / خدا حافظ دلِ اندوہگیں کا

تجھے جنت کی اے زاہد پڑی ہے / میں عاشق ایک رشکِ حورِ عین کا

نگاہِ قہر سے گھورا کسی نے / ہوا دل ٹکڑے ٹکڑے مجھ حزیں کا

جگر چھلنی ہوا نوکِ مژہ سے / لگا ہے دل میں چرکا تیغِ کیں کا

نہیں کچھ باعثِ ناز اپنی طاعت / بھروسا ہے تو ربُّ العالمیں کا

مجھے اِک بوسۂ رخسار دیدو / تصدق اپنے صورت آفریں کا

نکلتا کس لئے تیری گلی سے / میں کچھ خواہاں نہ تھا خلدِ بریں کا

اُٹھے گا سینے سے شعلے کی صورت / شرارا میری آہِ آتشیں کا

شبِ فرقت مرے نالوں کو سُنکر / جگر کانپا کیا چرخِ بریں کا

نہاں رہتا ہے جو سب کی نظر سے / مرا دل ہے مکاں ایسے مکیں کا

ابھی نکلا ہے غمگیں جس گلی سے / ہوا پھر قیس کو سودا وہیں کا

تصور جب کیا میں نے کسی کے روئے روشن کا / مری آنکھوں میں نقشا کھنچ گیا پھولوں کی خرمن کا

اگر بلبل سنوں میں تیرے روئے رشکِ گلشن کا / تو رتبا شاخِ طوبیٰ سے بڑھے شاخِ نشیمن کا

وفورِ ضعف سے سر میرے حق میں تھا کئی من کا / ترے خنجر کے صدقے بوجھ اُتارا میری گردن کا

محبت کیا بلا ہی عاشقی کس شے کو کہتے ہیں / یہ آگے چل کے سمجھوگے ابھی عالم ہی بچپن کا

زہے قسمت کہ گھبرا کر وہ بُت باہر نکل آیا / گلی میں شور سنکر میری زنجیروں کی شیون کا

حیاتِ جاوداں ہوتا مرا مٹی میں مل جانا
جو اک ذرا میں ہو جاتا کسی کی خاک دامن کا

منور کر دیا کنجِ لحد کو داغ حسرت نے
نہیں لینے دیا احسان سر پر شمع مدفن کا

کبھی گلیوں میں رہتا ہوں کبھی کوہ و بیاباں میں
نہ پوچھو تم نشاں اس بے سر و ساماں کے مسکن کا

تعجب کیا کہ شوقِ دید میں ہم اپنی آنکھوں کو
بنائیں فرش نظارہ ترے وادیِ ایمن کا

بہت مشکل پڑے گی دیکھنا اے خندۂ بیہم
کوئی ٹانکا جو ٹوٹا زخم تیغ تیز بدظن کا

یہ جس کے ہر قدم پر آج برپا ہوتے ہیں فتنے
قیامت اک کرشما ہے اسی عیار پرفن کا

ادھر بجلی چمکتی ہے ادھر پانی برستا ہے
وہ ہنستے ہیں میں روتا ہوں جما ہے رنگ ساون کا

نہیں آسان کشتی مارنا دیوِ تعشق کی
یہ وہ دنگل ہے پانی ہو جگر جس میں تہمتن کا

شبِ تاریک روشن ہو گئی اس مہ کی جگنو سے
ہوا ہے شعلۂ نورِ قمر ہر شعلہ کندن کا

دمِ آرایش آ کر یار کی نازک کلائی میں
کہوں کیا ناز کرنا حسن میں سونے کے کنگن کا

نگاہِ غیر سے بچنے کی یہ تدبیر اچھی ہے
مری آنکھوں کو تم پردا بنا لو چشم روزن کا

مصور کھینچ کر تصویر خود سر در گریباں ہے
کہاں سے اس میں بھرتا رنگ تیری رنگ و روغن کا

غضب ہے گرمیِ عشقِ بتاں سے شعلے اٹھتے ہیں
نمونا ہے ہمارا سینۂ پر سوز گلخن کا

وفورِ رعب سے میں کانپ اٹھا بید کی صورت
خیال آیا مجھے جس دم کسی کی تیکھی چتون کا

رہو آنکھوں میں شکلِ مردمِ دیدہ نہاں ہو کر
میں پردا ڈالے دیتا ہوں ابھی مژگاں کی چلمن کا

تڑپ کر جان دیتا ہے کوئی دم میں ترا بسمل
نشانا لگ گیا دل پر نگاہِ تیر افگن کا

کسی کی گردشِ چشمِ سیہ نے توڑ ڈالا ہے
بنا کر شیشۂ دل کو ہدف سنگِ فلاخن کا

عبث کرتے ہو پامالِ جفا تم قیس کے دل کو
چراغ اک ٹمٹماتا سا یہی ہے خانۂ تن کا

دیکھے تو کوئی توڑ مرے تیر آہ کا
دل چھلنی چھلنی ہے فلکِ روسیاہ کا

دعویٰ غلط کرو بھی کہیں دادخواہ کا
مُنہ تھامتا ہے کون تمہارے گواہ کا

کیا گاڑھے کام آئیں مری اشکباریاں
سب دھو دھولا کے صاف ہی دفترِ گناہ کا

کھا کھا کے قسمیں عہد کیا بھی تو کیا کیا
تم کو کبھی خیال نہ آیا نباہ کا

جانے سے روکتا ہے کب ایجانِ جاں کوئی
قصداً تو سن لو کچھ مرے حالِ تباہ کا

آزاد عاشقی نے کیا ہر خیال سے
پابند میں نہیں ہوں کسی رسم و راہ کا

ہے تیری یاد میرے لئے وجہ زندگی
بس تو ہی تو وظیفہ ہے شام و پگاہ کا

آنکھوں میں کیوں نہ شانِ کریمی ہو جلوہ گر
رتبا ملے فقیر کو جب بادشاہ کا

بسمل کیا ہے کس نے مجھے یہ نہ پوچھئے
گھائل ہوں آپ ہی کے خدنگِ نگاہ کا

شاید جناب شیخ کو سوجھی کوئی ترنگ
رخ کر کے میکدے سے چلے خانقاہ کا

غربت میں بھی بسر کی امیرانہ زندگی
سودا مجھے کبھی نہ ہوا مال و جاہ کا

تاروں کی طرح سینے میں چمکیں گی حسرتیں
عالم ہے داغِ دل میں اگر مہر و ماہ کا

گر کر کسی کی نظروں سے مانندِ گردباد
آوارہ میں رہا نہ رہا گھر پناہ کا

در پردہ بات اور ہی موسیٰ کے حق میں تھی
تھا طور اک بہانہ تری جلوہ گاہ کا

کہتے نہ تھے کہ قیس نہ دو دل کسی کو تم
دیکھا مآلِ کار حسینوں کی چاہ کا

کیا حال دل کہوں ہیں یہ ڈر ہی لگا ہوا
سُنتا نہ ہو کوئی پسِ پردہ کھڑا ہوا

شکوا ترا جو میں نے کیا تو بُرا ہوا
تو نے جو مجھ سے آنکھ چرائی یہ کیا ہوا

میرا گلا ہوا کہ تمھارا گلا ہوا
جانے دو دور بھی کرو جو کچھ ہوا ہوا

محشر میں اب تو سُن ہی لیا تم نے فیصلا
انصاف سے کہو کہ یہ کس کا کہا ہوا

باندھا جو مجھ سے عہد تو آئی عدو کی یاد
وعدا ہوا کسی سے کسی سے وفا ہوا

شاید کروگے خون کسی بے گناہ کا
ہاتھوں میں آج رنگ حنا ہے جما ہوا

میں بھی بشر ہوں میرے بھی مُنہ میں زبان ہی
لیکن ہوں پاسِ وضع سے اب تک دبا ہوا

ہم نے تو اپنی جان کو قربان کر دیا
تم پر جو قرض تھا وہ کہو کب ادا ہوا

بیتاب تشنگان شہادت ہیں دیکھکر
بل تیوریوں میں ہاتھ میں خنجر کھنچا ہوا

اب ذبح کرکے شوق سے آزاد کیجیے
قدموں پر آپ کے ہے مرا سر جھکا ہوا

روؤگے بے ثباتیٔ حُسنِ شباب پر
اُترا کہیں جو سر سے یہ نشہ چڑھا ہوا

لینا کسی کی جان اُنھیں مشقِ ناز تھا
میں مبتلائے عشق شہیدِ وفا ہوا

باہر نکل کے دیکھو خدا جانے کون ہی
بے حس تمھارے در کے مقابل پڑا ہوا

کیونکر رقیب واقف اسرار ہو گیا
اُس سے پیامبر تو نہیں ہے ملا ہوا

قاصد جب اُن سے کہنے لگا سرگزشت قیس
بولے کہ سر نہ کھا ہے یہ قصّا سنا ہوا

دیکھ اے دل تجھے گیسو کا جو سودا ہوگا
غیر تو غیر ہے اپنا بھی نہ اپنا ہوگا

یہ تو مانا کہ میں مر جاؤں تو اچھا ہوگا
مرنے پر بھی نہ ملا چین تو پھر کیا ہوگا

میرے رونے سے زمانہ تہ و بالا ہوگا
موجزن آنکھوں سے اشکوں کا وہ دریا ہوگا

دیکھے گا قاصد اگر آپ کو سکتا ہوگا
اور پیغام زبانی میں وہ گونگا ہوگا

اپنی صورت کا جو شخص آپ ہی شیدا ہوگا
اُس کے دربار میں کیا دخل کسی کا ہوگا

آ کے مقتل میں جو وہ محو تماشا ہوگا
سرفروشوں کا بڑی دھوم سے میلا ہوگا

حسن کا تیرے مرے عشق کا غوغا ہوگا
جا بجا اب تو انھیں دونوں کا چرچا ہوگا

اے فلک بہر خدا تو ہی بتا دے اتنا
اور بھی سوختہ قسمت کوئی ہم سا ہوگا

مجھکو محروم نہ رکھ وصل کی شب اے ظالم
کہ مرے ساتھ عبث خون تمنا ہوگا

ہم نے کیوں مفت محبت میں سر اپنا پھوڑا
ہائے اُس بُت کا تو ماتھا بھی نہ ٹھنکا ہوگا

وعدۂ وصل اُنھیں یاد دلانا ہے عبث
ہاں جو ہے میرے مقدر میں تو پورا ہوگا

شیشۂ دل میں نہ دو گرد کدورت کو جگہ
پھر کبھی صاف نہ ہوگا جو یہ میلا ہوگا

کیا غضب ہے وہ نکلتے نہیں گھر سے باہر
کہتے ہیں مجھ کو کہیں گھات میں بیٹھا ہوگا

سارے اعدا جو بنیں دوست تو یہ ممکن ہے
مجھ سے لیکن فلکِ پیر نہ سیدھا ہوگا

آنکھ ٹھہرے گی بھلا کس کی تنِ نازک پر
حُسن پر نور ترے حق میں دوپٹا ہوگا

کوسنے دیتے ہو جس طرح بگڑ کر مجھ کو
سچ کہو غیر کو بھی یوں کبھی کوسا ہوگا

بدگمانی کا بُرا ہو اُنھیں یہ رٹ ہے لگی
روزنِ در سے کسی نے مجھے جھانکا ہوگا

آج تو آؤ ذرا لطف اُٹھائیں ہم تم
کل جب آئے گی سمجھ لیں گے جو ہوگا ہوگا

دس جگہ شکوۂ بے سود سے حاصل مطلب
کیا کہیں کس سے کہیں کون ہمارا ہوگا

لاکھوں عاشق اَرِنی کہتے ہوئے دوڑینگے
غیرتِ طور ترے جلوے سے کوٹھا ہوگا

جیتے ہیں ہم تو سمجھ لیں گے کسی دن آخر
بھولے چوکے تو کبھی ساتھ تمہارا ہوگا

کیوں ہوئے گرم روِ وادیِ ایمن موسیٰ
تھی طلب جس کی وہ دل ہی میں تو رہتا ہوگا

رحم تو کچھ بھی نہ آیا مرے مرنے پر انہیں
اُلٹے بولے کہ وہ مکّار ہے جیتا ہوگا

قسمیں کھایا کرو کب مجھ کو یقیں آتا ہے
دل مرا پھانس کے زلفوں ہی میں رکھا ہوگا

کوئی شئے دل میں کھٹکتی ہے مثالِ پیکاں
شاید اُس نے نگہ ناز سے گھورا ہوگا

صورتِ طفل نکل کر نہ مچلتے آنسو
اپنی نظروں سے مگر تم نے گرایا ہوگا

چپکے چپکے نہیں بے وجہ یہ رونا اے قیس
پھر کسی پردہ نشیں کو کہیں دیکھا ہوگا

شکایت اپنی سمجھا یا رقیبوں کا گلا سمجھا
میں ہوں شرمندۂ فریاد کیا جانوں وہ کیا سمجھا

لگانا دل حسینوں سے اگر میری خطا سمجھا
تو بیشک ناصحِ ناداں غلط سمجھا برا سمجھا

ستم کو ناز تیری گالیوں کو میں ادا سمجھا
نگاہیں خشمگیں دیکھیں تو اندازِ حیا سمجھا

تو دل کی آرزو کوئی نہ دل کا مدعا سمجھا
بتا پھر کیونکر اس کو آپ پر آیا ہوا سمجھا

بہارِ خندۂ دنداں نما کی دیکھ کر شوخی
چمن کو اک کرشمہ فیضِ حسنِ یار کا سمجھا

بناتے ہر کس و ناکس کو ہم کیوں رازداں اپنا
سنائی سرگزشتِ غم جسے درد آشنا سمجھا

مری بیچارگی تو ساری دنیا میں مسلم ہے
تمہیں کیا کہہ رہے ہیں لوگ تم نے کچھ سنا سمجھا

کہانی غیر کی بھی سُن کے آنسو ہو گئے جاری
جب آیا ذکرِ دردانگیز اپنا ماجرا سمجھا

لی گردن جھکاتے ہی مجھے دیدار کی لذت
دلِ پُرشوق کو آئینۂ گیتی نما سمجھا

ترے ہاتھوں سے اُتر جائیگی میرے خون کی لالی
اسے بھی کیا تو اے قاتل کوئی رنگِ حنا سمجھا

کمالِ جذب نے باقی نہ رکھا فرق دونوں میں
ہم اُن کو دلربا سمجھے وہ ہم کو دلربا سمجھا

قیامت ہے اُسی کا بر سرِ پرخاش ہو جانا
جسے میں چارہ سازِ اپنا جسے مشکل کشا سمجھا

نہ کچھ اپنے ارادوں ہی پر ابتک روشنی ڈالی
نہ میرا دردہی وہ بانیِ جور و جفا سمجھا

نظر آتی ہے مجھ کو شانِ وحدت عین کثرت میں
کہ دیکھا جس کو تیرا جلوۂ صبر آزما سمجھا

تسلی بخش باتوں سے دلِ زار اور اُلجھتا ہے
تھکے سمجھا کے ہم اب تُو ہی اِسکو اے خدا سمجھا

نیاز و ناز کے پردے میں تھا اک رازِ سربستہ
نہیں اُس کی غرض سمجھا نہ وہ مطلب مرا سمجھا

چلے گی دوسروں پر کس طرح تیری مسیحائی
مرض جب اپنے ہی بیمارِ غم کا لا دوا سمجھا

نہ آنا تھا نہ آیا راہ پر گو لاکھ سر پٹکا
نہیں معلوم کیا مطلب مرا وہ بے وفا سمجھا

نکالی ہے یہ تدبیر اپنی محفل سے اُٹھانے کی
اشارا ہو رہا ہے جو عدو سے برملا سمجھا

حصولِ مدعا میں دربدر کی ٹھوکریں کھائیں
تعجب ہے کہ قیس اغیار کو حاجت روا سمجھا

شورِ محشر ترے کوچے میں جو برپا نہ ہوا
رازِ پوشیدہ رہا شکر ہے افسانہ ہوا

کیوں دلِ زار کسی اور کا شیدا نہ ہوا
اُس کی زلفوں میں پھنسا جاکے یہ اچھا نہ ہوا

دُور ہی دُور سے ہم تیری بلائیں لیتے
مائلِ سیر تو کیوں اے چمن آرا نہ ہوا

کون سے دن نگہِ ناز کی برچھی نہ چلی
کب گلی میں تری بسمل کا تماشا نہ ہوا

ہچکیاں لے لے کے مرتے رہے مرنے والے
لیکن افسوس تو دمساز کسی کا نہ ہوا

صورتِ شمع میں رو رو کے پگھلتا کیوں ہوں
کیا سزاوار تری بزم میں ہنسنا نہ ہوا

زندگی چین سے اے یار بسر کیا ہوتی
تو ہی جب شاہدِ آغوشِ تمنّا نہ ہوا

تشنہ لب خستہ جگر بے دل و رسوائے جہاں
چاہنے والوں میں تیرے کوئی ہم سا نہ ہوا

کہکے معشوق تمہیں میں ہی خطاوار بنا
ظلم مجھ پر جو کیا تم نے وہ بیجا نہ ہوا

لب ہلانے کی نہ دی مجھ کو ادب نے رخصت
شکل تصویر کسی طرح میں گویا نہ ہوا

رنج میں غیر سے کیا خاک توقع ہوگی
دوست دل سا بھی کسی وقت جب اپنا نہ ہوا

لاکھوں ہی جمع ہیں گم کردۂ مقصود یہاں
عرصۂ حشر ہوا دامنِ صحرا نہ ہوا

داغ پیہم سے رہا دل میں اندھیرا چھایا
تیرے ہی گھر میں ترے دم سے اجالا نہ ہوا

سیل گریہ کی ہو کیا تجھ کو حقیقت معلوم
جلوہ فرما تو کسی دن لبِ دریا نہ ہوا

عدم آباد میں آئے تھے کہ جی بہلے گا
ہائے دیکھا تو یہاں کوئی شناسا نہ ہوا

کر لیا کام مرے شوقِ نظر نے اپنا
مانعِ دیدِ رخِ یار کا پردا نہ ہوا

لے اڑی مجھ کو صبا نکہتِ گل کی صورت
صدقے اے ضعف کہ احسان احبّا نہ ہوا

حلق سے اتری مئے ناب ہلاہل بنکر
ہجر میں وجہِ طرب ساغر و مینا نہ ہوا

لوگ سمجھے تھے علاجِ مرضِ عشق اسے
مرہمِ زخمِ جگر طعنۂ اعدا نہ ہوا

چارہ سازوں نے تو سو طرح کی تدبیریں کیں
رو بہ صحت کبھی بیمار تمہارا نہ ہوا

قیس نے جانِ محبّت میں تڑپ کر دی
اور منّت کش اعجاز مسیحا نہ ہوا

افسردگیِ دل نے عجب کچھ مزا دیا
جامِ شرابِ یار نے بھر کر پلا دیا

تم کو اگر خدا نے دلِ پُرجفا دیا
مجھ مستِ دردِ عشق کو پاسِ وفا دیا

پردا جو روئے یار سے تو نے اٹھا دیا
اے شوقِ دید کام ہمارا بنا دیا

مضمونِ اضطراب نے اسکو رُلا دیا
قاصد نے خطِ شوق جو پڑھ کر سنا دیا

ناحق تجھے دل اے بتِ ناآشنا دیا
بیٹھے بٹھائے خاک میں اس کو ملا دیا

بجلی گرائی خرمنِ ہوش و حواس پر
کیوں دیکھ کر وہ میری طرف مسکرا دیا

کس گل کے سوزِ عشق نے پھونکا تمام تن
قصرِ بدن میں کس نے یہ شعلا لگا دیا

شوقِ وصالِ یار میں اے اضطرابِ دل
آہوں سے تو نے فتنۂ محشر جگا دیا

تھیں حسرتیں وصال کی دل میں بھری ہوئیں
کچھ کہکے مجھ کو خوابِ اجل نے سُلا دیا

مانا کہ تم کو غیر کی خاطر عزیز تھی
لیکن یہ کیا کیا جو مرا دل دُکھا دیا

عقل و حواس و ہوش و خرد سب جدا ہوئے
اے مستِ ناز تو نے وہ بیخود بنا دیا

اے پند گو ہزاروں کے سر لکھا گیا ہے تو
خطِ جبیں کسی کا نہ تو نے مٹا دیا

کیا خوش ہیں پیک تھوک کے میری مزار پر
گویا شہیدِ لب کا ہی خوں بہا دیا

میں کیا کروں شکایتِ یارانِ ہم وطن
آنکھوں سے دور ہوتے ہی دل سے بھلا دیا

میری شبِ فراق میں بپتا بیاں نہ پوچھ
رُو رُو کے خفتگانِ عدم کو جگا دیا

کھلتا نہیں ہے یار کی آزردگی کا راز — یارب یہ کیا رقیب نے فقرا جما دیا

بے ربط چھیڑ چھاڑ سے اُن کی شبِ وصال — دل تنگ میں ہوا تو مجھے گدگدا دیا

اُٹھا میں بزمِ یار سے جب دل کو تھام کر — اغیار نے بھی دیکھ کے آنسو بہا دیا

کیا کیا ہجوم آہ نے کیں سربلندیاں — عرش بریں کو گاہ فلک کو ہلا دیا

اُس بے وفا سے لطف بڑھا کر ہزار حیف — دل کا جگر سے مفت میں جھگڑا بڑھا دیا

دل تو مریضِ عشق خدا نے دیا ہی تھا — معشوق بھی دیا تو بڑا بے وفا دیا

رو رو کے سوزِ غم سے حسینوں کی یاد میں — آنکھوں نے میری خون کا دریا بہا دیا

حیران ہوں کہ تو نے رقیبوں کی بات پر — نظروں سے مثلِ اشک مجھے کیوں گرا دیا

منظور تھیں اُنھیں جو ہماری خرابیاں — بعد از فنا نشانِ لحد تک مٹا دیا

کیا خاک چین ہو پس مردن کہ وقتِ دفن — بندِ کفن کو کھول کے مکھڑا دکھا دیا

برگشتگی تو میرے مقدر کی دیکھیے — پہلوئے یار سے مجھے کیونکر اُٹھا دیا

اے ناخنِ جنوں میں ترا شکر کیا کروں — لب بندِ زخم جب ہوئے تو نے ہنسا دیا

اُس غیرتِ مسیح نے بعد از فراقِ روح — بوسا لبوں کا دے کے مجھے پھر جلا دیا

کس کی مئے شباب کے اے قیس مست ہو
کس رشکِ ماہ نے تمھیں جلوا دکھا دیا

بارِ دمِ اعجازِ مسیحا نہ اُٹھے گا — مرجائیں ہم احسان کسی کا نہ اُٹھے گا

معشوق ستم پیشہ کا غمزا نہ اُٹھے گا — دوڑ اے ملک الموت یہ صدمہ نہ اُٹھے گا

تم وعدہ وفا حشر میں کس طرح کروگے
کیا اور کوئی چاہنے والا نہ اُٹھے گا

ہر وقت رہیں گی جو حسینوں کی جفائیں
کیوں دل خلشِ درد سے چلّا نہ اُٹھے گا

نکلے ہو ٹہلنے کو عبث کھول کے جوڑا
نازک ہے کمر زلفوں کا جھونکا نہ اُٹھے گا

غیروں سے رہے گی جو اسی طرح لگاوٹ
فرمائیے کیونکر مجھے غصّا نہ اُٹھے گا

بیٹھا ہے دھئی دے کے ترے در کے مقابل
اب لاکھ اُٹھائے کوئی بندا نہ اُٹھے گا

آجائے قیامت بھی تو قدموں سے ہٹالے
میرا سرِ شوریدہ سودا نہ اُٹھے گا

طعنے دیں مجھے خواہ کریں لوگ ملامت
پریوں کی محبّت سے دل اپنا نہ اُٹھے گا

ہرگز نہ مرے وصل کے ہونگے مجھے حاصل
جب تک یہ بغل سے تری تکیا نہ اُٹھے گا

ہے زور کلائی میں تو سر خود ہی اُڑا دو
دشمن سے مرے قتل کا بیڑا نہ اُٹھے گا

اے آہ رسا حسنِ رخِ یار دکھا دے
یہ تیرے کسی اور سے پردا نہ اُٹھے گا

رندانِ قدح نوش میں آ بیٹھے ہیں زاہد
تا حشر اب اس در سے مصلّا نہ اُٹھے گا

آیا ہے کوئی تشنۂ دیدار تمھارا
سرچشمۂ حیواں سے یہ پیاسا نہ اُٹھے گا

دن رات کرے کون امیروں کی خوشامد
کملی کی جگہ مجھ سے دوشالا نہ اُٹھے گا

دفنا دو مری لاش تم اپنی ہی گلی میں
بھاری ہے یہ وہ لاکھ سے مُردا نہ اُٹھے گا

پہلو میں دل اُس شوخ ستمگر سے چھپا کر
انصاف یہی ہے کہ تقاضا نہ اُٹھے گا

دل بیچنے اے قیس کہاں لے کے چلے ہو
بازارِ محبّت میں یہ سودا نہ اُٹھے گا

یوں تو میرا دل حسینوں پر بہت آیا گیا
تجھ پر آتے ہی نہیں معلوم کیوں مُرجھا گیا

دردِ پنہاں نالہ بنکر جب لبوں تک آ گیا
اپنی رسوائی کے ڈر سے وہ بری تھرّا گیا

داورِ محشر سے میں آمادۂ فریاد تھا
کچھ ترا پاسِ ادب لیکن مجھے سمجھا گیا

کر لیا ہے گھر مرے دل میں ازل ہی عشق نے
موہنی صورت جہاں آئی نظر للچا گیا

نا اُمیدی سے کھُلا ملکِ عدم کا راستا
تا لحد مجھ کو ہجومِ آرزو پہنچا گیا

وصل کی لذت ملے جس میں وہ باتیں کیجئے
سرگزشتِ غیر سنتے سنتے جی گھبرا گیا

بے وفائی کے گلوں پر وہ تنک کر بول اُٹھے
تھا اِسی دل پر یہ سارا حوصلا دیکھا گیا

جب کسی جشنِ طرب کی پہنچی کانوں میں صدا
تیری بزمِ عیش کا آنکھوں میں نقشا چھا گیا

خواب میں بھی دیکھ کر میں چونک اُٹھا خوف سے
گیسوِ پُر پیچ گویا سانپ تھا لہرا گیا

نام میرا سنتے ہی گردن جھکا لی یار نے
بات کچھ گزری ہوئی یاد آ گئی شرما گیا

جھوٹے وعدے ہی اگر باور کرانا تھے تجھے
غیر کے ہوتے مرے سر کی قسم کیوں کھا گیا

کوئی برچھی کی انی تھی یا ترا تیرِ نظر
جو مرے سینے میں آ کر دل جگر برما گیا

میری تربت پر اثر ناکامیوں کا دیکھئے
جو کوئی گزرا اِدھر سے اشکِ غم برسا گیا

تیری ہی سی شوخیاں تیرے تصور میں بھی ہیں
جب کبھی آیا تو بسمل کی طرح تڑپا گیا

بے سبب ہرگز نہیں یہ شادمانی قیس کی
کچھ سراغِ خاطرِ گم گشتہ شاید پا گیا

شوخیوں نے کیا کیا شرم و حیا نے کیا کیا
کیا کہوں میں یار کی کس کس ادا نے کیا کیا

ذبح کرنے کو مرے میٹھی چھری درکار تھی — ڈال کر ابرو میں بل اُس بے وفا نے کیا کیا

سنتے سنتے شوق دل گھبرا کے وہ بُت اُٹھ گیا — عین موقع پر یہ طولِ مدعا نے کیا کیا

آرہے تھے وہ مگر شرما کے اُلٹے پھر گئے — یہ اثر یارب شبِ غم کی دعا نے کیا کیا

تجھ کو آپ انصاف کرنا تھا نیاز و ناز کا — عاجزی نے میری یا تیری جفا نے کیا کیا

ڈھونڈتا پھرتا ہوں لیکن کچھ پتا ملتا نہیں — دل چُرا کر یار کی زلفِ دوتا نے کیا کیا

آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر غش کر گئے — سحر اُنھیں پر اُن کے حُسنِ جانفزا نے کیا کیا

آئے تھے دشمن کے ماتم کا بہانا کر کے وہ — نام میرا لے کے ظلم اہلِ عزا نے کیا کیا

اُس کے کوچے سے ہماری خاک اُڑا کر لے گئی — یاالٰہی یہ ستم بادِ صبا نے کیا کیا

مجھکو پہنچایا حقیقت تک بتوں کی عشق نے — اپنی کہہ ناصح کہ تیرے اتقا نے کیا کیا

بیٹھ جانا ایکدم لازم نہ تھا جی ہار کے — جادۂ الفت میں دل سی رہنما نے کیا کیا

یار کے دل میں نہ پیدا کر سکی کوئی اثر — عرش تک جا کر مری آہِ رسا نے کیا کیا

کھل گئی ہاتھوں میں سب لالی ہماری خون کی — پردہ اس پر ڈال کے رنگِ حنا نے کیا کیا

عرصۂ محشر میں معنی خیز ہے میرا سکوت — کہتے ہیں اترا کے وہ روزِ جزا نے کیا کیا

میرے پہلو سے وہ اٹھ کر جا ملے کیوں غیر سے — آ گری بجلی سی مجھ پر یہ خدا نے کیا کیا

منتیں کرتا ہے تو اے قیس کس بے رحم کی
آجتک تیری ہزاروں التجا نے کیا کیا

آئی پیری سب جوانی کا مزا جاتا رہا — صبح کا سونا ٹہلنا شام کا جاتا رہا

تھا شریکِ حال اچھا یا بُرا جاتا رہا
میرے پہلو سے دلِ درد آشنا جاتا رہا

اُن کے آتے ہی شبِ غم کی سیاہی مٹ گئی
کنجِ تنہائی کی ظلمت کا گِلا جاتا رہا

واعظوں کی پارسائی میں بھی رخنے پڑ گئے
حُسن پر مرنے لگے وہ اتقا جاتا رہا

ڈھونڈتا پھرتا تو ہوں میں کچھ مگر اے بیخودی
یہ نہیں معلوم کیا تھا اور کیا جاتا رہا

مجمعِ حسن و وفا تھے وہ نہ تھا جب تک شعور
جب شعور آیا تو اندازِ وفا جاتا رہا

سرد مہریِ فلک نے خوب ٹھنڈا کر دیا
حوصلا جو کچھ ہمارے دل میں تھا جاتا رہا

جان دیکر آپ ہی میں نے کیا اپنا علاج
موت کے حیلے سے دردِ لادوا جاتا رہا

میرے دشمن کے لہو میں ہاتھ وہ کیونکر رنگیں
ذبح مجھ کو کر چکے شوقِ حنا جاتا رہا

بیٹھ کر اغیار میں کُھل کھیلنا اچھا نہیں
طعنے دیں گے لوگ اگر پاسِ حیا جاتا رہا

تھا بغل میں دل تو دل میں تھا ہجومِ آرزو
دل گیا کیا دل کا سارا مدعا جاتا رہا

حشر کیوں برپا نہیں ہو کوچۂ سفاک میں
توڑ کر دم کشتۂ تیغِ ادا جاتا رہا

دشمنوں کا ہو برا ایسی پڑھائیں پٹیاں
نامہ و پیغام کا بھی سلسلا جاتا رہا

آپ سرگرمِ جفائے ناروا کیونکر ہوئے
کیا خیالِ پرسشِ روزِ جزا جاتا رہا

وہ نگاہِ مست ساقی نے مجھے بیخود کیا
عمر بھر کا شکوۂ جور و جفا جاتا رہا

جھانک لینا جو سہارا دید کا تھا وہ بھی اب
روزنِ دیوار کے ساتھ اے خدا جاتا رہا

جس سے کچھ ملتا ٹھکانا جلوہ گاہِ یار کا
ہاتھ سے وہ طائرِ قبلہ نما جاتا رہا

جھوٹے وعدوں کی بھی لذت کھوئی اک انکار نے
مدتوں کا جو بندھا تھا آسرا جاتا رہا

دل کے قابو سے نکل جانے کا شکوا سنکے وہ
ہنسکے بولے کیا ہوا جاتا رہا جاتا رہا

شکر ہے اتنا تو میرے منع کرنے سے ہوا
سب سے ہنسنا بولنا وہ پر ملا جاتا رہا

مرگ قیسِ ناتواں پر اُسنے خوش ہو کر کہا
تھا وبالِ جاں مجھے اچھا ہوا جاتا رہا

کب حشر مرے نالوں سے برپا نہیں ہوتا
کس روز برا حال جگر کا نہیں ہوتا

شوخی نہیں ہوتی ہے کہ غمزا نہیں ہوتا
سامان مرے قتل کا اب کیا نہیں ہوتا

دل ہی نہیں جس دل میں نہ ہو تیری تمنّا
سر ہی نہیں جس سر میں یہ سودا نہیں ہوتا

انداز حسینوں کے ہیں دنیا سے نرالے
جی لاکھ ستم کرکے بھی ٹھنڈا نہیں ہوتا

موقع مجھے کیوں کر ملے اظہار غرض کا
وہ شوخ کسی وقت اکیلا نہیں ہوتا

بے سود طبیبوں کو ہے کیوں فکر مداوا
بیمار محبّت کبھی اچھا نہیں ہوتا

جو کچھ کہ ہوا معرکۂ عشق میں ہم پر
انصاف یہ کہتا ہے کہ ایسا نہیں ہوتا

ہنگامۂ محشر ہیں تری نازکی چالیں
کب اِن سے زمانا تہ و بالا نہیں ہوتا

ہے صرف مجھی سے یہ حیا اور یہ گھونگٹ
غیروں سے تو یہ شرم یہ پردا نہیں ہوتا

تم نوک مژہ سے جو نہ برماتے مرا دل
آنکھوں سے رواں خون کا دریا نہیں ہوتا

ہو کشمکشِ درد سے کیا شکل رہائی
جب چارہ گرِ دل وہ مسیحا نہیں ہوتا

حور اور پری حسن میں ہر ایک کو دیکھا
یہ رنگ یہ روپ اور یہ نقشا نہیں ہوتا

کوچے میں ترے کشتۂ بے دل کی تڑپ کا
ہے کون دن ایسا کہ تماشا نہیں ہوتا

رکھّے کوئی ہمسایوں سے کیا خاک توقع
دل کا کبھی ہمدرد کلیجا نہیں ہوتا

رندوں میں ہے چھائی ہوئی اے قیس اُداسی
کیوں شغل مے و ساغر و مینا نہیں ہوتا

میں جو تم پر فدا نہیں ہوتا
موردِ صد بلا نہیں ہوتا

یار اگر دلربا نہیں ہوتا
نام بھی عشق کا نہیں ہوتا

تجھ سے ہونے کو کیا نہیں ہوتا
ہاں مرا فیصلا نہیں ہوتا

دل لگی دل لگی نہیں رہتی
دل سے دل جب ملا نہیں ہوتا

ہجر کی شب بلا نصیبوں کا
کوئی درد آشنا نہیں ہوتا

کیا یقین آئے لاکھ وعدوں پر
ایک بھی جب وفا نہیں ہوتا

چارہ سازی اگر نہ تھی منظور
قصۂ غم سنا نہیں ہوتا

دام گیسو جو تم نہ پھیلاتے
میں اسیر بلا نہیں ہوتا

کوئی بھی جادۂ محبت میں
عشق سا رہنما نہیں ہوتا

عرض کرنے کو مدعا اپنا
چاہتا ہوں ادا نہیں ہوتا

اُف ری بے تابیِ شبِ فرقت
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

تم اگر لطف کی نظر کرتے
بخت بد کا گلا نہیں ہوتا

بے ترے کس طرح قرار آئے
صبر اے مہ لقا نہیں ہوتا

میں ترے ظلم ناروا پر بھی
شکوہ سنجِ جفا نہیں ہوتا

وصل میں غیر لذتِ دیدار
اور کچھ مدعا نہیں ہوتا

کیا ہمارے سوا ستم تیرا
دشمنوں پر روا نہیں ہوتا

چارہ سازان درد و غم کیلئے
یہ مرض لا دوا نہیں ہوتا

تو ہے فریاد رس غریبوں کا
دوسرا اے خدا نہیں ہوتا

دیکھیے ہیں دل تمھیں قیامت تک
رنج میں مبتلا نہیں ہوتا

عشق کا ذکر وہ بھی غیروں میں
قیسؔ یوں برملا نہیں ہوتا

اسی کے ہاتھوں میں یوں خستہ و خراب ہوا
بغل میں دل نہ ہوا جان کا عذاب ہوا

ہیں قسمتوں سے کسی دن جو باریاب ہوا
مرے حسد سے فلک جل کے کیوں کباب ہوا

شبِ وصال ہے دونوں میں خوف محرومی
اِدھر حجاب ہوا یا اُدھر حجاب ہوا

بہانہ تیر قضا کا ہے ورنہ اے ظالم
ہماری جان کا دشمن ترا شباب ہوا

یہ محویت کے کرشموں سے اک کرشمہ ہے
کہ ذرّے نور ہوئے نور آفتاب ہوا

بہار موسم گل آتے ہی گری بجلی
اسیر کنج قفس کو وہ اضطراب ہوا

بُرا ہوا جو کیا ہم نے ظلم کا شکوا
ہمیں جلا کے تمھیں کون سا ثواب ہوا

کہیں بھی کوئی وفا آشنا نہیں ملتا
الٰہی کیا یہ زمانے کو انقلاب ہوا

سبب بتاتے وہ کیا میرے ذبح کرنیکا
سکوت لاکھ جوابوں کا اک جواب ہوا

بنی ہے جس سے جو شئے مٹ کے پھر وہی ہوگی
بنا جو پانی سے پانی ہی پھر حباب ہوا

حصول دولت پابوس کی تمنّا میں
ہلال عید بھی ہم قالبِ رکاب ہوا

بڑی کریم ہے درگاہ میرے داتا کی
عطا ہوا مجھے جو کچھ وہ بے حساب ہوا

فقیر میکدہ بن کر رہیں گے اے ساقی
نصیب ہم کو اگر ساغرِ شراب ہوا

طریقِ عشق میں قسمت کی ہے یہ نیرنگی
کسی سے بگڑی مگر قیس پر عتاب ہوا

پیری میں آکے ہم نے یہ انقلاب دیکھا
یاد آئی جب جوانی سمجھے کہ خواب دیکھا

دن بھر کی بیقراری شب بھر کی آہ وزاری
دل دیکے اے ستمگر کیا کچھ عذاب دیکھا

غم ہو کہ عیش و راحت دو دن کی زندگی میں
قسمت نے جو دکھایا وہ انتخاب دیکھا

کچھ مدعا سمجھ میں اے نامہ بر نہ آیا
سو بار اُلٹ پلٹ کر خط کا جواب دیکھا

بیجا نہیں تھی ہرگز موسیٰ سے لن ترانی
جلوا ترا کسی نے کب بے حجاب دیکھا

بحرِ جہاں میں دم بھر عبرت سے جب نظر کی
ہستی کو اپنی ہم نے مثلِ حباب دیکھا

جس عشق و عاشقی کو سمجھے تھے دل کی رونق
افسوس ہے اُسی کو خانہ خراب دیکھا

فتنا بھی ہے۔ بلا بھی۔ آفت بھی ہے ستم بھی
سرمایۂ قیامت تیرا شباب دیکھا

لکھے کو قسمتوں کے ممکن نہیں مٹانا
سب ناصواب ٹھہرا جس کو صواب دیکھا

پہلو میں رکھکے ہم نے راحت کبھی نہ پائی
کمبخت دل کو ہر دم پُر اضطراب دیکھا

دشوار شرم سے تھا ہم سے نظر ملانا
غیروں کے ساتھ لیکن گرمِ خطاب دیکھا

کھٹکا ہیں خار بن کر آنکھوں میں حاسدوں کی
جس دم اُنھوں نے مجھپر لطفِ جناب دیکھا

ہے جور بھی وفا بھی طرز و ادا میں تیری
گا ہے عذاب دیکھا گا ہے ثواب دیکھا

لاکھوں حسین دیکھے ہر گوشۂ جہاں میں
لیکن کہیں نہ اب تک تیرا جواب دیکھا

دعواے پارسائی پھر یہ غضب خدا کا
اے قیس تجھ کو اکثر مستِ شراب دیکھا

رہ رہ کے یاد آتے ہیں لطفِ شباب کیا
پیری میں دیکھتا ہوں جوانی کا خواب کیا

سہتا ہوں کوئے یار میں رنج و عذاب کیا
جنّت میں آکے بھی نہ ملے گا ثواب کیا

تھم تھم کے آج بڑھتے ہیں کیوں میری دستِ شوق
کھولیں گے روئے یار سے بندِ نقاب کیا

اے شیخ ہم تو ایک زمانے کے رند ہیں
کہیے تو میکدے کو گئے تھے جناب کیا

چھن چھن کے آرہی ہو تمھاری شعاعِ حسن
پردے میں چلمنوں کے چھپے آفتاب کیا

فتنے جگائیں گی تری محشر خرامیاں
چالوں کا تیری ہوگی قیامت جواب کیا

مجبور میں کشاکشِ بیچارگی سے ہوں
دیتا ہے رنج اے دلِ خانہ خراب کیا

رات اُن سے عرضِ حال کی جرأت نہ ہوسکی
تیوری چڑھی ہوئی تھی میں کرتا خطاب کیا

ہیں جنکے آگے نور کے پردے پڑے ہوئے
دکھلائیں گے کسی کو رُخِ بے حجاب کیا

یہ کیا کہا کہ چن لو کوئی دوسرا حسیں
ہے کون تیرے مثل کروں انتخاب کیا

سیلاب آنسوؤں کا ہے دن رات کیوں رواں
طوفان اُٹھا رہی ہے مری چشمِ پُر آب کیا

لکھا ہے میں نے حال دل اپنا ذرا ذرا
دیکھوں وہ لکھتے ہیں مرے خط کا جواب کیا

مضمر ہے میرے ہر نفسِ سرد میں فنا
نقشِ حیات صورتِ نقشِ حباب کیا

تھی میری زندگی تری رحمت کی آس پر
محشر میں اے خدا یہ حساب و کتاب کیا

مقتل میں اپنی تیغ کے جوہر دکھائیے
میں سر بکف ہوں آپ کو ہے اضطراب کیا

ہوتے کبھی عدو بھی سزاوار مشق ظلم
بے وجہ بار بار مجھی پر عتاب کیا

رکھتے نہیں ہو آج قدم کیوں زمین پر
اے قیس مغبچوں نے پلائی شراب کیا

اس سن میں اگر عشق پری زاد نہ کرتا
یوں مفت جوانی کو میں برباد نہ کرتا

مجھ کو تو اگر مورد بیداد نہ کرتا
میں شکوہ نہ کرتا کبھی فریاد نہ کرتا

جو کام مرے ساتھ کیا تیغ ادا نے
شاید وہ کبھی خنجر فولاد نہ کرتا

میں پارسی ہوں دور تمہیں وصل کی لذت
کیوں رشک میں ہے قمری و شمشاد نہ کرتا

وہ شکوۂ بیداد کو سنتے ہی یہ بولے
لو اس سبق کہنہ کو اب یاد نہ کرتا

اس شوخ نے شیریں کی ادائیں جو اڑائیں
میں کیوں ہوس تیشۂ فرہاد نہ کرتا

ہوتا ستم و جور کے سہنے میں جو کامل
گھبرا کے میں عزم عدم آباد نہ کرتا

لب پر کبھی ہم آہ و فغاں آنے نہ دیتے
بے چین اگر یہ دل ناشاد نہ کرتا

مجنوں کو مرے طوق و سلاسل کی ہے خواہش
کیوں جستجوئے خدمت حدّاد نہ کرتا

دل تھام کے وہ میری طرف کاہے کو آتی
فرقت میں اگر وا لب فریاد نہ کرتا

کچھ ربط اگر ابروئے جاناں سے نہ ہوتا
منت کشی خنجر جلّاد نہ کرتا

اس سمت نہ آتا وہ کبھی فاتحہ پڑھنے
مرقد میں شب و روز جو میں یاد نہ کرتا

کرتا وہ اگر قتل تو یہ تھا مجھے منظور
ہر دم ستم نو مگر ایجاد نہ کرتا

آئی ہے بہار اور میں ہوں قید قفس میں
اس فصل میں یہ ظلم تو صیّاد نہ کرتا

ہوتا جو ذرا دعوئِ الفت میں تو صادق
در پردہ کبھی یوں ستم ایجاد نہ کرتا

چھوٹا بھی اگر کنج قفس سے تو خزاں میں
کیوں شور و فغاں مرغ نو آزاد نہ کرتا

مجبور نہ ہوتا جو ترے جور و جفا سے
ہر شخص سے میں خواہش امداد نہ کرتا

استاد سمجھتا میں تجھے حلم و وفا میں
مجھ پر جو تو مشقِ فن بیداد نہ کرتا

مدت سے ہے دلمیں کششِ شہر مدینہ
یارب یہ تمنّا مری برباد نہ کرتا

اے قیس اگر تابعِ فرمان نبی ہے
جز ذات خدا اور کو تو یاد نہ کرتا

اس قدر بیتابیاں اے خاطرِ ناشاد کیا
جو تجھے بھولا ہوا ہے اُس کی تجھکو یاد کیا

سخت جانی دیکھئے دکھلاتی ہے افتاد کیا
آج سنوائے گی مجھ کو طعنۂ جلاّد کیا

ہم تو خود ہی ہیں نوا سنجِ اسیرانِ قفس
جال پھیلائے ہوئے ہے گھات میں صیّاد کیا

ہر گلِ تر پر ہے کیوں پژمردگی چھائی ہوئی
مثلِ بو اُڑتا ہے کوئی طائرِ آزاد کیا

جنبشِ ابرو تری کافی ہے میرے قتل کو
ڈھونڈتا پھرتا ہے ناحق خنجرِ فولاد کیا

زندگی بھر جب مجھے رکھا ہے تو نے بے مراد
حشر میں کوئی توقع تجھ سے اے فریاد کیا

رحم و ظلم اُسکے ہمارے حق میں دونوں ایک ہیں
پھر کہیں تو کیا کہیں ہم داد کیا بیداد کیا

چھوڑ کر سر جان دیدینا ہے خامی کی دلیل
میرے آگے دم بھرے گا عشق کا فرہاد کیا

جس کو ہو روزِ ازل سے خانہ ویرانی پسند
وہ ستم پیشہ کرے گا دل مرا آباد کیا

آدمی کو فکرِ عیشِ جاودانی چاہیئے
چند ساعت کی بہارِ گلشنِ ایجاد کیا

میرے نالوں کی صدا پر وہ جھجک کر بول اُٹھو
اس طرف آتا ہے میرا خانماں برباد کیا

ایک قطرہ بھی لہو کا جسمِ لاغر میں نہیں
تشنگی اپنی بجھائے نشترِ فصّاد کیا

کچھ نظر رکھنا بھی ظالم کو مآلِ کار پر
دعویٔ بیجا عبث کرتا رہا شداد کیا

وجہِ ناز اے قیس ہوتا ہے فقط اپنا کمال
یہ نہیں تو قصۂ شاگرد یا اُستاد کیا

اور کچھ تو نہ تجھے اے ستم ایجاد آیا
ہاں کچھ آیا تو فقط شیوۂ بیداد آیا

جب کہیں تذکرۂ حُسنِ خداداد آیا
چٹکیاں لینے کو دل میں وہ پریزاد آیا

منہ کو سو بار کلیجا دمِ افتاد آیا
پھر بھی شکوا نہ کوئی تا لبِ فریاد آیا

ہاتھ اُٹھانا ہی پڑے سوئے فلک آخر کار
اِس قدر تو نے ستایا کہ خدا یاد آیا

دیکھ لے جوشِ جنوں تیری کشش کے صدقے
اب قریبِ رگِ جاں نشترِ فصّاد آیا

آرزومندِ شہادت کے لیئے عید ہوئی
جب گلے مل کے قضا بولی کہ جلّاد آیا

زندگی بھر خلشِ درد سے راحت نہ ملی
رنج بھی ساتھ مرے صورتِ ہمزاد آیا

خوش ادائی سے مجھے دام میں لانیکے لیئے
ہاتھ میں ہاتھ دیئے گھات میں صیاد آیا

دیکھ کر میری طرف محوِ تبسّم کیوں ہو
کیا تمھیں اور کوئی تازہ ستم یاد آیا

دردِ الفت سے ہوئی نالوں میں ہلچل برپا
اُٹھّے تعظیم کو شاگرد جب اُستاد آیا

ہائے کمبخت کہاں آنکھ لڑائی تو نے
کس ستم پیشہ پر آج اے دلِ ناشاد آیا

داغ بے مایگیِ صبر لئے ماتھے پر
حشر کے دن صفِ عشاق میں فرہاد آیا

دشت کی سیر بھی وحشت نے چھڑائی مجھ سے
بیڑیاں پاؤں میں پہنانے کو حدّاد آیا

دیکھئے سوجھی ہے غیروں نہیں طلب کرینگی
میں اُنہیں یاد بھی آیا تو کہاں یاد آیا

میری گردن میں تھے در پردہ ہزاروں پھندے
گو بظاہر تری محفل سے میں آزاد آیا

پوچھنا چاہے کوئی تو مرے دل سے پوچھے
کیا مزا مجھکو تہِ خنجرِ جلّاد آیا

اے غمِ سوزِ دروں دل میں دھرا ہی کیا ہی
پھونکنے جس کو سوزِ خرمن برباد آیا

جب کسی طرح کسی کا کوئی افسوں نہ چلا
دل لُبھانے کو ترا حُسنِ خدا داد آیا

جنبشِ ابروِ جاناں نے کیا قتل مجھے
آج مقتل سے خجل خنجرِ فولاد آیا

سو چکے حشر تک اب چین سے سونے والے
قیسؔ دل سوختہ سوے عدم آباد آیا

شکر ہے تن سے جدا ہو کر جو میرا سر گرا
یاوری قسمت نے کی قاتل کی قدموں پر گرا

میں تجھے دل دے کے اے ظالم سرِ بستر گرا
تو نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر گرا

جب تمہاری زلفِ شبگوں سے کوئی گوہر گرا
سمجھے ہم بامِ فلک سے ٹوٹ کر اختر گرا

سخت جانی پر مری جھنجھلا کے اُس بےرحم نے
تیغِ ابرو کھینچ لی جب ہاتھ سے خنجر گرا

اُن کے آگے سجدہ کرنے کی تھی ایسی آرزو
مُنہ کے بھل سو سو طرح کھا کھا کے میں چکّر گرا

ناتوانی نے قدم چومے فضائے عشق میں
خاک پر جب نیم جاں میرا تنِ لاغر گرا

آتشِ سوزِ دروں نے اِس قدر پھونکا مجھے
اشک گرم آنکھوں سے جلکر صورتِ اخگر گرا

فیضِ ساقی سے کوئی رہنے نہ پایا ہوش میں
میں تو میں ہوں محتسب پی کرے احمر گرا

تھا یہی میری خلش کے بڑھتے رہنے کا سبب
چاکِ زخمِ دل سے کیوں ٹوٹا ہوا نشتر گرا

چشمِ پُرنم قصرِ دل کی وجہ بربادی ہوئی
سیل گریہ کے تھپیڑوں سے خدا کا گھر گرا

کچھ نہ پوچھو مجھ سے کیونکر طے ہوئی الفت کی راہ
ٹھوکریں کھا کھا کے سنبھلا بارہا۔ اکثر گرا

یہ نزاکت اور اس پر یہ صفائی ہاتھ کی
وار کرتے ہی مری گردن سے سر کٹ کر گرا

بیخودی میں کیا کہوں مُنہ چوم لینے کا سبب
تشنگی غالب ہوئی آ کر لبِ کوثر گرا

پانی پانی شرم سے ہے خضر کا سا رہنما
کس پری کی چاہ میں تو اے دلِ مضطر گرا

چوٹ کھا کر ہو رہا ہے شیشۂ دل چور چور
قیس پر یارب کہاں سے عشق کا پتھر گرا

تو جو غیروں کا طرفدار اے ستمگر ہو گیا
میں بھی نازک طبع ہوں تجھ سے مکدر ہو گیا

تیرے سوزِ ہجر میں جلنے کا خوگر ہو گیا
آتشِ فرقت میں گویا میں سمندر ہو گیا

فرطِ غم سے اِس قدر میں گھُل کے لاغر ہو گیا
خار سے بڑھ کر مجھے اب تارِ بستر ہو گیا

جوشِ وحشت میں اگر صحرا کی میں نے راہ لی
پاؤں کے ہر آبلے کو خار نشتر ہو گیا

وصل کی شب یار سے لپٹا جو فرطِ شوق میں
نکہتِ گل سے دماغ اپنا معطر ہو گیا

مست جامِ عشق کو کب رہنما درکار ہے
جادۂ کوئے بتاں میں دل ہی رہبر ہو گیا

نامِ رخصت جب لیا اُس شوخ نے صبحِ وصال
کثرتِ اندوہ و غم سے قلب مضطر ہو گیا

جب جوابِ خط کے لانے میں ہوئی قاصد کو دیر
طائرِ روحِ رواں اُڑ کر کبوتر ہو گیا

پہلوِ دشمن میں تو بیٹھا جو رات اے ماہرو
رحم اُس پر اور پُورا قہر ہم پر ہو گیا

وصل کی شب میں بنے جب چوسا زبانِ یار کو
قطرۂ آبِ دہن قندِ مکرر ہو گیا

دھوم عالم میں جو اُس آئینۂ رُخ کی ہوئی
خاک میں خجلت سے پوشیدہ سکندر ہو گیا

محفلِ مے کس طرح بھاتی فراقِ یار میں
میرے ہاتھوں میں ہلاہل جامِ احمر ہو گیا

دیکھئے شیریں لبوں کے بوسوں کی تاثیر سے
زہر بھی میرے دہن میں آ کے شکّر ہو گیا

دیکھکر جوبن ہمارے یوسفِ رخسار کا
خشک مرجھا کر چمن میں ہر گلِ تر ہو گیا

جب ترے دانتوں کی آب و تاب کی دیکھی چمک
پانی پانی شرم سے اے یار گوہر ہو گیا

تھا گراں یہ بار سر اس سے سبکدوشی ہوئی
میری گردن پر بڑا احسان خنجر ہو گیا

ہے صدائے صور کیا پازیب کی جھنکار میں
تیرے آتے ہی جو برپا شورِ محشر ہو گیا

سچ کہو اے خفتگانِ خاک کیوں تم سو رہے
کس طرح تیغِ اجل کا وار تم پر ہو گیا

اُف رے فرطِ بیخودی کچھ بھی نہ آیا خوفِ جاں
خود ہی میں اُڑ کر جو تیرِ یار کا پر ہو گیا

سوزشِ داغِ جگر سے تھی اگر کچھ ہمسری
شرم سے محجوب کیوں خورشیدِ محشر ہو گیا

ضبط تو مدِّ نظر تھا بیخودی کو کیا کروں
شکوۂ جورِ صنم فرقت میں اکثر ہو گیا

اے سرشکِ دیدۂ تر کیوں لڑکپن کر گئے
میرے رازِ عشق کا اب ذکر گھر گھر ہو گیا

آمدِ عشقِ صنم میں جا چکے تھے عقل و ہوش
بہرِ استقبال دل بھی گھر سے باہر ہو گیا

قوتِ پرواز کب ہے مجھ نحیف و زار میں
سوزِ غم سے جل کے اے صیاد بے پر ہو گیا

ہجر کی گرمی سے کیا لختِ جگر گھُلنے لگے
اشکِ خونیں کیوں رواں اے دیدۂ تر ہو گیا

لائی بلبل غنچۂ گل جب چڑھانے کیلئے
میری تربت تک وہ آتے آتے پتھر ہوگیا

چاہیئے درویش کو دنیا سے بالکل انحراف
کب وہ درویشی رہی جب بندۂ زر ہوگیا

شوق صادق کیوں نہ کھینچے گا مدینے کی طرف
جا گزیں دل میں اگر عشقِ پیمبر ہوگیا

دیکھئے تاثیر وصفِ زلف پیچانِ پری
قیس کے دیوان کا ہر شعر ابتر ہوگیا

جام ساقی نے مرے آگے جو بھر کر رکھدیا
شیشۂ خاطر میں گویا آبِ کوثر رکھدیا

تھک کے اُس نے ہاتھ سے جب کند خنجر رکھدیا
ہم نے اُس کے پاؤں پر خود کاٹ کر سر رکھدیا

کیا قدم شوقِ جفا نے حد سے باہر رکھدیا
ٹکڑے ٹکڑے کر کے دل کیوں اے ستمگر رکھدیا

پھول سی صورت اُسے دی تھی تو پھر دل کی جگہ
یا الٰہی تو نے کس مطلب سے پتھر رکھدیا

میری میّت دیکھکر بھی چوڑیاں ٹھنڈی نہ کیں
مرگ دشمن سنتے ہی زیور بڑھا کر رکھدیا

ہم یہ سمجھے تھے کہ دل میں آکے بخشوگے سرور
زہر میں لیکن بجھا کر تم نے نشتر رکھدیا

خاک میں ساری عمارت میرے دل کی مل گئی
ظالموں نے اے خدا ڈھا کر ترا گھر رکھدیا

گرمیِ سوزِ محبّت سے پھُنکا جاتا ہوں میں
کس نے شعلا آگ کا سینے میں بھر کر رکھدیا

مرہم کافور کے حیلے سے اُس بے رحم نے
بھر کے چٹکی میں نمک زخموں کے مُنہ پر رکھدیا

آپ ہی اُس شوخ نے سب میں کیا افشائے راز
اور جو الزام اُس کا تھا مرے سر رکھدیا

دامِ ہر رنگِ زمیں ہے طائرِ دل کے لیئے
نام جس کا لوگوں نے زلفِ معنبر رکھدیا

نامہ بر سے لیکے خط اُس نے باوازِ بلند
مجمعِ اغیار میں سب پڑھ کے فرفر رکھدیا

کر کے دعویٰ قتل کا میں اور کیا دیتا ثبوت
دامن پُرخوں کسی کا پیش داور رکھدیا

غیر کی بے مہریوں سے تو وہ آزردہ ہوئے
بار احساں میرے سر اللہ اکبر رکھدیا

بہرہ ور ہوں کس طرح سیر چمن کے لطف سے
نوچ کر صیاد ظالم نے تو شہپر رکھدیا

ہوں وہ میکش پیر میخانہ نے اپنے ہاتھ سے
آگے ساغر رکھدیا پہلو میں کنٹر رکھدیا

وصل کی شب بھی گریباں گیر محرومی رہی
بے محل کیوں کھول کر شکووں کا دفتر رکھدیا

میرے لاشے پر لحد میں خوف سے فریاد کے
ایک پتھر اُس نے چھاتی کے برابر رکھدیا

اے غم یار اور کچھ سامان دعوت کیا کروں
تیرے آگے دل جگر جو تھا میسّر رکھدیا

اہل محشر کے سروں پر کیوں نہ ہو سرد آفتاب
ہم نے اشکوں سے بھگو کر دامن تر رکھدیا

یہ زمیں اے قیس تھی پامال پھر بھی آپ نے
کہکے اس میں شعر کیا بہتر سے بہتر رکھدیا

مجھے اپنے دل پر اے جان اگر اختیار ہوتا
میں جفا کے شکوے کر کے نہ قصوروار ہوتا

ترے عاشقوں میں کچھ بھی جو مرا شمار ہوتا
یہ خلاف مقتضے تھا کہ ذلیل و خوار ہوتا

غم ہجر میں تڑپ کر ہوئی ختم زندگانی
یہ مرے نصیب کب تھے کہ وصال یار ہوتا

ہمیں دل ہی اس طرح کا ستم آشنا نہ ملتا
پھر اگر یہی بدا تھا تو کچھ استوار ہوتا

شب وعدہ تم سمجھتے مری بیکلی کا باعث
جب اسی طرح کسی کا تمھیں انتظار ہوتا

پس مرگ چشم حسرت سے کبھی تو دیکھ لیتا
ترے در پر اے ستمگر جو مرا مزار ہوتا

وہ بگڑ بگڑ کے ہرگز ہمیں جھڑکیاں نہ دیتے
جو بیاں درد دل کا انھیں اعتبار ہوتا

ادھر اُن کی تیغ چلتی تو ادھر بھی یہ تمنّا
کہ میں صدقے زندہ ہو ہو کے ہزار بار ہوتا

جو لیا ہے دل ہمارا تو خموش کیوں ہو بیٹھے
کبھی کچھ زبان دیتے کبھی کچھ قرار ہوتا

مرے حوصلوں نے مجھ کو قفس بلا میں ڈالا
نہ کسی سے آنکھیں لڑتیں نہیں یوں شکار ہوتا

جب ازل ہی میں پڑی تھی تری چشم مست مجھ پر
تو پھر اور کیا میں ہوتا جو نہ بادہ خوار ہوتا

میں ہجوم یاس و حرماں میں گھرا رہوں کہاں تک
کہیں مہرباں مجھ پر وہ ستم شعار ہوتا

تو نہ دشمنوں سے ملتا تو روا تھیں سب جفائیں
تری گالیاں بھی کھانا مجھے خوشگوار ہوتا

سر مقتل آزماتے اگر اپنے عاشقوں کو
تہ تیغ دیکھ لیتے یہی جاں نثار ہوتا

جو بہار حسن تو تھا جو تری نظر تھی ناوک
تو وہ میرے دل میں رہتی یہ جگر کے پار ہوتا

ہے جفا بھی آپ ہی سے ہے وفا بھی آپ ہی سے
میں کچھ اس میں لب ہلاتا تو گناہگار ہوتا

دم حشر میری فریاد انھیں کچھ اثر دکھاتی
جو گلے میں ہار بنکر دلِ داغدار ہوتا

شب وصل جب مزہ تھا کہ لپٹ کے خوب باہم
کچھ اُدھر سے پیار ہوتا کچھ ادھر سے پیار ہوتا

تری چشم لالہ گوں نے مجھے مست کیف رکھا
یہ ترنگ اگر اترتی تو بڑا خمار ہوتا

مرے شکوۂ غلط سے جو عدو نہ کان بھرتے
میں تمہیں سے پوچھتا ہوں تمہیں کیوں غبار ہوتا

پئے فاتحہ جو آتا کبھی قیس کی لحد پر
تری شان کم نہ ہوتی مجھے افتخار ہوتا

آنکھوں میں جا گزیں جو کسی کا ظہور تھا
ہر ذرہ جلوہ گاہ تجلی طور تھا

صدموں سے آہ نکلی مرا کیا قصور تھا
برپا کیا ہوا یہ ترا ہی فتور تھا

کی خوب تیرے جذبِ محبّت نے یاوری
مشکل نہیں تو بحرِ وفا سے عبور تھا

ہم کیونکر اپنی آئی طبیعت کو روکتے
قابو میں تھا جگر نہ دلِ ناصبور تھا

وہ جوششِ شباب وہ شوخی کہاں گئی
وہ حسن کیا ہوا تمہیں جس پر غرور تھا

سامان جشن بادہ کشی کچھ نہ پوچھیے
مے تھی پری تو ساقی میخانہ حور تھا

اے نالہائے گرم ہوا فاش رازِ عشق
تم نے یہ کیا کیا میں اگر بے شعور تھا

ممنون چارہ سازیِ عیسیٰ نہ ہو سکا
تیرا مریضِ عشق کچھ ایسا غیور تھا

کل بے سبب نہ تھی مری مستانہ گفتگو
تم سے نظر لڑی تھی اسی کا سرور تھا

واعظ کی بزمِ وعظ بھی صحبت تھی لطف کی
جو تھا وہ مست ذکرِ شرابِ طہور تھا

آتے ہی خفتگانِ لحد کو جگا دیا
پازیب کی صدا تھی کہ شورِ نشور تھا

اظہار دردِ عشق کسی سے نہ کر سکا
دل ناصحوں کے سنگِ ملامت سے چور تھا

دیکھا جدھر جدھر نظرِ حق شناس نے
پھیلا ہوا تمام تمہارا ہی نور تھا

کثرت خطا کی ہم کو نہ بے آس کر سکی
ہر دم خیال رحمتِ ربِ غفور تھا

اخفائے رازِ بے محل اے قیس کیوں کیا
کچھ اُن سے حالِ دل تمہیں کہنا ضرور تھا

وہ بیخودی شوق کا سارا فتور تھا
موسیٰ کا جو سوال سرِ کوہِ طور تھا

دل میں جو تھا سرور تو آنکھوں میں نور تھا
تیرا ہی جلوہ ہر جگہ اے رشکِ حور تھا

مانا کہ آپ مجھ سے نہ ملتے کھُلے کھُلے
لیکن چھپے چھپائے تو ملنا ضرور تھا

ہم سے نظر چرا کے گئے وہ عدو کے گھر
گو کم سنی کے دن تھے مگر کیا شعور تھا

ان کو نہ دیتے دل تو مروت کے تھا خلاف
دیکر جو پھیر لیتے حمیت سے دور تھا

دل کی کلی نہ کھلتی دمِ صبح کسطرح
موجِ ہوا میں خندۂ گل کا سرور تھا

محشر میں بھی رہا مجھے لپکا شراب کا
بوتل بغل میں ہاتھ میں جامِ طہور تھا

آنکھیں ملا کے کس نے مرا صبر لے لیا
انصاف سے کہو کہ یہ کس کا قصور تھا

گو میرے بال بال تھے مستوجبِ عذاب
لیکن نہ بخشنا تری رحمت سے دور تھا

شایانِ لطف غیر ہی محفل میں کیوں رہے
میں تشنہ کام بھی تو وہیں اے حضور تھا

میری ہی عاجزی نے بڑھا دی تھی تمکنت
بے وجہ ورنہ کب یہ تمہارا غرور تھا

میدانِ عشق میں اسے کیونکر سنبھالتے
بگڑا ہوا ازل سے دلِ ناصبور تھا

کیا کچھ کیا نہ جانوں نکیرین نے سوال
دیتا جواب کیا میں تو نشے میں چور تھا

مُنہ سے فغاں نکلتے ہی برپا ہوا جو حشر
کیا شورِ عندلیب ہم آہنگ صور تھا

اے قیس جسکے حسن کی پھیلی تھی چاندنی
ظلمتکدے میں تیرے وہ کس کا ظہور تھا

جب میں اسیرِ عشقِ بتِ سیمبر نہ تھا
سچ ہے کہ اپنے حال سے یوں بیخبر نہ تھا

کیونکر کہوں کہ وصل میں میں بے خبر نہ تھا
بدمستیوں سے ہوش مجھے تا سحر نہ تھا

دل دے کے نقدِ جاں بھی نہ رکھا کبھی عزیز
میرے سوا یہ اور کسی کا جگر نہ تھا

لاکھوں پڑے سے تھے غش میں تجلیِ نور سے
تھی شاخ کوہ طور ترا بام و در نہ تھا

کھاتا ہے اُس کے کوچے میں ٹھوکر زہے نصیب ہوتا کنارِ یار میں ایسا یہ سر نہ تھا

سرگوشیاں رقیب سے کرتے تھے کس لئے مجھ سے بگاڑ تم کو جو مدِ نظر نہ تھا

جب تک رہا میں گرمِ رہِ جادۂ طلب دل کی کشش بغیر کوئی راہبر نہ تھا

اُٹھنے لگی تھی جب ترے خستہ جگر کی لاش تھا کون وہ بشر کہ جو با چشمِ تر نہ تھا

ہونے لگا ہی اب تو خفا بات بات میں ایسا تنک مزاج تو وہ پیشتر نہ تھا

افشائے رازِ عشق کا رکھتا میں کیا خیال میرے تو کہنے ہی میں دلِ نوحہ گر نہ تھا

میں نے تڑپ تڑپ کے بری طرح صبح کی اے رشکِ حور رات جو تو میرے گھر نہ تھا

سسکا کیا میں تیری گلی میں پڑا ہوا پُرسانِ حال کوئی بھی فردِ بشر نہ تھا

دنیا ہی تک شریکِ غم و رنج سب رہے میرا رہِ عدم میں کوئی ہمسفر نہ تھا

احسان ہے جو پوچھ لیا مجھ غریب کو میری طرف سے قرض تو کچھ آپ پر نہ تھا

اُس کو نہ کھینچ لائے کسی طرح میرے پاس اے آہ و نالہ تم میں ذرا بھی اثر نہ تھا

شب بھر تو بیخودی میں رہا مجھ سے ہمکنار آنکھیں کھلیں تو وہ بتِ رشکِ قمر نہ تھا

لوٹا نہ دے کے میرے خطِ شوق کا جواب شاید رقیب تھا وہ کوئی نامہ بر نہ تھا

لطفِ مے وصالِ عدو کا رہا سرور تجھ کو مرا خیال کچھ اے بے خبر نہ تھا

آ کر ہمارے دیدۂ گریاں کے سامنے ہونا ذلیل یوں تجھے اے ابرِ تر نہ تھا

آنکھوں میں دیکھتے ہی چکا چوند چھا گئی بجلی چمک رہی تھی کوئی بام پر نہ تھا

مُنہ ڈھانک کر کفن سے نہ لیتا عدم کی راہ کرتا مگر میں کیا کہ کہیں بھی گزر نہ تھا

سیرِ جہاں سے مجھ کو یہ معلوم ہو گیا
جاتا کہاں میں مجمعِ اہلِ کمال میں
خالی فریبِ عشق سے کوئی بشر نہ تھا
قابل پسند کے کوئی مجھ میں ہنر نہ تھا

دیکھی جو میں نے تربتِ قیسِ پُر آرزو
حسرت برس رہی تھی کوئی قبر پر نہ تھا

قسمت کی ہے خوبی کہ وہ اکثر نہیں ملتا
ملتا ہے کسی روز تو ہنس کر نہیں ملتا
معشوق اگر آپ کا ہمسر نہیں ملتا
جانباز مرا سا بھی مقرر نہیں ملتا
آرام مجھے ہجر میں دم بھر نہیں ملتا
اس پر بھی غضب ہے وہ ستمگر نہیں ملتا
رہ جاتے ہو دانتوں سے جو ہونٹوں کو چبا کر
کیا ذبح کی خاطر تمھیں خنجر نہیں ملتا
برگشتہ نصیب ایسے بہت لوگ پڑے ہیں
مٹی کا بھی رہنے کو جنھیں گھر نہیں ملتا
اے ناصح ابھی جا کے بدل لاتے کہیں سے
افسوس مگر مول مقدر نہیں ملتا
گم گشتگیِ منزلِ مقصود کہوں کیا
چکر میں ہوں لیکن کوئی رہبر نہیں ملتا
ہے آگ بھڑکتی ہوئی پیغام ہمارا
جس کے نہ جلیں پر وہ کبوتر نہیں ملتا
سنتے تھے بہت شور یہاں آ کے جو دیکھا
فتنوں سے ترے فتنۂ محشر نہیں ملتا
رہ رہ کے غمِ ہجر میں کیونکر نہ بھروں آہ
پیغامبر اس سے کوئی بہتر نہیں ملتا
داغوں سے بنا ہے پرِ طاؤس دل اپنا
سرسبز چمن اس کے برابر نہیں ملتا
در پر ترے اے پیرِ مغاں ہم بھی کھڑے ہیں
کیوں راہِ خدا میں کوئی ساغر نہیں ملتا
جو لطف ہمیں جامِ شہادت نے دیا ہے
شاید دمِ سیرابیِ کوثر نہیں ملتا

اُس بانیِ بیداد سے آنکھیں نہ لڑی ہوں
کیوں چین تجھے اے دلِ مضطر نہیں ملتا

کیونکر وہ سرِ قبر پڑھیں فاتحہ آکر
تعویذ لحد کا کہیں پتھر نہیں ملتا

آوارہ پڑی پھرتی ہو اے موت کہاں تو
کیا تجھ کو ہمارا تن لاغر نہیں ملتا

آنکھوں سے وہ دریائے پُر آشوب رواں ہے
جس سے کوئی طوفان سمندر نہیں ملتا

تڑپاتے ہیں مجھ کو خلشِ نوکِ مژہ سے
پھر بھی یہ شکایت ہے کہ نشتر نہیں ملتا

ہے دشتِ جنوں مجھ کو وہ صحرائے قیامت
سائے کو جہاں پھوس کا چھپر نہیں ملتا

شوخی کے مزے خوب چکھا دیتے عدو کو
کیا کہیے تری بزم سے باہر نہیں ملتا

جب قیس کو وحشت نے کبھی گھر سے نکالا
کب سر بسجود آپ کے در پر نہیں ملتا

نہ تیری زلفوں نے یا کچھ تری کمر نے کیا
مجھے اسیرِ بلا چشمِ فتنہ گر نے کیا

اِدھر تو دل نے کیا شور اُدھر جگر نے کیا
کہ خستہ حال ہمیں یار کی نظر نے کیا

کٹھن تھی عالمِ ہستی میں جستجو تیری
ہلاک مجھ کو اسی دشت پر خطر نے کیا

عدو کے سامنے سب حال دل مرا کہکے
تمام خلق میں رسوا پیامبر نے کیا

نہ وہ بغل سے سرکتے نہ غش میں ہم آتے
ستم یہ آج شبِ وصل کی سحر نے کیا

تمہارے دل میں مرے نالے کارگر نہ ہوئے
تو پھر فسردہ یہ کس آہ با اثر نے کیا

گرا تو عفو جرائم کرا ہی کے اُٹھا
بڑا سلوک مرے ساتھ میرے سر نے کیا

ہزار نامے لکھے بھیجے سیکڑوں قاصد
مگر نہ یاد مجھے یار بے خبر نے کیا

جو خاک جل کے ہوا دل تو حسرتیں بولیں
چلو خراب ہمیں خود ہمارے گھر نے کیا

رہے وہ آنکھوں میں آ کر کبھی کبھی دل میں
پری خصال انھیں سیر بحر و بر نے کیا

نہ پوچھ کس نے کیا قیس کو شرف اندوز
مٹا کے نقش جبیں تیرے سنگ در نے کیا

ہمارے دل نے کیا کچھ نہ کچھ جگر نے کیا
جو کچھ کیا وہ تری شوخیِ نظر نے کیا

تمہارے ہجر میں طوفان ہو گیا برپا
وہ سیل اشک رواں میری چشم تر نے کیا

نگاہ بد سے بچائے خدا مرے دل کو
کہ رشک طور کسی غیرتِ قمر نے کیا

عبث خفا ہو کہ ہم نے کیا تمھیں بدنام
یہ سب فساد رقیبوں کے شور و شر نے کیا

ہماری فکر رسا سے نہ ہو سکی معدوم
لچک کے اپنے کو ثابت تری کمر نے کیا

ہمارے دل نے تو جی کھول کر تواضع کی
قصور دعوت مژگاں میں کیوں جگر نے کیا

کسی کے دل میں نہ کیونکر تڑپ ہو بجلی کی
کہ شور رعد مری آہ پُر شرر نے کیا

وہ دل کو تھامے ہوئے آ کے بولے حیرت سے
گلی میں نالۂ پُر درد کس بشر نے کیا

فضول تجھ کو میں الزام کیوں دوں ای صیاد
مجھے اسیر قفس لا کے بال و پر نے کیا

غمِ فراق میں رہنے کی ہم نے خو ڈالی
جو لطف وصل سے نومید اگر مگر نے کیا

وہ اپنے قیس سے ملنے کو آج آتے ہیں
اثر یہ خوب مرے نالۂ سحر نے کیا

پیکِ نظر ہے آج ہم آغوش نقش پا
کیوں بولتے نہیں لب خاموش نقش پا

جب سے ملا ہے ساغرِ سرجوش نقش پا — احباب کہتے ہیں مجھے مدہوش نقش پا

بھولا ہوا ہوں راہ کسی شہسوار کی — پہنچا دے بام عرش پر اے دوش نقش پا

لینے کو بوسے جھکتے ہیں جب ٹوٹ ٹوٹ کر — بن جاتے ہیں ستارے دُرِ گوش نقش پا

غل ہے نہ شور ہے نہ ہیں نغمے نہ چہچے — سونی پڑی ہے بزم قدح نوش نقش پا

شاید اسی طرح مری قسمت بھی سو گئی — جس طرح چشم راہ فراموش نقش پا

کیونکر جدا ہو اس سے ہماری نگاہ شوق — آئینۂ جمال ہے آغوش نقش پا

اُس کی طلب میں دیکھ کے افتادگی مری — حیرت سے اُڑ گئے ہیں مگر ہوش نقش پا

ہم سے ہزار طرح کہیں چھُپ کے جائیے — کہدیں گے کچھ نہ کچھ لب خاموش نقش پا

کیا جانوں کتنے آئے گئے رہروانِ عشق — دیکھے تری گلی میں کوئی جوش نقش پا

ہلکی ہوا کے جھونکے بھی اس سے نہ اُٹھ سکے — ہے دیکھنے ہی کو یہ تن و توش نقش پا

میں بھی ہوں ختم اُن کے نشانِ قدم کی طرح — لے جائے گا عدم کو مجھے دوش نقش پا

آنسو بہا بہا کے میں ہمراہ لختِ دل — کرتا ہوں اہتمام خور و نوش نقش پا

جس سے کہ چھالے پڑتے تھے پائے نگاہ میں — اب کیا ہوئی وہ گرمی آغوش نقش پا

مشکل ہے قیسؔ منزل مقصود کا سراغ
چھُپتے ہیں اب تو شاہد روپوش نقش پا

تجھے تھا مردمِ دیدہ سے ہم آغوش ہو جانا — نہ اک جھلکی دکھا کر دور سے روپوش ہو جانا

سرِ محفل مرے کی چال تھی بے ہوش ہو جانا — عدو کی باتیں سُننے کو سراپا گوش ہو جانا

ستم کرتے ہو لیکن خون کے آنسو رُلائیگا
چراغِ بزمِ ہستی کا مرے خاموش ہو جانا

جو کوئی عشق کے نشہ سے بے بہرہ ہو گیا جانی
حسینوں کی محبّت کا مے سرجوش ہو جانا

قیامت یار کا تلوار کو پھر چھپٹانا تھا
مرا شوقِ شہادت میں کفن بردوش ہو جانا

سرورِ جامِ صہبا کا اثر سب کو دکھاتا ہے
تری آنکھوں کی گردش سے مرا مدہوش ہو جانا

ہمارے کلبۂ احزاں کے ہوتے کب مناسب تھا
تجھے دشمن کے گھر سرمستِ نا و نوش ہو جانا

شعاعِ مہر و مہ کو یہ ادا کس نے سکھائی ہے
کرن بنکر تمہاری زینتِ پاپوش ہو جانا

گرفتارِ قفس بلبل ہوئی ہے اپنے نغموں سے
چمن میں آتے ہی لازم نہ تھا پُرجوش ہو جانا

ملے موقع جو عرضِ حال کا میرے تو اے قاصد
سنبھل کر پردے پردے کہکے تو خاموش ہو جانا

تڑپ عکسِ رخِ پُرنور سے پیدا تو ہونے دے
دکھا دے گا مزا بجلی کا زیبِ گوش ہو جانا

سبک روحی عطا کی آج تیغِ تیز قاتل نے
غضب تھا عشق میں سر کا وبالِ دوش ہو جانا

اٹھا کر رکھ لیا اُس نے مرا سر اپنے زانو پر
زہے قسمت کہ راس آیا مجھے بے ہوش ہو جانا

عجب کیا ہے کہ وجہِ مغفرت ہو بعد مرنے کے
ندامت سے کفن میں قیسؔ کا روپوش ہو جانا

جن دنوں نا آشنائے جورِ ہفت افلاک تھا
سب طرح میں شاد تھا ہر درد و غم سے پاک تھا

کیا فروغ افزا گلوں کا حسن آتشناک تھا
نور کا بکّا چمن میں ہر خس و خاشاک تھا

غیر ممکن تھا پہنچنا تیری کنہِ ذات تک
ناتواں بے بال و بے پر طائرِ ادراک تھا

جیتے جی محبوب تر تھی تیرے کوچے کی زمیں
مل گئے میں مٹی میں بھی تیرے ہی در کی خاک تھا

تھیں زِ سرتا پا کسی کی سب ادائیں شرمگیں
دل چرانے میں مگر دزدِ حنا بیباک تھا

ہو رہی تھی نالۂ پیہم سے جب تعبیرِ عشق
دل ہمارا صورتِ دامانِ محشر چاک تھا

ایک اشارے میں نہ جانوں قتل میں کیونکر ہوا
ابروئے پُرخم بھی شاید خنجرِ سفاک تھا

دل جگر دونوں تھے حاضر صید گاہِ عشق میں
کیوں کمندِ تیر سے خالی ترا فتراک تھا

مل گیا تھا مجھ کو جو اُترا ہوا اُن کا لباس
میرے مرنے پر وہی جوڑا مری پوشاک تھا

کرتے ہم افشائے رازِ عشق کا کس سے گلا
خود ہی جب غمّاز اپنا دیدۂ نمناک تھا

کس کے آگے کرتے شرحِ ماجرائے سوزِ غم
تابِ گویائی نہ تھی قصّا بڑا غمناک تھا

آنکھیں جھپکاتے ہی پہلو سے مرا دل لے اُڑا
کیا سمندِ ناز تیرا اے پری چالاک تھا

زندہ تھا تو زندگی بھر میں رہا تیرا غلام
مر گیا تو مر کے تیری کفشِ پا کی خاک تھا

حشر میں رسوا نہ کر یا رب کہ ہوں اُس کا مدیح
وصف میں جس کے زباں زدِ جملۂ لولاک تھا

کس سبک روحی سے بحرِ موجِ غم طے کر گیا
قیسؔ بھی اللہ بخشے اک عجب تیراک تھا

حُسن و جمالِ یار پہ ایسا پھسل گیا
دل قیدِ اختیار سے باہر نکل گیا

اے شمعِ بزمِ حسن اِدھر بھی نگاہِ لطف
سوزِ غمِ فراق سے پروانہ جل گیا

دیکھی نظر جما کے جو وہ شکلِ دلفریب
زاہد کا پائے زہد نہ سنبھلا پھسل گیا

کیا بے کسی برستی ہے میرے مزار پر
آیا اِدھر کو جو کفِ افسوس مل گیا

تیرا مریضِ عشق چلا تھا سوئے عدم
مژدہ وصال کا جو سُنا تو سنبھل گیا

مجھ پختہ دل کو دشت نوردی سے کام کیا / مجنوں میں وہ نہیں ہوں کہ دم میں اُبل گیا

روتی ہے شمع گور تک اب میرے حال پر / اس چرخ پیر کا نہ مگر مجھ سے بل گیا

تم نے تو ہاں نہیں میں گزاری تمام رات / اب مجھ سے کہتے ہو کہ ترا وقت ٹل گیا

مژدہ ہو بلبلوں کو ہوئی رخصتِ خزاں / آئی بہار رنگ چمن کا بدل گیا

تیرا ہی ایک دل ہے نہیں جو اثر پذیر / ورنہ ہماری آہوں سے عالم دہل گیا

کب تک جلوں میں شمع کی صورت فراق میں / سوزِ وفورِ غم سے جگر تک پگھل گیا

آیا جو وقت دفن وہ میرے مزار پر / تڑپا میں اس قدر کہ لحد سے نکل گیا

نیک و بدِ زمانہ کی سب سیر کر چکا / لیکن مزاج یار سے اب تک نہ بل گیا

اتنا تو آگیا مری فریاد میں اثر / جب میں نے آہ کی دل عالم دہل گیا

طاقت نہیں کہ دو قدم اٹھ کر چلوں کہیں / ایسا میں تیرے سوز محبت سے گل گیا

اے قیس ہے ضرور فنا اس جہان کو
سچ کہہ کہ کیا سمجھ کے یہاں تو بہل گیا

حوروں میں بھی جو تو ہی رونق محفل ہوتا / حشر میں بھی تری مٹھی میں مرا دل ہوتا

زندگانی کا مزہ خوب ہی حاصل ہوتا / ہم بغل ہم سے جو وہ حور شمایل ہوتا

عشق صادق ہی اگر رہبر کامل ہوتا / یوں میں کس واسطے گم کردۂ منزل ہوتا

غیر کے ہاتھ سے ملتا جو تری محفل میں / جام پُر بادہ مجھے زہر ہلاہل ہوتا

خیر گزری کہ دبے پاؤں کٹی راہ عدم / جاگ پڑ جاتی اگر شور سلاسل ہوتا

لطف کیا ہے جو رہی پائے طلب کی حاجت
عشق تیرا سببِ قطع منازل ہوتا

قتل کرنے کے لیئے وعدۂ فردا کیسا
آج ہی خون میں تر خنجرِ قاتل ہوتا

زندگی میں نہ سہی مر کے نکلتی حسرت
کاش میں دفن ترے در کے مقابل ہوتا

کہنے ہی میں نہیں جب دل ہو تو بیکار ہے یہ
اس سے بہتر تو یہی تھا کہ میں بیدل ہوتا

طوق منت کا اُترتا کہیں اور اُسکے عوض
تیری گردن میں مرا ہاتھ حمائل ہوتا

اُس کی آنکھیں نہ جھپکنے دیں حیائے افسوس
لاکھ ارمان نکلتے جو وہ غافل ہوتا

دل دیا ہم نے ہمیں تیرے طلبگار ہوئے
غیر کیا مدعیِ دعویِ باطل ہوتا

ضبط نالہ سے اگر کام نہیں لیتے ہم
سو جگہ چاک ترا پردۂ محمل ہوتا

شکر ہے مر کے ہم ان سنگدلوں سے چھوٹے
زندہ رہتے کوئی قہر اور ہی نازل ہوتا

اپنے ہاتھوں سے جو تم جام شہادت دیتے
آشنا آہوں سے کیوں سینۂ بسمل ہوتا

ہر گلی کوچے میں کس واسطے رسوا ہوتے
تو ہی قابو میں ہمارے اگر اے دل ہوتا

دفعۃً یوں بھی کسی شیشے کو گراتا ہے کوئی
سر بسر چور ابھی آئینۂ دل ہوتا

سوزشِ عشق سے کُھلنے میں مجھے خوف نہ تھا
گھٹنے پر بھی ترے رخسار کا میں تل ہوتا

تم جو یہ چاہتے کُھلتی مرے دل کی گتھی
ناخنِ وصل سے حل عقدۂ مشکل ہوتا

معنیِ عشق اگر کچھ بھی سمجھتا مجنوں
سات پردوں سے عیاں صاحب محمل ہوتا

چھٹ گیا دل ہی چلو روز کا جھگڑا چھوٹا
فیصلہ یوں تو مرے اُن کے بمشکل ہوتا

داستانِ شبِ فرقت میں نہیں کیا لکھتا
یوں ہی کہنے میں وہ اک دفتر کامل ہوتا

میری تقدیر اگر ہوتی موافق اے قیس
کچھ نہ ہو کر بھی میں کچھ ہونے کے قابل ہوتا

نہ کسی کو جب میسّر مزۂ وصال ہوتا
کوئی تم سے دل لگا کر کہو کیا نہال ہوتا

ترے حُسن کا نہ ہر دم جو مجھے خیال ہوتا
فن عاشقی میں کاہیکو میں باکمال ہوتا

نہ ستم سے باز آتا تو عدو کی دھمکیوں سے
ترے ساتھ حشر کے دن بھی وہ ذوالجلال ہوتا

کوئی میکدے میں ہوتا کوئی صوفیوں میں رقصاں
کہیں جام مے چھلکتا کہیں وجد و حال ہوتا

مے آتشیں کے بدلے اسی شوق سے میں پیتا
دم غیظ محتسب کا جو لہو حلال ہوتا

پس مرگ میری تربت سر رہ نہ بنتی کیونکر
مری آرزو یہی تھی کہ میں پایمال ہوتا

مجھے تم نے مار ڈالا غم ہجر میں رُلا کر
میں اگر کچھ اس میں کہتا سبب ملال ہوتا

مرے دشمنوں نے شاید [illegible] س پٹیاں پڑھائیں
کبھی بھول کر بھی میرا جو نہیں خیال ہوتا

شب وصل حاجت شمع مجھے ذرا نہ ہوئی
مرے گھر جو نور افشاں وہ پری جمال ہوتا

یہی التجا ہے تجھ سے شب و روز یا الٰہی
کبھی ہم کنار ہم سے بھی وہ نونہال ہوتا

مجھے دم کے دم میں ہوتی مرض جگر سے صحت
ترے مُنہ کا ایک دن بھی جو نصیب گال ہوتا

تو اگر قبول کرتا تو نکلتیں آرزوئیں
دم ذبح تجھ سے میرا جو کوئی سوال ہوتا

یہ جلیس و یار و ہمدم جو بگڑ گئے تو بہتر
کوئی آ کے وقت مشکل نہ شریک حال ہوتا

میں ہوں مست جام وحدت سنوں کیوں فضول باتیں
مری بزم میں بجز حق نہیں قیل و قال ہوتا

یہی قیس آرزو ہے پس مرگ زیر مدفن
سر قبر جلوہ فرما وہی نونہال ہوتا

صدمۂ فرقت سے جب مضطر کسی دن دل ہوا
باعثِ تسکیں تمہارا وعدۂ باطل ہوا

ہیں جو اُن سے اک نگاہِ لطف کا سائل ہوا
ہنس کے بولے کیوں نہ ہو اب تو بھی اس قابل ہوا

ایک تو یوں ہی تھی مجھ پر بار اپنی زندگی
تم نے آنکھیں پھیر لیں یہ اور بھی مشکل ہوا

چشمِ دل رکھتا نہ تھا مجنوں پئے دیدارِ دوست
وجہ محرومی اسی سے پردۂ محمل ہوا

خنجرِ ابرو سے یا تیرِ نگاہِ ناز سے
مر گیا کوئی تڑپ کر یا کوئی بسمل ہوا

وصل کی صورت بندھی تھی لیکن اے جوشِ حیا
میرے اُن کے درمیاں آ کر تو کیوں حائل ہوا

کون تھا جو بے کسی میں ساتھ دیتا بعد مرگ
ہاں مگر نومیدیوں کا قافلا شامل ہوا

آتشِ الفت میں جل کر مثالِ دودِ شمع
کاجل آنکھوں کا کبھی لوحِ جبیں کا تل ہوا

ہم ہوں یا دشمن ہو مشتاقِ شہادت کوئی ہو
سُرخ رو نکلا وہی تو جس طرف مائل ہوا

ایک چلو کے لیئے ترسا کے اے پیرِ مغاں
کونسی دولت ملی کیا فائدہ! حاصل ہوا

مجھ میں اُس میں دونوں میں کوئی کسی سے کم نہیں
حُسن روز افزوں میں وہ میں عشق میں کامل ہوا

دل لگا کر کیا بتائیں آئے دن کی آفتیں
اک نہ اک کوئی نہ کوئی قہر ہی نازل ہوا

میری گردن پوچھتی کچھ ذبح کرنے کا سبب
لیکن اُلٹے گرم شکوہ بازوِ قاتل ہوا

پاؤں رکھنا راہِ الفت میں نہ راس آیا ہمیں
حسرتوں کا خون یارب کیوں سرِ منزل ہوا

قیس کی بزمِ عزا بھی بزمِ عشرت ہو گئی
جب مزارِ شکِ قمر زینت دہِ محفل ہوا

صحبت ہو کوئی لطف اُسے حاصل نہیں ہوتا
چٹکی میں مسلنے کو جہاں دل نہیں ہوتا

یوں غیر تری راہ میں بسمل نہیں ہوتا — ہوتا بھی تو آ کر سرِ منزل نہیں ہوتا

دل لے کے مجھے دو لبِ جاں بخش کی بوسہ — میں مفت کسی چیز کا سائل نہیں ہوتا

کیا داد ملے شکوۂ بیداد کی اُن سے — اچھوں کا ستم عیب میں داخل نہیں ہوتا

کب مجھ کو نہیں دیتے ہو تم جھوٹی تسلی — کس روز نیا وعدۂ باطل نہیں ہوتا

ظالم پہ اثر کیا ہو مرے شور و فغاں کا — صیّاد وفا کیش عنادل نہیں ہوتا

نادانی فرہاد تھی سر پھوڑ کے مرنا — اس سے تو کوئی عشق میں کامل نہیں ہوتا

ہر چند بظاہر مجھے اک چپ سی لگی ہے — دل ہے کہ تری یاد سے غافل نہیں ہوتا

اللہ رے حُسنِ رخِ دلدار کی گرمی — خورشید قیامت بھی مقابل نہیں ہوتا

حوروں میں نہ تھا سہل مرے جی کا بہلنا — تو ہی جو وہاں رونقِ محفل نہیں ہوتا

ہر دل میں حسینوں کی شباہت نہیں جمتی — ہر آئینہ تصویر کے قابل نہیں ہوتا

کوچے میں ترے کونسی ہے وجہ خموشی — دیوانوں میں کیوں شورِ سلاسل نہیں ہوتا

ہنگامہ ہے برپا کہ ستمگار کہا کیوں — میں وجہ بتاتا ہوں تو قائل نہیں ہوتا

دریا ہے رواں آج مرے دیدۂ تر سے — تو جلوہ نما کیوں لبِ ساحل نہیں ہوتا

مقتل میں وہ ہوتا ہے تو میں ہی نہیں رہتا — رہتا ہوں اگر میں تو وہ قاتل نہیں ہوتا

احباب ہیں سب جمع مری بزمِ عزا میں — جھوٹوں میں بھی مگر آ کے وہ شامل نہیں ہوتا

گو دونوں ہی سینے میں ہیں دل ہو کہ جگر ہو — کوئی بھی کسی کا دمِ مشکل نہیں ہوتا

دشمن کا نہ لو نام مرے عشق کے آگے — اِس غم کا وہ ہرگز متحمل نہیں ہوتا

تسکین ہو کیا خاک دلِ قیس حزیں کو
پردے سے جدا صاحبِ محمل نہیں ہوتا

عنوان لوح دیواں کرتا ہے نام تیرا
مقبول اہل فن ہو یارب غلام تیرا

عالم میں کیوں نہ ہوتا شہرہ تمام تیرا
پیاری تری ادا ہے دلکش کلام تیرا

گستاخ ہو گیا ہے کیسا غلام تیرا
تجھ کو پکارتا ہے لے لے کے نام تیرا

اے کاش میں بھی پاؤں خلدِ بریں کی نعمت
پہنچائیں سب فرشتے ملکر سلام تیرا

نزدیک تر ہے جب تو سب کی رگ گلو سے
مخصوص عرش پر ہے کیونکر قیام تیرا

ہم کاسۂ ارادت لبریز کر ہی لینگے
اے ساقیِ صبوحی چھلکے تو جام تیرا

راحت فزائے دل ہے ہر لحظہ یاد تیری
لذت دہِ زباں ہے ذکرِ مدام تیرا

ہر شئے میں تیری قدرت اے یار جلوہ گر ہے
تیری دلیل وحدت ہے انتظام تیرا

ضبطِ صفت میں تجھ تک ممکن نہیں پہنچنا
فکرِ رسا سے اتنا اونچا ہے بام تیرا

آنکھوں کی پتلیوں میں رہتا ہے نور بنکر
سینوں میں عاشقوں کے دل ہی مقام تیرا

تیرے ہی تذکرے سے رطب اللساں ہیں واعظ
بھرتے ہیں دم ہمیشہ شیخ انام تیرا

سمجھے ہیں لوگ جس کو مرغ چمن کا نغمہ
ہے اصل میں وظیفہ وہ صبح و شام تیرا

مجھ سے پھری رہیں گی کب تک تری نگاہیں
تجھ سے الگ رہے گا کب تک غلام تیرا

سرزد قصور ہونا ہے خاصیت بشر کی
لیکن معاف کرنا ہے خاص کام تیرا

مفلس ہو یا غنی ہو ہرگز کوئی نہ جھیپے
جو چاہے تجھ سے مانگے ہے اذن عام تیرا

پیکِ اجل جب آئے اے کارسازِ عالم
ہو قیسؔ کے لبوں پر اُس وقت نام تیرا

مرے جرم عاشقی کا جو ہو انتقام لینا
تو قرینِ مصلحت ہے کہ جگر کو تھام لینا

میں انھیں سے پوچھتا ہوں کہ یہ کونسی ادا ہے
نہ کبھی خوشی سے ملنا نہ کبھی سلام لینا

کہیں آ ہی جائے شاید کوئی تذکرا وفا کا
تو سنبھل کے اے ستمگر تو کسی کا نام لینا

ہے یہ طرفہ تر تماشا کہ وہ بھول کر نہ پوچھیں
خبر انکی ذرہ ذرہ ہمیں صبح و شام لینا

تری اک نگاہ الفت ہے متاعِ دل کی قیمت
نہ ہے اس میں زر لگانا نہ ہے قرض و وام لینا

کوئی منصفی سے کہدے کہ مجھے خوشی آئے کیونکر
یہ عدو سے ہنسکے ان کا سرِ بزم جام لینا

رہِ جستجو میں تھک کر مری پاؤں رہ گئے کیوں
درِ یار پر پہنچکر انھیں تھا مقام لینا

کسی بات پر وہ برہم نہوں دیکھ اے پیامی
مری عرض مدعا کے لیئے اذن عام لینا

خُمِ بادۂ کہن سے ترے اے کریم ساقی
ہو نصیب کاش مجھکو مے لالہ فام لینا

وہ عدو کو ساتھ لیکر بھی جو آئے تھے تو کیا تھا
قدم اُن کے چاہیئے تھا بصد احترام لینا

نہ ہو گرم نالہ اے قیسؔ بتوں کی بیرخی پر
تجھے ضبط کرکے لازم ہے وفا سے کام لینا

پھول کھلتے دیکھ کر تیرا دہن یاد آگیا
یعنی ہنسنا ناز سے وقتِ سخن یاد آگیا

سیر کرتے کرتے گلشن میں جو ہم رونے لگے
کیا بتائیں کون سا گل پیرہن یاد آگیا

جب کبھی ٹھنڈی ہواؤں کے کہیں جھونکے چلے
جی بھر آیا ساقیِ سیمیں بدن یاد آگیا

بلبلیں قیدِ قفس میں پھڑپھڑا کر رہ گئیں
موسمِ گل میں جہاں رنگِ چمن یاد آگیا

قصر شاہی میں کسی کے خلعتِ زرتار پر
آنکھیں پڑتے ہی مجھے گور و کفن یاد آگیا

واعظوں نے جب دلائی حورِ جنت کی امید
وعدہ تیرا اے بتِ پیماں شکن یاد آگیا

جسمِ خاکی سے ہے اب آمادۂ پرواز روح
سیرِ غربت میں مسافر کو وطن یاد آگیا

اے فلک تو کیوں گراتا ہے کڑک کر بجلیاں
کیا ہمارا نالۂ آتش فگن یاد آگیا

ذکرِ لیلیٰ سنکے مجنوں کا ہوا پیدا خیال
نام سے شیریں کے مجھکو کوہکن یاد آگیا

خواب سا پیری میں جب آیا خیال اپنا شباب
جوشِ حسرت بن کے سارا بانکپن یاد آگیا

اب تو جنت میں نہ ہوگی قیس کی دلبستگی
مجمعِ احباب و لطفِ انجمن یاد آگیا

کیا بتاؤں جی میں کیا کیا جوشِ ارماں رہ گیا
مرتے دم تک اشتیاقِ دیدِ جاناں رہ گیا

دیکھ کر آئینہ شکلِ نقش حیراں رہ گیا
ہو کے وہ بت آپ اسیرِ زلفِ پیچاں رہ گیا

دم بخود جب چارہ سازِ دردِ ہجراں رہ گیا
خانۂ دل میں ہجومِ یاس و حرماں رہ گیا

خوفِ رسوائی نے اسکے خوب پردہ رکھ لیا
بڑھتے بڑھتے ہاتھ تا جیبِ گریباں رہ گیا

کیوں خلش رہ رہ کے پیدا ہوتی ہے اے چارہ گر
کیا جگر میں کوئی زخمِ تیرِ مژگاں رہ گیا

بھر لیے اوروں نے دامن گوہرِ مقصود سے
میں تہی دستِ ازل بے ساز و ساماں رہ گیا

چوس لینا تھی تجھے تیرِ ستمگر کی زباں
کھول کر منہ کس لیے اے زخمِ خنداں رہ گیا

داغِ دل سے اڑتی ہیں زیرِ کفن چنگاریاں
کیا پسِ مردن بھی میں آتش بداماں رہ گیا

پھونک ڈالا سوزِ غم نے عاشقِ بیمار کو
گھُل کے بستر پر مثالِ جسم بے جاں رہ گیا

فاتحہ پڑھیے کہ مردہ ہوگئیں سب حسرتیں
دل بغل میں صورتِ گنجِ شہیداں رہ گیا

دل جگر پہلے ہی دونوں خون ہو کر بہ گئے
رہ گیا کچھ تو سرشکِ چشمِ گریاں رہ گیا

ذکرِ اوصافِ دہن میں اُٹھ گیا رخ کا خیال
شرح کوثر کرتے کرتے درسِ قرآں رہ گیا

درد اُٹھ اُٹھ کر ہمیشہ خون تھکواتا ہے کیوں
ٹوٹ کر سینے میں کیا کچھ جزوِ پیکاں رہ گیا

زلف کو رُخ کہدیا رُخ کو کہا زلفِ سیاہ
بیخودی میں امتیازِ کفر و ایماں رہ گیا

پیسے دیتا ہے مجھی کو آسیائے دہر میں
میں ہی کیا سہنے کو ظلم اے چرخِ گرداں رہ گیا

دشت وحشت میں نہیں کوئی رفیقِ بیکسی
بنکے میں منت کشِ غولِ بیاباں رہ گیا

زلفیں رُخ پر چھوڑ کر بیٹھے ہو کس کے سوگ میں
کس لئے گہنا کے خورشیدِ درخشاں رہ گیا

خوابِ غفلت سے نہ چونکا میں کسی دن بانصیب
زندگی بھر مبتلائے جرمِ عصیاں رہ گیا

یار کے لبہائے رنگیں سے ہو کس کو ہمسری
پانی پانی ہو کے جب لعلِ بدخشاں رہ گیا

چلتے تھے اربابِ فن ایک ایک کر کے چل بسے
خالی ہو کر پھول سے صحنِ گلستاں رہ گیا

کچھ نہ پوچھو قیسؔ کی افسردہ حالی کا سبب
بجھ کے دل ہمصورتِ شمعِ شبستاں رہ گیا

حسینوں میں حسیں ایسا مرا سروِ رواں نکلا
ہوئی خلقت تماشائی جدھر عشوہ کناں نکلا

تری محفل سے جو نکلا وہ سرگرمِ فغاں نکلا
کلیجا تھام کر ہاتھوں سے بیتاب و تواں نکلا

تجلی تیز دل ہو کر جلا بخششِ نظر کیا ہو
جسے سمجھے تھے نور آنکھوں کا ہم رازِ نہاں نکلا

کھٹک بنکر جو دل میں تھا فغاں بنکر لبوں پر ہی
ترا تیرِ محبّت بھی کہاں ڈوبا کہاں نکلا

مناسب تھا ترے کوچے میں پیوندِ زمیں ہونا
مگر قسمت کی خوبی ہیں وہاں سے نیم جاں نکلا

کھڑے ہیں گھات میں بیدردیوں سے لوٹنے والے
متاعِ حُسن لیکر تو کدھر بے کارواں نکلا

مرے سوزِ جگر کا اس قدر سر پر دُھواں چھایا
کہ گویا آسماں ایک اور زیرِ آسماں نکلا

کوئی برقِ جہندہ ہے وہ یا کوئی چھلاوا ہے
اِدھر گرجا اُدھر برسا یہاں کڑکا وہاں نکلا

عدو کا گلشنِ ہستی رہا پھولا پھلا ہردم
مرا باغِ تمنا ہائے کیوں وقفِ خزاں نکلا

اُمید و یاس کے جھگڑے میں اتبک زندگی کاٹی
کوئی ارمان دل لیکن نہ اے جانِ جہاں نکلا

رہا ہوں عمر بھر پامالِ غم حرماں نصیبی سے
مرے حق میں تو نکا عشق دردِ جانستاں نکلا

ترے سایے میں رہ کر غیر سے ہو گی توقع کیا
تعجب ہے کہ تو ہی اے فلک نامہرباں نکلا

ہٹا کر گھونگھٹ اپنے روئے آتش رنگ سے وہ بُت
ہمارا کاخِ ہستی پھونکنے کو شادماں نکلا

سرِ مقتل تھے لاکھوں بھرنے والے دم محبت کے
وفا میں سب سے میرا ہی مگر پلّا گراں نکلا

بھری ہیں تیری باتوں میں غضب کے چُلبلے فقرے
نرالا ساری دنیا سے تو اے جادو بیاں نکلا

مری الفت کسی سے ہیں نے مانا سخت بیجا ہے
بتا اے شیخ تو کیوں مائلِ حورِ جناں نکلا

نہ ہوتا کس طرح مشہور دوراں عشق بازی میں
ازل ہی سے میں جب دلدادۂ حسنِ بتاں نکلا

رہا میں دھوکے ہی دھوکے میں اتبک ہائے ری غفلت
مرا خلوت نشینِ دل مکینِ لامکاں نکلا

کہاں جاؤں کدھر ڈھونڈوں نشاں اُسکا کہاں پاؤں
مجھے جس کی طلب ہے دور از وہم و گماں نکلا

جگر و دل پھنک رہے ہیں دونوں تیری نغمہ سنجی سے
مگر اے قلیس تو بھی شاعرِ آتش زباں نکلا

کیا کہوں فرقت میں کیا ای جان جاں ہو جائے گا
چار دن جینا مجھے بار گراں ہو جائے گا

یہ نہ سمجھا تھا کہ یوں نا مہرباں ہو جائے گا
عشق میرے حق میں جورِ آسماں ہو جائے گا

تم نے پیدا کی اگر کچھ بھی لگاوٹ غیر سے
دیکھ لینا ایک دن جو نا گماں ہو جائے گا

آئینہ خانے سے جب تک وہ سنور کر آئینگے
ختم اپنا کام ہی شاید یہاں ہو جائے گا

رہ گئے ہم پی کے آنسو رات بزم یار میں
ڈر لگا تھا یہ کہ دشمن رازداں ہو جائے گا

ہر کڑی زنجیر کی دے گی مبارک باد مرگ
حلق پر جب خنجرِ قاتل رواں ہو جائے گا

آپ رو رو کر رُلائے گا انہیں پیغام بر
حال میرا کہتے کہتے نوحہ خواں ہو جائے گا

رات دن کھٹکا لگا رہتا ہے اپنی جان کا
واقعہ کوئی نہ جانوں کب کہاں ہو جائے گا

نالۂ پرسوز سنکر رحم اگر آیا انھیں
سایۂ ابرِ کرم سر پر دھواں ہو جائے گا

تاروں کی مانند چمکیں گے شرارے آہ کے
داغ دل زینت دہ کون و مکاں ہو جائے گا

رنگ لائے گی مری عاشق مزاجی حشر میں
فیصلا جب حق و باطل کا وہاں ہو جائے گا

میں نے تم کو دل دیا تھا اور ہی کچھ سوچ کر
یہ کسے معلوم تھا وہ رائیگاں ہو جائے گا

ہاتھ میں آئینہ لیکر اپنی صورت دیکھ لو
آپ میرا حال دل تم پر عیاں ہو جائے گا

پیتے ہی جامِ شہادت کوچۂ سفاک میں
طائرِ روحِ رواں خلد آشیاں ہو جائے گا

خط ہمارا لے کے خالی ہاتھ اے قاصد نہ جا
غیر ہو گا تو کوئی قصّا وہاں ہو جائے گا

آئے گی تقدیر میری جب کسی دن راہ پر
وصل کا سامان بے شان و گماں ہو جائے گا

آرزو غیروں کو ہو تو آزما کر دیکھ لیں
جو نہ ہونا ہی وہ ای جانِ جہاں ہو جائے گا

جل مرے اعدا جب اُس نے حال میرا یوں کہا
جان کا سودا نصیبِ دشمناں ہو جائے گا

آتشِ سوزِ درونِ سینہ بھڑکے گی اگر
ہر دہانِ زخمِ دل شعلہ فشاں ہو جائے گا

اس طرح قابو سے باہر اے دلِ مضطر نہ ہو
منکشف بے فائدہ رازِ نہاں ہو جائے گا

شعر اچھے ہوں گے تو کوئی نہ کوئی ایک دن
غیب سے اے قیسؔ پیدا قدرداں ہو جائے گا

ہے گرمِ سازِ تیغِ تیز قاتل سے گلو میرا
رگوں سے بہ چلا ہے پانی ہو کر اب لہو میرا

مجھے بے چین کرتا ہے دلِ پُر آرزو میرا
کہیں گھبرا نہ جائیں دیکھ کر وہ رنگ رو میرا

زباں اپنی دیے دیتا ہوں کھ لے مُنہ میں اے قاصد
کہ پیدا ہو تری باتوں میں لطفِ گفتگو میرا

سرِ محفل نہ باز آتے مجھے آنکھیں دکھانے سے
مگر سمجھا گیا کچھ اُن کو پاسِ آبرو میرا

کسی کا حُسن کہتا ہے کہ دل تھامے رہے کوئی
سراپا فتنۂ محشر ہے یہ جوشِ نمو میرا

بمشکل میں نگاہِ محتسب سے بچ کے آیا ہوں
مَے گلگوں سے بھر دے جلد اے ساقی سبو میرا

ابھی تم امتحانِ جاں نثاری کر لو مقتل میں
وفا کا دم بھرے گا میرے آگے کیا عدو میرا

ہمیشہ کچھ نہ کچھ باتیں بنا کر ٹال جاتا ہے
مرے مطلب کو سُن کر وہ حسینِ خوبرو میرا

میں اوروں کو کہوں کیا آپ ہی محوِ تحیر ہوں
کہ فرطِ عشق میں کس کے ہے شہرا چار سو میرا

نہیں معلوم تم کیوں بے سبب شرمائے جاتے ہو
اگر بوسے لبِ خنجر کے لیتا ہے گلو میرا

عبادت ہے خطا کی شرم سے سر کا جھکا رہنا
سرشکِ چشمِ تر سے مُنہ کو دھونا ہے وضو میرا

کہیں ایسا نہ ہو آمادۂ فریاد ہو جائے
رہے گا سینۂ صد چاک کب تک بے رفو میرا

اٹھاؤں خوب وصلِ عاشق و معشوق کی لذت
کسی کا دستِ نازک ہو اگر طوقِ گلو میرا

سُلجھا لیتا ہوں دم بھر میں ستمگارانِ عالم کو
الگ ہے ساری دنیا سے طریقِ گفتگو میرا

چھلک جائے اُبل کر جوشِ مستی میں نہیں ممکن
مئے وحدت سے گو لبریز رہتا ہی سبو میرا

محبّت میں یہ جوشِ اتحاد اے قیس پیدا کر
کہ خود کہنے لگے وہ بُت کہ میں تیرا ہوں تو میرا

جب تک اس میں تو نہ تھا بے نور یہ کاشانہ تھا
دل مرا کاہے کو تھا ویرانہ ہی ویرانہ تھا

سچ بتا اے شمعِ محفل کون وہ پروانہ تھا
جس کے جل بجھتے ہی تیرا رنگ مجوبانہ تھا

رات ساقی نے جو آبِ آتشیں مجھ کو دیا
شکر کے جملے لبوں پر ہاتھ میں پیمانہ تھا

قصہ خواں سے حال جس کا سُنکے رو دیتے تھے تم
میں ہی وہ رنجور ہوں میرا ہی وہ افسانہ تھا

تربتِ شیریں کی لینا تھی خبر فرہاد کو
مر گیا سر پھوڑ کر کمبخت کیا دیوانہ تھا

وصل کی شب آ گیا جب بے وفائی کا گِلا
ہنسکے بولے وہ بھی ایک انداز معشوقانہ تھا

عشق کرنے کا حسینوں سے ہوا انجام موت
دل لگانا اُن سے گویا جان کا بیعانہ تھا

سخت حیرت ہے کہ کیونکر بڑھ گئی گھر کی لگی
خانۂ دل ہی میں جب مے جو دصاحب خانہ تھا

ساری دنیا چھان ماری جستجوئے یار میں
چن لیا جس جس جگہ قسمت کا جو جو دانہ تھا

کس ڈھٹائی سے وہ کہتے ہیں مرا دل چھین کر
تیرے پہلو میں یہ مثلِ شاہدِ بیگانہ تھا

بعد مرنے کے دکھایا بے نیازی نے اثر
میری میت پر ہجومِ شوکتِ شاہانہ تھا

نشۂ حُسنِ شباب اس شوخ کا میں کیا کہوں
آنکھیں تھیں مخمور جو انداز تھا مستانہ تھا

اپنی قسمت ہی مخالف ہو تو اسکا کیا علاج
ورنہ دل دینا حسینوں کو کبھی بیجا نہ تھا

جام مے پی کر جو ہم ساقی کے آگے گر پڑے
بیخودی ہرگز نہ تھی وہ سجدۂ شکرانہ تھا

خوب ہی جوشِ جنوں میں نام اپنا کر گیا
لوگ جس کو قیس کہتے ہیں بڑا فرزانہ تھا

ردیف بائے موحدہ

بے حجابی میں تو ہے اللہ ری اتنا حجاب
یہ نہیں معلوم کیا ہوتا اگر ہوتا حجاب

وصل کی شب مختصر اس میں نہیں اچھا حجاب
مُنہ دکھا گھونگھٹ اُٹھا عاشق ہوں مجھسے کیا حجاب

پردے ہی پردے میں کیسا دل چُرا کر لے لیا
میں نے خوب اے بندہ پرور آپکا دیکھا حجاب

قتل کرنے پر تُلے بیٹھے ہو اتنا سوچ لو
جان جائے گی ہماری تم کو بھی ہوگا حجاب

میری وجہِ مغفرت شرمِ گنہگاری ہوئی
حشر کے دن پیشِ داور جب مجھے آیا حجاب

چیخ اُٹھونگا درد و غم سے کھل پڑینگے رازِ عشق
جس میں ہوں رسوائیاں کس کام کا ایسا حجاب

بات ہی کیا ہے جوانی کی ترنگ آنے تو دو
خود لپٹ جاؤ گے تم مٹ جائیگا سارا حجاب

مجھ سے چھُپ سکتیں نہیں ہرگز تری چالاکیاں
دل لُبھانے کی ہیں گھاتیں شرم کیا کیسا حجاب

ایسی خلوت ایسی تنہائی میں یہ کیسی حیا
ہاں جو مجمع ہو تو بیشک چاہیئے تھوڑا حجاب

ذرّے ذرّے میں تو ہے جلوہ تمہارا آشکار
کیا سمجھ کر طور پر موسیٰ سے آیا تھا حجاب

ہے یہی انداز گھونگھٹ کا تو پیارے ایکدن
مار ڈالے گا مقرر مجھ کو یہ تیرا حجاب

آ تے ہی میری بغل میں چٹکیاں لینے لگے
گد گداتی تھی شرارت کس طرح رہتا حجاب

ہو کے ہم پہلو جو تم چاہو تماشا دیکھ لو
باندھتا ہوں شرط ہرگز رہ نہیں سکتا حجاب

کچھ اُدھر بھی آرزو تھی کچھ اِدھر بھی آرزو
جب کہیں جا کر بمشکل وصل میں اُٹھا حجاب

کیا کہوں اے قیس اپنا اُن کی جانب دیکھنا
اور اُن کا منہ چڑھا کر مجھ سے کر لینا حجاب

تم نے لکھا بھی تو کیا لکھا مرے خط کا جواب
فقرہ فقرہ دل شکن ہر بات کا اُلٹا جواب

ایک دو ہوتے تو اچھا یا بُرا ہوتا جواب
سیکڑوں الزام ہیں دوں کس کا کس کا کیا جواب

جس نے جو جو کچھ کہا ہر ایک کا پایا جواب
کاش سُنتے اُن جوابوں کا بھی وہ تھوڑا جواب

خاطرِ اغیار سے دم لینے کی فرصت نہ تھی
ایسی محویت میں وہ بُت کس طرح لکھتا جواب

قند کے کوزوں میں بھر دی تم نے تلخی زہر کی
میٹھے جملوں میں ہلاہل ہو گیا تیکھا جواب

میرے جی کی آرزو۔ حسرت۔ تمنا پوچھ کر
کیا توقع ہے کہ تم دو گے مجھے سیدھا جواب

دیکھکر آئینہ وہ اِترا کے یوں کہنے لگے
باغ عالم میں نہ ہوگا کوئی بھی میرا جواب

میکشوں نے خوب کی دعوت جنابِ شیخ کی
ہو گئے زہدِ ریائی کے سے و مینا جواب

سر سے لے کر پاؤں تک اُلجھی ہوئی تحریر ہی
واہ اے قاصد یہی لایا ہے تو اچھا جواب

کرتے کرتے انتظار آنکھیں مری پتھرا گئیں
نامہ بر کیا ہو گیا اب تک نہیں لایا جواب

کیا یہی شرطِ مروت ہے یہی اخلاق ہے
میری سیدھی بات کا دیتے ہو تم ٹیڑھا جواب

ایک حیلا مغفرت کے واسطے درکار ہے
پرسشِ روزِ جزا کا کوئی کیا دیگا جواب

حشر کے دن پیش داور وہ مری فریاد سے
پانی پانی ہو گیا مُنہ سے نہ کچھ نکلا جواب

پڑھ کے میرا خط وہ آپ ہی آپ یہ کہنے لگے
قیس کے الزام کا کچھ ہو نہیں سکتا جواب

مجھکو رفعت کی طلب ہی کچھ نہ حشمت کی طلب
دل میں جو کچھ ہے وہ ہے تیری محبت کی طلب

ہے عبث حد سے فزوں ترمال و دولت کی طلب
چاہیے انسان کو ملکِ قناعت کی طلب

ہوشمندانِ ازل ہرگز روا رکھتے نہیں
چار دن کی زندگی میں عیش و راحت کی طلب

ہو گیا لبریز میرا کاسۂ عمرِ رواں
اب کروں کس دن کی خاطر شان و شوکت کی طلب

باریابی کی تمنّا کیوں نہیں ہوتی مجھے
جاگزیں ہے گوشۂ دل میں زیارت کی طلب

جادۂ صبر آزما ثابت قدم رہنے بھی دے
بیخودی میں کیا کروں میں استقامت کی طلب

منفعل میں زندگی بھر کی سیہ کاری سے ہوں
پردہ پوشِ جرم عصیاں سے ہے رحمت کی طلب

جادۂ اُلفت میں مٹ جائیں گی سب دشواریاں
اے دلِ درد آشنا کر تھوڑی ہمت کی طلب

لا کے مقتل میں نہ چھوڑو تشنۂ آبِ حیات
مدتوں سے ہے مجھے جامِ شہادت کی طلب

پندِ واعظ کی حقیقت صاف ہم پر کھل گئی
ہے نہاں تقریر کے پردے میں شہرت کی طلب

نقش بھی کیا نامِ فانی کا نہ رہنے دینگے وہ
ہو رہی ہے کیوں ہمارے سنگِ تربت کی طلب

کون ہے تیرے سوا یا رب مرا فریاد رس
جا کے میں کس سے کروں اپنی حمایت کی طلب

طاعتِ احمد میں مضمر عشق ہے اللہ کا
جس طرح راہِ شریعت میں حقیقت کی طلب

لطفِ مضموں کچھ نہ پیدا ہو سکا اشعار میں
چلتے چلتے تھک گئی زورِ طبیعت کی طلب

حشر پر موقوف کس کا وعدۂ دیدار ہے
کس کی اُمیدِ وفا پر ہے قیامت کی طلب

محوِ سرِّ لم یزل ہوں ماسوا سے کیا غرض
ہو مبارک غیر کو حورانِ جنت کی طلب

قیس کا آنا ترے کوچے میں بے علت نہیں
کھینچ لائی ہے علاجِ دردِ فرقت کی طلب

ہو چکی ہونا تھی جو جو کچھ مجھے راحت نصیب
ہے فقط رونا ہی رونا اب تو یا قسمت نصیب

ایسی تنہائی میں کیا جینے کی ہو لذت نصیب
جب نہ وہ یاروں کی جلسے ہیں نہ وہ صحبت نصیب

کون تھا میری طرح جو کھیل جاتا جان پر
کس کو یہ توفیق تھی کس کو تھی یہ ہمت نصیب

سر اُٹھا کر چلنے والے مُنہ کے بھل گرتے رہے
خاکساری سے ہوئی جسکو ہوئی رفعت نصیب

جو نہ ہوتے تھے مرے پہلو سے دم بھر بھی جدا
اب اُنھیں کو بولنے تک کی نہیں فرصت نصیب

آتے جاتے بھی تو مڑ کر اے ستمگر دیکھ لے
تیرے کوچے میں تڑپتا ہے کوئی آفت نصیب

نامرادی نے مجھے لا کر ملایا خاک میں
کیا توقع ہے کہ ہو شمعِ سرِ تربت نصیب

جان دے کر عاشقوں میں ہم نے پائی آبرو
قبر تک اُس گل کے آنے کی ہوئی عزت نصیب

اِس قدر اے حضرتِ ناصح نہ مجھکو چھیڑیے
آپ سے کج بحثیوں کی ہے کسے مہلت نصیب

شور سُن سُن کر مری آشفتہ حالی کا وہ شوخ
ہنس کے کہتا ہے کہ یوں بھی ہوتی ہے شہرت نصیب

باغِ جنت کی تو سب راہیں مجھے معلوم ہیں
ہم سے ملنے کی بھی ہے کوئی وہاں صورت نصیب

دل لگا کر ہم تو سمجھے تھے کہ ہوگا وصلِ یار
سر منڈاتے ہی پڑے اولے ہوئی فرقت نصیب

خوب ہی آ کر اجل نے کر دیا غم کا علاج
مجھ مریضِ ناتواں کو ہو گئی صحّت نصیب

عیش دنیا کے مزے ہیں منعموں کے واسطے
ہم فقیروں کو کہاں آرام یا دولت نصیب

قیس جس کو لوگ کہتے ہیں کہ شاید مر گیا
ہائے کیا ہی با مروت شخص تھا جنت نصیب

اقرار کا ہے پاس نہ انکار کا جواب
ہے ایک خامشی بت عیار کا جواب

بجلی جو چمکی ڈر کے وہ مجھ سے لپٹ گئی
تھا رعد میری آہ شرر بار کا جواب

رونق پذیر ہے رخ گلگوں سے باغ حسن
ہیں تیری آنکھیں نرگس بیمار کا جواب

قطروں میں آنسوؤں کے ہیں دُرِّ عدن کی آب
چشمان تر ہیں ابر گہر بار کا جواب

دونوں نے مل ملا کے ہمیں خاک کر دیا
فرشِ زمیں ہے چرخ ستمگار کا جواب

وہ روز مانگتے ہیں نیا دل نیا جگر
کیا دوں میں اُن کے بے محل اصرار کا جواب

اے نامہ بر نوشتۂ تقدیر جان نا
لا جلد جا کے طالب دیدار کا جواب

پیدا ہوا بھی ہو کہیں ایسا کوئی حسیں
لائیں کہاں سے ڈھونڈ کے ہم یار کا جواب

سرمست جام عشق ہوں اے پیر میکدہ
ہے کون مجھ سے رند قدح خوار کا جواب

جنبش میں آتے ہی مجھے چور رنگ کر دیا
تیری بھویں ہیں خنجر خونخوار کا جواب

ثابت ہو کوئی جرم تو دو شوق سے سزا
پہلے سنو بھی قیس گنہگار کا جواب

کیا کرونگا میں تری تلچھٹ بھری لیکر شراب
دے مجھے اے پیر میخانہ کوئی بہتر شراب

ہجر میں خوش آئے کیا شیشہ سبو ساغر شراب
قہر سامانِ طرب ہے زہر بے دلبر شراب

بادہ نوشی میری تو اے شیخ ظاہر ہیں نہ پوچھ
ذات حق پیر مغاں ہے عشق پیغمبر شراب

فیض ساقی کی بدولت خوب ہی چسکا پڑا
ڈھونڈتا ہے رات دن میرا دلِ مضطر شراب

ہر رگِ گردن سے یہ پانوں کی سرخی ہے نمود
یا جھلکتی ہے برنگِ لالۂ احمر شراب

سب نظر آتے ہیں مجھ کو ہولیاں گاتے ہوئے
آج کل مثلِ پری ہے رقص میں گھر گھر شراب

وقت پیری بھی نہ با معنی مری توبا ہوئی
عمر بھر کی منہ لگی تھی چھوٹتی کیونکر شراب

حور بن کر جلوہ فرما ہوگی یہ قاضی کے گھر
رکھ لے تو اے محتسب اک ظرف میں سربر شراب

آؤ چل کر باغ میں فرشِ زمرد رنگ پر
لطف اٹھاتے جائیں پی کر اے پری پیکر شراب

قتل ہو کر لذتِ پرکیف کیوں حاصل نہ ہو
ہے شہیدوں کے لیئے آبِ دمِ خنجر شراب

وہ نگاہِ لطف ہو یارب کہ وقتِ باز پرس
مستیاں دکھلائیں ہم پی کر سرِ محشر شراب

اور کچھ خواہاں نہیں اے ساقیِ جامِ الست
اپنے خمخانے کی دید سے مجھ کو چلو بھر شراب

خوب چمکے گی ہماری مے پرستی حشر میں
دینگے اپنے ہاتھ سے جب ساقیِ کوثر شراب

دل میں ہے یادِ خدا لب آشنائے ذوق مے
کعبے میں ہے اور ہی کچھ کعبے کے باہر شراب

مغبچوں کے ساتھ دیکھا ہے جنابِ قیس کو
بھٹیوں میں بیٹھ کر پیتے ہوئے اکثر شراب

گوش دل سے سننے کو رازِ نہانِ عندلیب
نغمہ سنجانِ چمن ہیں میہمانِ عندلیب

شعلہ زن ہے نالۂ آتش فشانِ عندلیب
پھنک نہ جائے خار خارِ آشیانِ عندلیب

کیوں نہ درد انگیز ہوتی داستانِ عندلیب
فصلِ گل میں جورِ گلچیں پھر بیانِ عندلیب

ہو گئے خاموش نالے سنتے ہی سارے طیور
تا کجا اے چرخ پیر اب امتحانِ عندلیب

دیکھئے فریاد عاشق رائگاں جاتی نہیں
گل گریباں چاک ہے سن کر فغانِ عندلیب

زمزمہ پیرائے گلشن گو ہیں لاکھوں جانور
عشق صادق سے ہی لیکن خاص شانِ عندلیب

گلرخوں کو ماجرائے غم سنانے کے لئے
میں کہاں سے لاؤں تاثیر زبانِ عندلیب

خوف گلچیں ہے کبھی۔ ڈر ہے کبھی صیاد کا
موسم گل بھی ہے کوئی قہر جانِ عندلیب

کیا ہیں سرگرم ترانہ یہ شجر کی پتیاں
یا کفِ افسوس مل کر نوحہ خوانِ عندلیب

مشت خارِ آشیاں ہو یا ہوں چند افتادہ پر
رہنے دے اے باغباں کچھ تو نشانِ عندلیب

ناحق اے صیاد اسیر کنج تنہائی نہ کر
آگ برسائے گی چشم خوں فشانِ عندلیب

اُس کے نغموں سے جو محو خندہ کلیاں ہو گئیں
کیا رگ گل میں بھی ہے خون روانِ عندلیب

بس کر اے صیاد اب قید قفس کی سختیاں
اُڑ نہ جائے پھڑ پھڑا کر مرغ جانِ عندلیب

آتے ہی فصل خزاں کے لٹ گئی ساری بہار
خاک اُڑاتا پھر رہا ہے کاروانِ عندلیب

با اثر کیونکر ہوئی اے قیس تیری شاعری
ہاں اُڑا لی ہے مگر طرز بیانِ عندلیب

مرا گھر ہو رشک چمن آج کی شب
اگر آئے وہ گل بدن آج کی شب

مجھے دو لعاب دہن آج کی شب
کہ دکھلا دوں لطف سخن آج کی شب

نہ کچھ سنتے ہو تم نہ کچھ بولتے ہو
بنے بیٹھے ہو بے دہن آج کی شب

نکلتے نہ تھے جو کبھی گھر سے باہر
ہیں رونق دہ انجمن آج کی شب

یہ رہ رہ کے ذکرِ عدو چھیڑ کر کیوں / بڑھاتے ہو دل کی جلن آج کی شب

سبق لے کے تم غیر کی پٹیوں کا / نہ باتیں کرو دل شکن آج کی شب

ملے لب سے لب اور سینے سے سینا / ہو یوں وصل اے جانِ من آج کی شب

اِدھر اور اُدھر شوق تھا دونوں جانب / ہوئی شرم کیوں راہزن آج کی شب

نہ اُٹھنا مجھے نیم بسمل بنا کر / تو اے میرے ناوک فگن آج کی شب

تری زلفِ مشکیں کی خوشبو کا سودا / دلاتا ہے یادِ ختن آج کی شب

خدا رکھے پھولوں کے گہنے پہن کر / بنے ہیں وہ گل پیرہن آج کی شب

چلے ہو کہاں مجھ کو بیجان کر کے / کرو فکرِ گور و کفن آج کی شب

بہت وعدے کر کے دغا دے چکے ہو / نہیں چلنے کا مکر و فن آج کی شب

وہ بُت ہے تو اے قیس تم اُس کے آگے
رہو صورتِ برہمن آج کی شب

ردیف بائے فارسی

منتوں پر آج آئے ہیں بڑی مشکل سے آپ / کیوں گلے ملکر نہیں لیتے دعائیں دل سے آپ

ذبح کرنے کی اُنہیں تکلیف دینا ہی عبث / ہم گلا کاٹیں گے اپنا خنجرِ قاتل سے آپ

کیا بتائیں گے احبا میرے مرنے کا سبب / یہ معمّا کیجئے حل وعدۂ باطل سے آپ

جز متاعِ داغِ دل ہم اور کچھ رکھتے نہیں / ہے وہ کیا جو چاہتے ہیں عاشقِ کامل سے آپ

سیدھے سیدھے دل میں آنا سہل تھا آنکھوں کی راہ
پھیر کھا کر ناحق آئے دور کی منزل سے آپ

میرے ہوتے اوروں میں کرتی ہیں الفت کی تلاش
ہوں گے رسوا ایک دن اس سعیٔ بے حاصل سے آپ

اپنی آنکھوں سے سرِ مقتل تڑپتا دیکھ کر
غیر ممکن ہے نہ لپٹیں سینۂ بسمل سے آپ

چلیے دیکھا ختم جب سب لن ترانی ہو چکی
بند کرنے آئے ہیں تقریرِ لاطائل سے آپ

عاشقوں میں شورِ محشر خیز برپا ہو گیا
اُٹھ گئے آزردہ ہو کر جب بھری محفل سے آپ

میرے رونے سے رواں ہے آجکل سیلاب اشک
جوشِ طوفاں آکے دیکھیں دامنِ ساحل سے آپ

لیجیے اے شیخ اگر ہم سے رندوں کے قدم
فیض کیا حاصل کرینگے غیر ناقابل سے آپ

اس طرح برباد کی جائے یہ وہ مٹی نہ تھی
خشتِ میخانہ بناتے میری آب و گل سے آپ

نالہ سن کر قیس کا وہ لیلیِ پردہ نشیں
کیا عجب باہر نکل آئے اگر محمل سے آپ

ہر ایک وصف میں آئینۂ کمال ہیں آپ
ادا میں ناز میں شوخی میں بے مثال ہیں آپ

پری شعار پری وش پری جمال ہیں آپ
ریاضِ حسن کے سرسبز نونہال ہیں آپ

کسی کو چین سے رہنے دیں یہ نہیں ممکن
جفا پسند ستمگر فلک خصال ہیں آپ

کہاں تک اے خلشِ دردِ دل ستائے گی
کہ ہم زمانے کی چالوں سے پائمال ہیں آپ

نہیں ہے فیض سے اوروں کے آب و رنگ چمن
بہارِ گلشنِ ہستی کے خط و خال ہیں آپ

عدو کے حق میں زِ سرتا بپا محبت ہیں
ہمارے واسطے سرچشمۂ جلال ہیں آپ

سوائے آپ کے اللہ سے میں کیا مانگوں
کہ دل ہیں آپ جگر آپ جان و مال ہیں آپ

بڑے بڑوں کے لبوں پر ہے مہر خاموشی
وہ نکتہ سنج سخن فہم و خوش مقال ہیں آپ

تمام ماہ وشانِ جہاں جو انجم ہیں
تو نیرِ فلکِ حُسن لازوال ہیں آپ

مزید شور و فغاں کا سبب نہ بن ناصح
غمِ فراق کے صدموں سے ہی نڈھال ہیں آپ

کھنچے تو کھنچ کے بنے تیغ عاشقوں کیلئے
جھکے تو جھکتے ہی اب خنجرِ ہلال ہیں آپ

ہزار جور و ستم پر بھی دم نہیں لیتے
فریب خوردۂ یارانِ بدخصال ہیں آپ

سکھائی کس نے یہ اے قلقؔ ترکِ مے نوشی
خمارِ چشم کے ہاتھوں جو خستہ حال ہیں آپ

ردیف تائے فوقانی

بے یار ایک ساعت جینا ہوا قیامت
کمبخت دل نے مجھ پر ڈھائی ہے کیا قیامت

ہجر بتاں کے صدمے جھیلے کوئی کہاں تک
یا وصل ہو میسّر آ جائے یا قیامت

ناصح کی گفتگو پر کس طرح کان دھرتے
بربادیاں لکھی تھیں قسمت میں تا قیامت

آئے مقابلے میں اُس شوخ فتنہ گر کے
بیٹھی ہے منہ چھپائے کیوں اے خدا قیامت

معشوق کہکے تجھ کو میں آپ منفعل ہوں
بیفائدہ نہ اتنی سر پر اُٹھا قیامت

پہلے تو اُس نے خود ہی پوچھی مری تمنّا
سُنکر جو شرم آئی ڈھانے لگا قیامت

اک عشق کی بدولت کیا دولتیں ملی ہیں
فتنہ غضب مصیبت آفت بلا قیامت

کل باغ میں جو اُس کو سرگرم سیر دیکھا
رفتار تھی غضب کی انداز تھا قیامت

اس کا تو مدتوں سے اک شور سن رہے ہیں / لاتی ہے رنگ کیا کیا دیکھیں ذرا قیامت

کاہیکو میں کسی سے شکوا کروں کسی کا / کر دے گی فیصلا خود اچھا۔ بُرا قیامت

الفت میں اور اتنی اے قیس ناشکیبی

نالوں سے تو نے برپا کر دی ہے کیا قیامت

ہم کہاں اور کہاں شکوہ شکایات کی بات / جا لگاتا ہے کوئی یار سے بے بات کی بات

آپ ہی کرتے ہو تم ترک ملاقات کی بات / یا سکھاتے ہیں عدو فتنہ و فسادات کی بات

شیخ میخانہ بھی ہے مست مے جام الست / جس سے ہر دم ہے عیاں کشف و کرامات کی بات

کچھ نہ پوچھو کہ ہوئی کیا مرے دل کی حالت / یاد آئی جو گئی گزری ہوئی رات کی بات

دیکھتے ہی مجھے کیوں تم نے بنا لی چتون / کیا نہ تھی اسکے سوا اور مواسات کی بات

شرط انصاف نہ تھا حشر میں رسوا کرنا / کس طرح چھیڑتے ہم وعدۂ مافات کی بات

ہم سمجھتے ہیں تری طرز و ادا کی شوخی / پھانسنے کو دل عاشق کے ہے یہ گھات کی بات

بادۂ عشق سے کرتا ہے مداوا دل کا / ہے پُر از کیف مرے پیر خرابات کی بات

اے غم یار نہیں دل میں سمائی تیری / موت پر ٹھہری ہے اب حل مہمات کی بات

جاں نثاروں کو تو مڑ کر بھی نہ دیکھا تم نے / مدعیوں سے رہی لطف و مدارات کی بات

میری آنکھوں نے لگا دی ہے جو ساون کی جھڑی / جوشش اشک میں یاد آئی ہے برسات کی بات

اوروں کی آمد و شد پر تو کوئی قید نہیں / ہے مرے ہی لئے کیوں بندش اوقات کی بات

فرقت یار میں ہے زہر ہلاہل مجھکو / دور ساغر ہو کہ ہو مطرب و لذات کی بات

وجہ بیتابی دل مجھ سے نہ پوچھیں احباب
ہے یہ اک راز نہ انکار نہ اثبات کی بات

خالی از رمز کوئی فقرۂ تحریر نہیں
پاسخِ خط ہے کہ ہے شرح اشارات کی بات

ختم بھی کیجئے اے شیخ کہانی اپنی
سُن چکے قیس بس اب قبلۂ حاجات کی بات

جل جل کے سوزِ ہجر میں اکثر تمام رات
کاٹی ہے میں نے صورتِ اخگر تمام رات

تم کو نہ دیکھ کر سرِ بستر تمام رات
تڑپا کیا ہوں درد سے مضطر تمام رات

موسیٰ کی طرح غش میں پڑا تھا میں صبح تک
کیا کہیئے تابشِ رخِ انور تمام رات

اللہ اُن کا ہنسکے تجاہل سے پوچھنا
کل کس تلاش میں رہے دن بھر تمام رات

بوسوں سے ابروؤں کے نہ ہم باز رہ سکے
کھنچتے رہے ہزار وہ خنجر تمام رات

افسوس تم نے یہ بھی نہ پوچھا کہ ہجر میں
سو کر بسر کی یا کہ تڑپ کر تمام رات

شاید ہمارے داغِ جگر کا وہ عکس تھا
چمکا جو مہر بن کے فلک پر تمام رات

رندوں میں فیضِ صحبتِ ساقی سے آجکل
چلتے ہیں دورِ شیشہ و ساغر تمام رات

کیا پوچھتے ہو مجھ سے شبِ غم کی بیکلی
ہر تارِ فرش تھا مجھے نشتر تمام رات

دن بھر رہیں نصیب جو صحرا نوردیاں
وحشت لیئے پھری مجھے گھر گھر تمام رات

اُس رشکِ ماہ کو مرے پہلو میں دیکھ کر
جلتا رہا ہے چرخِ ستمگر تمام رات

یہ بخت یہ نصیب یہ قسمت خدا کی شان
اُن کے قدم تھے اور مرا سر تمام رات

میں دل میں آتشِ غمِ فرقت لیئے رہا
سر میں خیالِ شاہدِ دلبر تمام رات

صدقے تمھارے پھولوں کی گھونگی باس کی
خوشبو سے تھا دماغ معطر تمام رات

تربت بھی قلیسؔ کی ہدفِ کودکاں رہی
دن بھر پڑے جو ڈھیلے تو پتھر تمام رات

نظر آتے ہی اس قاتل کی صورت
جگر ٹکڑے ہوا بسمل کی صورت

بتاؤں کیا میں اپنے دل کی صورت
ہے اک لیلیٰ کا گھر محمل کی صورت

میں اکثر تا درِ میخانہ پہنچا
لباسِ فقر میں سائل کی صورت

تلاشِ خضر سے مجھ کو غرض کیا
ہے دل ہی رہبرِ کامل کی صورت

میں پہنچا بارہا اُس کی گلی میں
بنا کر مردِ لایعقل کی صورت

خراشِ گوش ہیں ناصح کی باتیں
کلامِ طول لاطائل کی صورت

فسانا سوز و غم کا کہہ گیا میں
وہ چپ بیٹھا رہا غافل کی صورت

وفا کی تم سے کیا رکھوں توقع
ہے وعدہ او عدۂ باطل کی صورت

بڑی مشکل سے آیا ہوں یہاں تک
بھٹکتا پوچھتا منزل کی صورت

وہ کیونکر سمجھیں میری بیقراری
ہوں دیوانا مگر عاقل کی صورت

مری کشتِ تمنّا مدتوں سے
پڑی ہے مُردہ بے حاصل کی صورت

نہ آیا کچھ نظر جز سیلِ گریہ
رہیں آنکھیں لبِ ساحل کی صورت

وہ برہم ہیں کہ نالوں سے چمن میں
بدل دی قلیسؔ نے محفل کی صورت

لے چلا ہے[1] کھینچکر جذبِ محبت سوئے دوست
دے گی جنت کا مزا مجھ کو بہارِ کوئے دوست

کیا تجلی بخش ہے نورِ رخِ نیکوئے دوست
دیکھتا ہوں دل کے آئینے میں عکسِ روئے دوست

رشکِ گلہائے چمن ہے عارضِ گلگوں یار
غیرتِ سرو و صنوبر ہے قدِ دلجوئے دوست

ہے مشامِ جاں معطر زلفِ عنبر بیز سے
ہر طرف پھیلی ہوئی ہے نکہتِ گیسوئے دوست

اپنی قسمت سے جو شکوا ہے تو ہے اس بات کا
میرے ہوتے غیر سے کیوں گرم ہو پہلوئے دوست

چلتی ہے بادِ صبا کیا عطر میں ڈوبی ہوئی
بھینی بھینی آرہی ہے کسقدر خوشبوئے دوست

کیوں نہ ہر نقشِ قدم پر جان و دل سے ہوں نثار
چٹکیاں لیتی ہے رہ رہ کر جگر میں خوئے دوست

واہ رے شوقِ زیارت اُف رے جوشِ اشتیاق
رخ تو ہے قبلے کی جانب دل ہے لیکن سوئے دوست

آرزوئے ماسوا کو میرے دل سے دور کر
اے شمیمِ روح پرور اے ہوائے کوئے دوست

آپڑا ہے موجِ بحرِ عشق کے گرداب میں
پار کر بیڑا مرا اے قوتِ بازوئے دوست

گو ہجومِ حسرت و ارماں سے جی بےچین ہے
وجہ تسکیں ٹھہری گی اک جنبشِ ابروئے دوست

مرجعِ جن و ملک ہے آستانا یار کا
سجدہ گاہِ خلق محرابِ خمِ ابروئے دوست

قتل ہوتے وقت نکلے جان بھی لذت کے ساتھ
ہو اگر سینا ہمارا تکیۂ زانوئے دوست

قدسیوں کو بھی عجب کیا ہے کہ رشک آنے لگے
مل کے مٹی میں جو ہو جاؤں غبارِ کوئے دوست

دیکھ اے شوقِ جنوں زنہار کوئی گستاخی نہ ہو
سب سے نازک تر ہے دل ہے دل سے نازک خوئے دوست

---

[1] ۱۳۵۰ ہجری میں زیارت حرمین شریفین کے ارادے سے روبسفر ہونے کے وقت سے وہاں پہنچنے تک مختلف حالات میں مختلف مقامات پر مختلف جذبات کے تحت یہ اشعار کہے گئے تھے جو غزل کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیئے گئے ۱۲ منہ

ٹکڑے ٹکڑے ہو رہے ہیں آج میرے دل جگر
دیکھکر جوہر ترا اے خنجرِ ابروے دوست

مجھ کو بھی تھوڑی جگہ ملتی صفِ عشاق میں
کاش ہوتا میں بھی پیوندِ زمیں کوے دوست

ہے صدا تکبیر کی یا شور ہے لبیک کا
مے گسارانِ وفا ہیں مست ہاؤ ہوے دوست

خلعتِ شاہی سے بڑھ کر جامۂ احرام ہے
قیسؔ اسی پوشاک میں جانا ہے تم کو سوے دوست

ردیف تاے ہندی

نظر نظر سے لڑاتے ہی سخت آئی چوٹ
مری شکستہ دلی کا پیام لائی چوٹ

بنی ہے سینے میں اک پنجۂ حنائی چوٹ
وہ تو نے مہندی لگے پاؤں سے لگائی چوٹ

مرا ہی دل وہ ہے جو درد و غم سے ہے لبریز
ہمیشہ اس کی نہ کیونکر کرے گدائی چوٹ

بتوں کے سنگِ جفا کا اثر دکھانے کو
کرے گی عرصۂ محشر میں خودنمائی چوٹ

علاجِ درد میں ہیں سارے چارہ گر مجبور
نگاہ یار سے گر کر وہ ہم نے کھائی چوٹ

خجل ہوئے وہ دمِ حشر عین مجمع میں
دکھا کے بندِ جگر ہم نے جب گنائی چوٹ

حوادثاتِ زمانہ سے دل ہے چکنا چور
یہ حادثے نہیں ہیں اصل میں خدائی چوٹ

کسی کا شیشش محل سنتے ہیں خراب ہوا
کہاں سے آئینۂ دل میں آسمائی چوٹ

زمانے بھر میں جو پھیلا فروغ بے اثری
ہمارے درد کی دینے لگی دہائی چوٹ

نہ تا قیامِ قیامت تھے داغ مٹنے کے
یہ خیر گزری کہ دل پر نہ آنے پائی چوٹ

جو بے نصیب ہو نا آشنائے لذت درد
کسی کے کہنے سے کیا سمجھے وہ پرائی چوٹ

بنا ہے جب یہ مرا دل ہی کعبۂ مقصود
تو اس میں کیوں نہ کرے آکے جبہہ سائی چوٹ

لگانے بھی نہیں پایا وہ آنکھ کے ڈھیلے
کہ میری سمت بڑھی کرنے پیشوائی چوٹ

چمک چمک کے دکھائے گی نور کا عالم
تہِ مزار مرے دل کی مصطفائی چوٹ

وہ سُن کے قیس کے داغِ جگر کو کہتے ہیں
فریب دینے کو شاید کوئی بنائی چوٹ

ردیف ثای مثلثہ

سوچے نہ سمجھے ہم ذرا ہوگئی کیا خطا عبث
آنکھیں اگر ملیں ملیں دل اُسے دیدیا عبث

سیکھ لی ان بتوں نے جب یہ روشِ جفا عبث
کہیے کسی سے کس لئے کوئی کرے وفا عبث

باب اثر تک اے فغاں تو نہیں پہنچیگی کبھی
آرزوِ محال میں پھرتی ہے جا بجا عبث

عشق کا نشہ وہ نہیں جس سے کہ توبہ کیجئے
ترک وفا کی گفتگو کرتے ہیں آشنا عبث

ہمنے ہجوم شوق میں بوسۂ لب لیا تو کیا
یہ بھی کوئی قصور ہے ہوتے ہو تم خفا عبث

دل ہو جگر ہو کوئی ہو جب نہ ہوا اختیار میں
بات کسی کی کیا سُنے سن بھی لی کچھ تو کیا عبث

وصل کی شب ہنسی ہنسی بات میں بات بڑھ گئی
چھوڑ کے اصل مدعا کرنے لگے گلا عبث

کوچۂ یار نام ہے ملک عدم کی راہ کا
جوشِ جنوں کدھر مجھے کھینچ کے لیچلا عبث

سُن کے مرا بیان شوق آپ خموش کیوں ہوئے
کچھ تو جواب دیجئے ہو وہ درست یا عبث

جسکے قدم زمین پر پڑتے نہ ہوں غرور سے
ایسوں سے کوئی کیا کرے وصل کی التجا عبث

روکے ہوا ہوں آہ کو رنج بہت نہ دیجیے
ورنہ یہ اک نہ ایک دن لائیگی کچھ بلا عبث

لاکھوں ہیں اس جہاں میں محو نشاط اے فلک
ایک مجھی کو دیکھکر رشک سے جل گیا عبث

سانس اُکھڑ چکی ہی تھی نبض بھی چھٹ گئی ہی تھی
ہاے وہ عین وقت پر ہوگئے کیوں جدا عبث

جی میں کسی کے حسرتیں کیسی ہی ہوں کسی کو کیا
روٹھے ہو کس گناہ پر پوچھ کے مدعا عبث

قتل کی دیکھکر خوشی کھینچ کے تیغ رہ گئے
قیس کے سر ٹل گئی آئی ہوئی قضا عبث

درد و غم سے ہیں بھرے قلب و جگر کیا باعث
پھر بھی نالوں میں نہیں کوئی اثر کیا باعث

آنکھوں میں نور ہو اُن کا تو دلوں میں تیرا
تجھ سے شرمندہ نہ ہوں شمس و قمر کیا باعث

ٹپکی پڑتی ہیں جو پلکوں سے لہو کی بوندیں
خون برسانے ہوے اے دیدۂ تر کیا باعث

کل ہی مقتل میں چمکتی تھی یہ بجلی کی طرح
آج ہے کند تری تیغ دو سر کیا باعث

ہم سے ملتے ہیں تو ڈر تھا تمہیں رسوائی کا
غیروں میں بیٹھے ہوئے خوف و خطر کیا باعث

پھول پھل ان میں کبھی آتے نہ دیکھا ہم نے
شجر عشق ہیں بے برگ و ثمر کیا باعث

کیا انھیں حوصلۂ جور و ستم ہو اب تک
گھر سے باندھے ہوئے نکلے ہیں کمر کیا باعث

دل تو پہلو میں ہوا تھا ہدف ناوک ناز
خون ہو ہو کے بہے لخت جگر کیا باعث

تیرہ بختی نے مری آس کہاں توڑی ہے
رہ گئے کھینچ کے وہ تیر نظر کیا باعث

نہ طلب تھی نہ تقاضا نہ کوئی وعدہ وعید
یوں چلے آئے عدو آپ کے گھر کیا باعث

کیا ترے دامن پُر خوں نہ گواہی دینگے
ذبح کرتا ہے جو تو ہو کے نڈر کیا باعث

گرم فریاد میں ہوں سوز جگر سے اپنے
نالے کرتے ہو تم اے مرغ سحر کیا باعث

کچھ سبب بھی تو سنوں میں کہ بھری محفل میں
اُٹھ کے پہلو سے چلے آپ کدھر کیا باعث

رات دن آتے ہیں احباب عیادت کو مری
تم نہیں لیتے کسی وقت خبر کیا باعث

کوئی صدما وہ اگر مجھ کو نہیں دیتے ہیں
زندگی سے ہے طبیعت کو حذر کیا باعث

سچ کہو دم بخود اس طرح جو تم بیٹھے ہو
ٹکٹکی باندھے ہوئے جانب در کیا باعث

سینے چھیدیں جو کبھی دل کو کریں جو ٹکڑے
اب نہیں چلتے ہیں وہ تیر و تبر کیا باعث

بے حجابانہ ہوا اغیار میں سرگرم سخن
رُخ نہیں کرتے ہو تم آج اِدھر کیا باعث

چٹکیاں لیں نہ ہوں اے قیس کسی نے دل میں
کرتے ہو آہ و فغاں آٹھ پہر کیا باعث

ردیف جیم تازی

کوششوں سے راہ پر مشکل سے آیا تھا مزاج
یا الٰہی خیر کرنا پھر مرا بہکا مزاج

جس کو چاہا دل دیا اس کی نہیں تفتیش کیا
چیز اپنی ہے خوشی اپنی ہے اور اپنا مزاج

اک ذرا سی دل لگی پر اور اتنی برہمی
کھل گئی ساری حقیقت جائیے دیکھا مزاج

فصل گل ہی میں تجھے بھی اے جنوں آنیکو تھا
چھوڑ کر سیر چمن کون آکے پوچھے گا مزاج

کیوں نظر آتا نہیں اگلا خلوص و اتحاد
کیا خطا مجھ سے ہوئی کس جرم پر بدلا مزاج

ہم سمجھتے ہیں یہ سب زانو بدلنا بار بار
گدگدی دل میں اُٹھی کچھ رنگ پر آیا مزاج

جس نے باتیں کیں خوشامد کی اُسی کے ہو رہے
چشم بد دور آپ نے پایا ہی کیا اچھا مزاج

ہنستے ہی ہنستے وہ غصّے سے بھبھوکا بن گئے
بولتے ہی بولتے ایسا بھڑک اُٹھا مزاج

آدمی کو آدمی کی خصلتیں درکار ہیں
چاہیئے انسان کو انسان کا رکھنا مزاج

کچھ نہیں تو مرتے دم اتنا ہی آکر پوچھتے
بیکلی کس بات کی ہے آج ہی کیسا مزاج

چلتے پھرتے اپنے سایہ سے جھجھک جاتی ہیں وہ
کیا ادا - کیا ناز - کیا غمزا ہی کیا بھولا مزاج

پہلے تو یوں باتوں باتوں میں اُلجھ پڑتی نہ تھے
سخت حیرت ہے کہ اب کیوں ہو گیا ایسا مزاج

آئینے میں دیکھ کر ایک اور اپنا سا حسیں
کھا رہے ہیں پیچ کیا کیا ہی عجب سیدھا مزاج

اس جفا و جور پر اُن کا تجاہل دیکھئے
کہتے ہیں اے قیس کیوں افسردہ ہی تیرا مزاج

تیکھی چتون نے کیا ہی کس قیامت کا علاج
ہو گئی تیغِ ادا شوقِ شہادت کا علاج

ڈھونڈنے جاؤں کہاں رنج و مصیبت کا علاج
دے کے جاں اپنی کرونگا درد فرقت کا علاج

اپنی چشمِ سحر آگیں سے لُٹا کے خاک پر
کر دیا اُس نے ہماری بگڑی حالت کا علاج

کم نہ ہو گی نشترِ فصّاد سے دیوانگی
خارِ صحرائے جنوں ہی میری وحشت کا علاج

پندِ ناصح نے بڑھا دی اور بھی دل کی لگی
گرم چھینٹے کرتے کیا سوزِ محبّت کا علاج

اُٹھ گئے سب چارہ گر بالیں سے یہ کہتے ہوئے
ہے خدا کے ہاتھ اس بیمارِ الفت کا علاج

واعظِ خود بیں اُٹھا دیں ہم سے رندوں کا خیال
کر لیں پہلے آپ اپنے کبر و نخوت کا علاج

جام ساقی نے دیا زہرِ ہلاہل گھول کے
خوب سوچا عاشقِ برگشتہ قسمت کا علاج

بے سرو پا بات سُنکر ٹال جانا چاہیئے
ورنہ کیا بیہودہ گویوں کی شرارت کا علاج

قتل پر تلوار اُٹھاتے ہی کلائی رہ گئی
آپ نے اچھا کیا اپنی نزاکت کا علاج

ہے تجھی کو اے خدا ہر نیک و بد کا اختیار
غیر کوئی کیا کرے گا میری نکبت کا علاج

دیکھ کر میری طرف تم نے نگاہِ مہر سے
کر دیا خوش ہو گیا سب یاس و حسرت کا علاج

آرزوے وصل پر جھنجھلا کے ظالم نے کہا
جا کے تو اے قیس کر اپنی حماقت کا علاج

کچھ تو اعجازِ مسیحائی دکھا اے یار آج
بسترِ غم پر تڑپتا ہے ترا بیمار آج

ہو کسی صورت میسّر دولتِ دیدار آج
آنکھوں کے حلقے بنے ہیں روزنِ دیوار آج

دل جگر صبر و سکوں ہم کس کا کس کا غم کریں
عشقِ ظالم کی بدولت لٹ گیا گھر بار آج

بن کے فریادی چلی ہے میری آہِ آتشیں
حاملانِ عرش ہو جائیں ذرا ہشیار آج

کیا سنائی ہے کسی نے مرگِ دشمن کی خبر
کیوں ہے مرجھایا ہوا تیرا گلِ رخسار آج

شکر ہے یارب کہ بے حاصل نہ ٹھہری زندگی
ہو گیا تیرِ نگاہِ یار دل کے پار آج

وادیِ غربت میں ہوگا ٹھوکریں کھانا نصیب
لے چلا ہے جوشِ وحشت جانبِ کہسار آج

وار کرتے کرتے تیرے دست و بازو رہ گئے
زنگ آلودہ اُٹھا لایا ہے کیا تلوار آج

غیر کی چشمک زنی پر چھیڑنا زیبا نہ تھا
ہم میں تم میں ہو گئی پیدا عبث تکرار آج

سوے مقتل سر بکف ہے گامزن تیرا شہید
خلعتِ شاہانہ ہونا چاہیئے طیار آج

بس گئی خوشبو مشامِ جان میں باسی پھول کی
مل گیا اُترا ہوا اُن کے گلے کا ہار آج

کل ہی سارے چارہ گر بیٹھے گرم دعوائے بلند
کیوں علاجِ دردِ دل سے کرتے ہیں انکار آج

جھوٹوں بھی ہاں کہنے میں ہم سے تکلف ہی رہا
ہو رہے ہیں غیر سے اقرار پر اقرار آج

دل جلوں کا دل جلانا کھیل سمجھے ہیں رقیب
رنگ لائے گی ہماری آہ آتشبار آج

کرنے کو سودا متاعِ دل کے بدلے عشق کا
ہم نے بھی دُکّان کھولی ہے سرِ بازار آج

گلشنِ فکرِ رسا پر ہے خزاں چھائی ہوئی
پھول پھل کس طرح لائیں قیسؔ کے اشعار آج

شرمائی ہوئی اُس بت کا فر کی نظر آج
دیتی ہے مجھے غیر سے لڑنے کی خبر آج

کرنے کے لیئے فیصلۂ گردن و سر آج
قاتل نے بڑی دھوم سے باندھی ہے کمر آج

ہے جانچ اُنھیں منظور مرے ضبطِ فغاں کی
ڈرتا ہوں کہ رسوا نہ کرے دردِ جگر آج

ہو جائے گی رہتے ہی شبِ وصل قیامت
بے وقت نہ بول اُٹھے کہیں مرغِ سحر آج

کس طرح نکل جاؤ گے تم آنکھ چُرا کر
بیٹھا ہوں ڈھئی دے کے سرِ راہ گزر آج

ممکن نہیں بے حکم کوئی جھانک کے دیکھے
کیوں بند ہے اے جانِ جہاں روزنِ در آج

رہ رہ کے مسلتے تو ہو چٹکی سے کلیجا
طوفاں اٹھائیں گے مگر دیدۂ تر آج

اے جذبۂ دل میں تری تاثیر کے صدقے
تھا قصد کدھر کا وہ کھنچ آئے ہیں کدھر آج

تا مرگ درِ پیرِ خرابات نہ چھوڑوں
ملجائے وہ شئے تھوڑی سی مجھکو بھی اگر آج

محرومئ قسمت سے ہوں ناکامِ تمنّا
ہوں خاک دعائیں مری ممنونِ اثر آج

سنکر مری فریاد وہ یوں دیتے ہیں طعنے
افلاک نہ ہو جائیں کہیں زیر و زبر آج

ہر نقش کفِ پا کو میں آنکھوں سے لگا لوں
تم بھول کے رستا اگر آجاؤ ادھر آج

مانا کہ حسینوں میں حسیں ایک وہی ہیں
ڈھونڈیں گے تو ہمسا بھی نہ پائینگے بشر آج

کہدے کوئی اُس بت سے کہ دل تھام کے بیٹھے
کرتے ہیں فرشتے مرے نالوں سے حذر آج

آجاؤ گلے سے تمہیں اے جان لگا لوں
درپیش ہے مجھے ملک عدم کا ہی سفر آج

یارب نظرِ بد سے حریفوں کی بچانا
بن ٹھن کے چلے آتے ہیں وہ قیس کے گھر آج

منتخب ہیں ہو گیا اُن کے وفادار و نمیں آج
دیکھئے چلتی ہیں کیا کیا چشمکیں یار و نمیں آج

فیصلا ہونے کو ہے دو چار ہی وار و نمیں آج
اک عجب اودھم مچا ہے نو گرفتار و نمیں آج

اُس کے ہاتھوں قتل ہونا دولتِ جاوید ہے
مفت کیوں رونا پڑا ہے میرے غمخوار و نمیں آج

فصل گل آئی ہوئی ہے دے رہے ہیں کیا مزے
بلبلوں کے چہچہے ہر سمت گلزار و نمیں آج

مژدہ اے رندان بادہ خوار وہ اٹھی گھٹا
موج زن ہے رحمتِ ساقی گنہگار و نمیں آج

عاشقِ بیتاب کا سینا مگر بیدھا گیا
خون کی سرخی نہیں بے وجہ سوفار و نمیں آج

نقد جاں تک دے کے میں سودا کرونگا عشق کا
مجھ سے بڑھ کر کون ہے اُس کے خریدار و نمیں آج

خالی خولی تم بھی اوروں کی طرح آئے تو کیا
کچھ مسیحائی دکھاؤ اپنے بیمار و نمیں آج

ہو نہ ہو بیشک تمہیں کچھ آ گیا میرا خیال
لذتیں اقرار کی ملتی ہیں انکار و نمیں آج

کیا کرے گی جنبشِ ابرو یہاں ڈرتا ہے کون
حکم ہو تو گھس پڑوں دو لاکھ تلوار و نمیں آج

مشکلوں سے لاغری نے یہ ترقی پائی ہے
اُن سے لپٹوں گا میں چھپ کر ہو پُر ہاروں میں آج

تم جفائے ناروا سے باز کیوں آتے نہیں
حشر برپا ہو رہا ہے ظلم کے ماروں میں آج

وہ خفا اور آئیں میرے گھر خدا کی شان ہے
قسمتوں سے مل گیا میں بخت بیداروں میں آج

اے دلِ ناعاقبت اندیش کیا اندھیر ہے
تو لیئے جاتا ہے کیوں مجھکو جفاکاروں میں آج

ہے عیاں چاروں طرف جلوا نیاز و ناز کا
میری اُن کی کھینچ گئی تصویر دیواروں میں آج

یادِ جاناں میں ہوئی ہے دشت پیمائی نصیب
نوکِ مژگاں کی خلش پاتا ہوں میں خاروں میں آج

خلق تم کو کیا کہے گی کیا یہی ہے پاسِ وضع
سیر کرتے پھرتے ہو تنہا جو بازاروں میں آج

واقفِ رازِ نہاں ہے بخش دے تو اے خدا
شرم آتی ہے مجھے جرمونکا اقراروں میں آج

پھر جنابِ قیس کو کچھ دل لگی سوجھی نہ ہو
پارسا بن کر وہ بیٹھے ہیں نکوکاروں میں آج

ردیف جیم فارسی

اے مصوّر تو مری تصویر یوں اک بار کھینچ
بیخود و بیتاب و مضطر جان سے بیزار کھینچ

کاٹ ابرو کا نہ ہوگا میرے حق میں کارگر
رہنے دے یہ کُند خنجر تیغ جوہردار کھینچ

اس سے بڑھکر چاہیئے کیا رہن تم کو واسطے
محتسب کے سر سے اے متوالے تو دستار کھینچ

ذبح کرنا ہی مرا تجھکو جو ہے مدِّ نظر
باندھ لے پٹکا کمر سے ہاتھ میں تلوار کھینچ

جب نصیبِ دشمناں یہ سخت جانی ساتھ ہو
اور کچھ دن انتظارِ مرگ اے بیمار کھینچ

ننگ اگر ملنے میں ہے تو کر چھری سے فیصلا
میرے اپنے درمیاں ایک آہنی دیوار کھینچ

بخش دے آنکھوں میں آکر نور کا عالم مجھے
قلب دردآگیں سے خارِ حسرتِ دیدار کھینچ

زندہ رہنے کے لیئے تھوڑا سہارا چاہیئے
جھٹکے دے دے کر نہ دامن اے بتِ عیار کھینچ

عاشقوں سے اس قدر اچھا نہیں شرم و حجاب
اس میں کوئی رمز ہے تو پردۂ اسرار کھینچ

کر خوشی سے قتل اگر میں خون کا دعویٰ کروں
حشر میں گدّی سے تو میری زباں اے یار کھینچ

مہوشوں سے دل لگا کر شکوۂ بیداد کیا
بار درد و رنج و غم ہو سہل یا دشوار کھینچ

ہو نہیں سکتا علاجِ سوزِ دل اے چارہ ساز
زحمتیں اتنی نہ میرے واسطے بیکار کھینچ

دے پسینے کی مجھے خوشبو کہ آؤں ہوش میں
لخلخے کے واسطے عطرِ گلِ رخسار کھینچ

زہد کے پردے میں اے زاہد ریاکاری نہ کر
دانۂ تسبیح سے یہ رشتۂ زنار کھینچ

دل نہ اُس بیدرد ظالم کا پسیجے گا کبھی
نالے کر اے قلیسؔ تو یا آہ آتشبار کھینچ

ردیف حائے حطی

مجبور یہ ہوں بس نہیں چلتا کسی طرح
اُن کو دکھا دوں داغ دل اپنا کسی طرح

رات اُس پری کو ہمنے منایا کسی طرح
شیشے میں منتوں سے اُتارا کسی طرح

جب جانوں میں سمجھیں کہ ہو تم غیرتِ مسیح
کر دو مریض ہجر کو اچھا کسی طرح

یارب بڑا مزا ہے محبّت کے پیچ میں
سر سے مرے نہ جائے یہ سودا کسی طرح

تیور بگڑ چلے تھے مگر خیر یہ ہوئی
کہ سن کے ہمنے دل کو سنبھالا کسی طرح

جاتی ہے کسکی لاش ذرا تم بھی دیکھ لو
غرفے سے جھانک کر یہ تماشا کسی طرح

اے عشق خوب دیکھ لیں تیری عنایتیں
اب مجھ سے بار غم نہ اُٹھے گا کسی طرح

ہے دل میں شوق وصل میں اس دل کو کیا کروں
دل رکھ کے صبر ہو نہیں سکتا کسی طرح

ناحق یہ بول اُٹھا ہیں کہ چھلنی ہوا جگر
ضد ہے کہ بس دکھا دو کلیجا کسی طرح

اے چرخ مجھ پر اب تو نہ کر شعلہ باریاں
اچھا نہیں جلے کو جلانا کسی طرح

چلمن گرا کے بیٹھے ہیں وہ سیر کے لیئے
اُٹھ جائے درمیان سے پردا کسی طرح

تیری وفا یہی ہے اگر یا ادا یہی
نکلے گی خاک میری تمنّا کسی طرح

کنجِ لحد میں بھی ہے وہی دل کی بیکلی
مر کر بھی ہائے چین نہ پایا کسی طرح

ہم کو ہماری آرزؤں نے کیا ہے قتل
تم پر نہیں ہے خون کا دعوا کسی طرح

برسوں رہے کسی کے خیالِ کمر میں گم
لیکن نہ حل ہوا یہ معمّا کسی طرح

جھلکی دکھا کے مفت میں رسوا کر گیے یوں
افسوس ہم نہ سمجھے تھے ایسا کسی طرح

اظہار بیخودی کے لیے خطائیں بھیجیے
کھنچتا اگر جنوں کا نقشا کسی طرح

کیونکر شبِ فراق کٹی کچھ نہ پوچھیے
مر کر ہوا ہوں زندہ دوبارا کسی طرح

کاہیکو ہو کسی سے کسی کو گِلا کبھی
سمجھے کوئی جو درد کسی کا کسی طرح

چاہے وفا بھی ہو کہ نہ ہو اختیار ہو
تم کر تو دو وصال کا وعدا کسی طرح

اللہ سے یہی ہے اب اے قیس التجا
ہو خاتمہ بخیر ہمارا کسی طرح

تیور میں بل ہے ابروِ خمدار کی طرح
خنجر کو باڑھ دیجیے تلوار کی طرح

در پر ترے پڑا ہوں میں بیمار کی طرح
اب زندگی ہے سایۂ دیوار کی طرح

خوشبوے زلف سے ہی معطر مشامِ روح
روشن ہی تجھ سے دل ترے رخسار کی طرح

کھنچنا کسی سے شیوۂ اہلِ کرم نہیں
جھکیے کبھی تو شاخ ثمردار کی طرح

نکلے ہیں تیغ کھینچ کے وہ آج قتل کو
ہم کیوں نہ سر جھکا لیں گنہگار کی طرح

نشہ چڑھا ہے یار کو حسنِ شباب کا
مستانہ سب ادائیں ہیں میخوار کی طرح

دل تو دیا ہی مفت جو ہر عیب سے ہی پاک
کیا اس کو بھانپتے ہو خریدار کی طرح

روکے ہوئے ہیں آج بڑی مشکلوں سے ہم
پہلو میں دل کو آہ شرربار کی طرح

ٹپکا رہی ہیں آنکھیں نچھاور کے واسطے
قطرے سرشک کے دُرِ شہوار کی طرح

جاگیں گے خواب مرگ سے ہم شوق دید میں
آنکھیں کھلیں گی طالع بیدار کی طرح

اللہ کی ہے شان کہ تم دیکھتے نہیں
مضطر ہے دل بھی طالب دیدار کی طرح

تیرِ نگاہ ناز نے چھلنی کیا جگر
اُترا جو سینہ توڑ کے سوفار کی طرح

مانگی دعاے وصل تو فرقت ہوئی نصیب
قسمت بدل گئی نگہِ یار کی طرح

ایسا نہ ہو کہ توڑ کے برباد کیجیے
لیتے ہیں دل تو لیجیے دلدار کی طرح

دیکھو تم آکے داغ دلِ قیس کی بہار
ہیں پھول رنگ رنگ کے گلزار کی طرح

ردیف خای معجمہ

زمانے بھر سے ہے وہ مہ لقا شوخ
اور اُس سے بڑھکے اُس کی ہر ادا شوخ

مجھے اتنا کبھی ہونا نہ تھا شوخ
مگر تیرے کرم سے نے کر دیا شوخ

اُٹھاؤں داغ ناکامی کہاں تک
اُدھر بھی اک نظر او بے وفا شوخ

ادا خود لوٹ ہے جس کی ادا پر
نہ دیکھا آج تک اس طرح کا شوخ

حسینوں میں کوئی تجھ سا نہیں ہے
ستم پیشہ وفا نا آشنا شوخ

کسی کا دل کیا پامال تم نے
بہت ہی پاؤں میں رنگِ حنا شوخ

میں صدمے سہتے سہتے آگیا تنگ
جفائیں کرتے کرتے وہ ہوا شوخ

قیامت میں بھی برپا کی قیامت
دکھا کر اپنی چشمِ فتنہ زا شوخ

کلیجا چھید کر اُس پار نکلا
ترا تیرِ نظر ہے بد بلا شوخ

محبت دیکھیے بنتی ہے کیوں کر
میں نازک طبع ہوں وہ پُر دغا شوخ

نہ نکلا کام کچھ جب منتوں سے
اُنھیں شعلہ بیانی سے کیا شوخ

میں تیرے ناز اُٹھانے کو ہوا خلق
تو میرا دل جلانے کو بنا شوخ

سراپا تیری آنکھیں سُرمگیں ہیں
نگاہیں ہیں مگر اے دلربا شوخ

مرا خط پڑھکے برہم کیوں نہ ہوتے
بیانِ مدعا تھا جا بجا شوخ

ذرا تم قیس کا دیوان دیکھو
غضب کا ہے یہ شاعر منچلا شوخ

سرسبز ہے تیری نگہِ فیض سے ہر شاخ
دے گی شجرِ عشق میں اب کوئی ثمر شاخ

بڑھتی ہی رہی نخل محبت کی اگر شاخ
پہنچے گی سرِ بام یہ اے رشکِ قمر شاخ

کیا فصل گل آتے ہی دم رقص چمن میں
پتوں کو بنا لیتی ہے طاؤس کے پر شاخ

رکھنا قدم اے دل رہ الفت میں سنبھل کے
پھیلی ہے مصیبت کی پُر از فتنہ و شر شاخ

کرنے کو عیاں شان کرم اہل کرم کی
لاتی ہے ثمر جب تو جھکا دیتی ہے سر شاخ

کچھ تیشہ کا ڈر ہے نہ تبر کی کوئی پروا
ہے سر بفلک عشق کی بے خوف و خطر شاخ

دیکھے کوئی اشجار گلستاں کی ادائیں
دیتی ہے بہار آنے کی مستانہ خبر شاخ

تیرے رخ روشن میں ہیں دو ابروِ پُر خم
یا حُسن کی ہے ایک اِدھر ایک اُدھر شاخ

مرجھا کے ہوا سبز مرا نخل تمنّا
پھل پھول مگر لانے کو ہے بار دگر شاخ

دو دل ہوں اگر نرم تو کیوں وصل ہو مشکل
مل جاتی ہے پیوند میں تر شاخ سے تر شاخ

شبنم کے ہیں قطرے کہ عرق کی ہیں یہ بوندیں
برساتی ہے پھولوں سے عجب سلک گہر شاخ

تیرا قد بالا بھی ہے قدرت کا کرشما
ہے زلف کی دو شاخوں میں ایک اور کمر شاخ

عاشق کو پہنچنے دو ذرا خلد بریں تک
حوروں میں نکالے گی بہت اسکی نظر شاخ

ہیں متحد الاصل سب انسان کی شاخیں
کرتی ہے عبث ایک سے کیوں ایک حذر شاخ

گو خشک زمیں ہے یہ غزل قیس کی لیکن
گلدستۂ شاداب ہے مضموں کی ہر شاخ

ردیف دال مہملہ

عاشق ہوں اگر آئے تجھے مہر و وفا یاد
لِلّٰہ تو کرنا کبھی مجھکو بھی ذرا یاد

کچھ عیش رہا یاد نہ نالا نہ بکا یاد
سب بھول گیا صرف ترا نام رہا یاد

مشہور زمانے ہو تم رشک مسیحا
دو جلد اگر ہو مرضِ غم کی دوا یاد

اچھا نہ ہوا انجام تو تکلیف ستم کیا
وہ ظلم کر ایجاد کہ آجائے خدا یاد

اوروں سے تو باتیں بھی بنانا نہیں آتیں
ہاں میرے ستانے کو ہیں سو جور و جفا یاد

گالی ہی لکھی خط میں تو کیا غم نہیں اسکا
صد شکر کسی طرح تو خیر اُس نے کیا یاد

ای ضبط فغاں دل کو میں سمجھاؤں کہانتک
اب وعدہ وفا کرنے کی تو اُن کو دلا یاد

میں مر کے یہ خوش ہوں کہ نبھی خوب محبت
وہ دل میں پشیماں ہیں کر کر کے دغا یاد

کیوں دم نہ تری نازکی رفتار سے اُلجھے
آتی ہے مجھے بوے گل اے باد صبا یاد

وا کر کے لب شکوہ خجل اُلٹے ہوئے وہ
گذری ہوئی باتیں جو دلانے میں لگا یاد

دیوانے ترے ڈھائینگے اک تازہ قیامت
آئے گی قیامت میں اگر تیری ادا یاد

پڑھ کر وہ خطِ شوق ہوئے کس لیے برہم
کیا سلسلۂ نامہ و پیغام نہ تھا یاد

درخواست مرے وصل کی اللہ سے کرنا
آجاؤں کسی روز اگر وقت دعا یاد

سر کاٹ کے ناحق کفِ افسوس ملوگے
دیکھوگے مرا خون تو آئے گی حنا یاد

زیبا نہیں پیری میں جوانی کی ترنگیں
اے قیس سنبھل دل سے حسینوں کی اُٹھا یاد

میں کیا کہوں کہ یہاں کیا وہاں ہی کیا موجود
یہاں ہے درد وہاں درد کی دوا موجود

نظر جو ہم سے ملی تو ہوئی حیا موجود
مگر ہے غیر سے لڑنے کو برملا موجود

وہ جرم قتل عمد کس طرح چھپائیں گے
ہمارے خون کے دھبے ہیں جابجا موجود

غلط ہوا آپ کا سب ادعائے یکتائی
ابھی جو سامنے آکر ہوا آئینا موجود

ہزار کوئی عدو ہو مجھے نہیں پروا
کہ ہر کسی کا نگہبان ہے خدا موجود

فضول اوروں کی مٹی کو تو خراب نہ کر
یہ میری خاک کے ذرّے ہیں ای صبا موجود

تلاش خضر کی زحمت نہ ہم سے اُٹھّے گی
طریق عشق میں ہے دل ہی رہنما موجود

خدا کی شان جہاں تم نے مجھ کو یاد کیا
میں دست بستہ وہیں آکے ہو گیا موجود

ہمیں نصیب کہاں فرش قاقم و سندس
کرم کیا ہے تو بیٹھو ہے بوریا موجود

کوئی بھی کام نہیں آسکا مصیبت میں
تھے لاکھوں لاکھ مرے دوست آشنا موجود

حصول دولت دیدار کی جب آس بندھی
خوشی کے پردے میں آکر ہوئی قضا موجود

تمام مشکلیں دم بھر میں ہو گئیں آساں
خلوص دل سے کہا جب کسی نے یا موجود

چمن میں بادہ کشوں پر نزول رحمت سے
فروغ جشن بڑھانے کو ہے گھٹا موجود

کٹے گی چین سے کس طرح زندگی اے قیس
ہمیشہ ایک نہ اک رہتی ہے بلا موجود

نالے بیتاب ہیں سینے میں تو مضطر فریاد
ہے تجھی سے مری اے داور محشر فریاد

نہ ہوئی پر نہ ہوئی نخل ثمر ور فریاد
گو لہو رو رو کے کرتے رہے گھر بھر فریاد

چاہتا ہوں کہ رہے سینے میں چھپ کر فریاد — سوز غم سے مگر آجاتی ہے باہر فریاد

رات دن مشغلۂ آہ و فغاں رہتا ہے — درد اُٹھے تو نہ کیوں آئے لبوں پر فریاد

دور ہو جائے مری تشنہ لبی کا شکوا — حشر میں سُن لیں اگر ساقیِ کوثر فریاد

کوچۂ یار کو میدان قیامت کہیئے — کرتے رہتے ہیں جہاں لوگ برابر فریاد

دیکھوں کیونکر اثر انداز نہیں ہوتی ہے — دل کو تھامے رہو کرتا ہوں مکرر فریاد

سُن کے رہ جاتے ہیں خاموش عدو کے ڈر سے — ورنہ کر دیتی ہے بے چین اُنھیں اکثر فریاد

مشق کرتی ہے مری طرز فغاں اے بُلبُل — یا چبھوتی ہے ترے دل میں بھی نشتر فریاد

بے اثر یوں ہی شب و روز رہی گی کب تک — کاش سنتا کبھی یارب وہ ستمگر فریاد

شکر ہے اُس نے مرا حال مجھی سے پوچھا — ہو گئی صدق طلب میں مری رہبر فریاد

ہجر ساقی میں جو توڑے گئے سامان طرب — ہم تو ہم کرنے لگے شیشہ و ساغر فریاد

میرے ہی طرح کسی پر جو کہیں دل آتا — دیکھتا میں کہ نہیں کرتے ہو کیونکر فریاد

ضبط نالہ سے کبھی ہوتی تھی حیرت سب کو
اب ہے اے قلیسؔ ترے شور سے گھر گھر فریاد

زاہد کو زہد رند کو جام و سبو پسند — ہے مجھکو وہ پسند کرے جس کو تو پسند

جب ہے مجھے وظیفۂ لَا تَقْنَطُوا پسند — تیری تلاش کیوں نہ کروں چار سو پسند

ہاتھوں کو لال کرتے ہو مہندی سے کس لیئے — کیا تم کو عاشقوں کا نہیں ہے لہو پسند

تو جا لڑی کہاں سے کہاں اے نگاہ شوق — مجھکو ہے جان و دل سے تری جستجو پسند

ہاں کچھ قصور ہو تو مجھے قتل کیجئے
بے وجہ روٹھنے کی مگر کیا ہو خو پسند

رنگوں میں رنگ عارض گلگوں ہو دلفریب
خوشبوؤں میں تمہارے ہی گیسو کی بو پسند

اس رنج میں کہ تیری طلب سے پڑا ہی دور
مچلا ہوا ہے آج دلِ آرزو پسند

اے چارہ ساز کاوشِ بیجا سے درگزر
چاکِ جگر میں ہو نہیں سکتا رفو پسند

ہے میرے جسم و جاں میں لڑائی چھڑی ہوئی
آیا ہے جب سے ایک بُتِ جنگجو پسند

حور و پری کے قصّوں فسانوں سی کیا غرض
مجھکو تو تیری باتیں ہیں اے ماہرو پسند

وہ آپ ہی دیکھ لیں گے مرے دل کا حوصلا
کھینچیں بھی تو میان سے تیغِ گلو پسند

بڑھتی ہے رونے ہی سی عبادت کی منزلت
آبِ سرشک سے نہ ہو کیونکر وضو پسند

باتیں کیں دشمنوں سی بھی ہم نے تو لطف کی
اُکھڑی ہوئی کسی سے نہیں گفتگو پسند

صوفی کے حال قال کو میر اسلام ہو
میں محوِ سرِّ حق ہوں نہیں ہاؤ ہو پسند

اے قیس لفظ لفظ میں ہے رمز عاشقی
کیونکر ہمارے شعر کریں گے عدو پسند

ردیف دال ہندی

اے بت تو کرتے ہو کیا اُٹھتی جوانی پر گھمنڈ
توڑتا ہے بلبلوں کو بہتے پانی پر گھمنڈ

قمری و بلبل سی قدر سرو و گل گلشن میں ہی
باغبانوں کو ہے بیجا باغبانی پر گھمنڈ

چار دن رہ سہکے مل جانا ہی سبکو خاک میں
کس لیے کوئی کرے اس زندگانی پر گھمنڈ

آئی رہتی ہے ہمیشا کوس رحلت کی صدا
ہے عبث لوگوں کو ایسے جسم فانی پر گھمنڈ

حشر تک جینے کی ہم تو آرزو رکھتے نہیں
خضر کو زیبا ہے عمرِ جاودانی پر گھمنڈ

بے کمالی بھی مری وجہِ تعلّی ہی رہی
بے زبانی میں ہے مجھکو بے زبانی پر گھمنڈ

کرلیا ہے موم گرما گرم فقروں سے اُنھیں
بے محل کب ہے مرا آتش بیانی پر گھمنڈ

آمد آمد ہے خزاں کی فصلِ گل کے ساتھ ساتھ
بلبلیں کرلیں بہارِ بوستانی پر گھمنڈ

آئے موسیٰ غش میں جب برقِ تجلی دیکھکر
حق بجانب ہے تمھارا لن ترانی پر گھمنڈ

اُٹھ گئے دنیا سے میرے ہمصفیرانِ سخن
کس کے آگے اب کروں میں نکتہ دانی پر گھمنڈ

پھونکنے پر ہستیِ موہوم کے ہیں مستعد
اس قدر نالوں کو ہے اخگر فشانی پر گھمنڈ

دوستوں کو دوستی پر کیوں نہیں ہوتا غرور
دشمنوں کو جب ہے تیری مہربانی پر گھمنڈ

اہل فن سمجھے نہ سمجھے کوئی اس کا غم نہیں
قیس رکھتا ہے طبیعت کی روانی پر گھمنڈ

ردیف ذال معجمہ

جوششِ گریہ میں اُس کو جو لکھا تھا کاغذ
بہ گیا آنسوؤں سے گھل کے وہ سارا کاغذ

شکل اُمید کوئی مجھ کو دکھاتا کاغذ
تو نے بھولے سے بھی ایسا نہیں بھیجا کاغذ

عرضِ حالِ دلِ بیتاب کی صورت نہ بندھی
بیخودی میں کبھی لکھا کبھی پھاڑا کاغذ

کیوں نہ ہو سبزۂ خط کو رخِ گلگوں کی تلاش
اچھی تحریر کو درکار ہے اچھا کاغذ

اے خدا رنج و غمِ ہجر اٹھاؤں کب تک
تو بدل دے مری قسمت کا پرانا کاغذ

وعدۂ وصل کسی روز بھی ایفا نہ ہوا
بارہا گو مری تسکین کو آیا کاغذ

سیل ہے طبع رواں سطریں ہیں موجیں اسکی
ہو گیا میرے مضامین سے دریا کاغذ

ظلم کرتے ہو کرو خیر قیامت کے دن
خوش تو ہو جاؤ گے تم دیکھ کے اپنا کاغذ

نامۂ یار نہیں مرہم کافور سے کم
ہے مرے داغ جگر کے لیئے پھاہا کاغذ

مٹ گیا صفحۂ دل سے ترے کیا نقش وفا
لا کے قاصد نے دیا مجھ کو جو سادا کاغذ

شرم آتی ہے مجھے داغ سیہ کاری سے
آنسو دھو دیتے کسی طرح عمل کا کاغذ

راز کیوں فاش کیا دے کے زبانی پیغام
کیا میسّر نہ ہوا آپ کو تھوڑا کاغذ

کر دی کیوں تم نے قلمزد رقمِ شوق عبث
لڑکوں کا کھیل ہے لکھ لکھ کے مٹانا کاغذ

دیکھی بیچارگیِ محض تو شاعر بن کر
سرگزشت اپنی سنانے کو نکالا کاغذ

کوئی سنتا نہیں اے قیس فنا میرا
درد دکھ کس کو لکھوں کون پڑھے گا کاغذ

ردیف رای مہملہ

پوچھتے کیا ہو کہ ہے کس طرح کا تیرا جگر
چیر کر پہلو تمھیں خود دیکھ لینا تھا جگر

جس کو چاہا دل دیا میں نے جسے چاہا جگر
ہے طبیعت اپنی اپنا دل ہے اور اپنا جگر

عشق کرنے کو بڑا بھاری کلیجا چاہیئے
ہو کسی کو حوصلا تو لائے میرا سا جگر

روتے روتے کیوں ہماری نبض ساقط ہو گئی
پانی ہو ہو کر بہا اشکوں کے شامل کیا جگر

جس بشر کا جی نہ ہو گا سوز غم سے آشنا
اُس کے پہلو میں بھلا کس کام کا ہو گا جگر

اس طرح فریاد میری بے اثر پھرتی نہیں
کیا کروں تو نے مگر پایا ہے پتھر کا جگر

دیکھ لی شرطِ وفا الفت اسی کا نام ہے
اک ذرا سی دل لگی میں توڑ کر پھینکا جگر

داغ حسرت لے کے جب تیری گلی سے میں اٹھا
جان لب پر آگئی وہ درد سے تڑپا جگر

گو کسی لائق نہیں سچ ہے مگر یہ تو کہو
تم نے دیکھا ہے کسی کا اور بھی ایسا جگر

رنج فرقت میں شریکِ حال کوئی کب ہوا
سو طرح کی دقتیں سہتا رہا تنہا جگر

تیر مژگاں قہر ہے تو جنبشِ ابرو ستم
اِس نے دل ٹکڑے کیا اُس نے مرا چھیدا جگر

کس خوشی سے مر مٹا میں عین جانبازی ہے یہ
ذبح کر کے خوب تو نے آزما دیکھا جگر

سر چڑھا کر یوں نگاہوں سے گرا دینا نہ تھا
ہو گیا ٹکڑے ہمارا نازکا پالا جگر

آرزوے وصل سنکر مجھ سے وہ کہتے ہیں کیا
مُنہ تو اپنا دیکھ اس قابل ہوا تیرا جگر

صدموں پر صدمے سہے اے قیس لیکن اُف نہ کی
تم کو بھی اللہ نے بخشا ہے کیا اچھا جگر

بجلی گرے گی دامن ابرِ بہار پر
آنسو بہا رہے ہیں وہ میرے مزار پر

صدقے ہزار جان رخِ گلعذار پر
قربان لاکھ دل نگہِ شرمسار پر

فیضِ بہار ہے چمنِ روزگار پر
بلبل چہک رہی ہے گلوں کے سنگار پر

قایم کبھی رہے بھی ہو قول و قرار پر
دیتا میں نقد دل تمھیں کس اعتبار پر

دل کب ہے لوٹ نرگس شہلائے یار پر
بپھرا ہوا ہے شیر ہرن کے شکار پر

ٹوٹی جہاں لڑی مرے تارِ سرشک کی
موتی بکھر گئے مژۂ اشکبار پر

زلفوں نے بڑھ کے نرگس جادو کے سامنے
ڈالی نقاب لیلیٰ محمل سوار پر

سمجھیں گے لوگ دیکھ کے تربت شہید کی
چھینٹے لہو کے دو مری مشتِ غبار پر

تقصیر ہو معاف کہ قابو میں دل نہ تھا
آزردہ کیوں ہو نالۂ بے اختیار پر

طے ہو رہی ہے منزل دشوار زندگی
گرمِ سفر ہوں ابلق لیل و نہار پر

تاثیر سوز عشق نے بخشا ہے کیا فروغ
ہنستے ہیں داغ دل چمنِ لالہ زار پر

مجھ ناتوان و زار کو ہلکا نہ جاننا
گو مر مٹا ہوں پھر بھی ہوں بھاری ہزار پر

دل کی طلب ہی اور طلب بھی ادا کے ساتھ
کیونکر نہ آئے پیار مجھے اُن کے پیار پر

لو قسمتوں سے یار سویرے ہی آگیا
ٹوٹا ہے آسمان شبِ انتظار پر

کہتے ہیں عشق عشق وہ کیا جانیں دردِ عشق
جو مر رہے ہیں لذتِ بوس و کنار پر

کیسی جلن ہے کیسی تڑپ کیا ہے اضطراب
دیکھو تو ہاتھ رکھ کے دلِ بیقرار پر

تارِ گلو میں خون شہادت ہے موجزن
ہونے کو ہوں نثار دمِ تیغ یار پر

دم بھر کی مستی ہے حسنِ شباب کیا
دھوکھا نہ کھاؤ دولت ناپائدار پر

تیری گلی میں آکے پڑا ہے وطن سے دور
چشمِ کرم ہو قیس غریب الدیار پر

آوارہ میں ہوں کوچۂ دلبر سے نکل کر
نکہت کی طرح برگِ گلِ تر سے نکل کر

پچھتاؤ گے اے جان تم اس گھر سے نکل کر
کہتا ہوں نہ جاؤ دل مضطر سے نکل کر

چکر ہی میں رکھتی ہے مجھے گردش افلاک
جاؤں میں کہاں گنبد اخضر سے نکل کر

ملتا ہے مجھے آتش الفت ہی میں آرام
آئی ہے مری روح سمندر سے نکل کر

عالم میں جگر سوز مری شعلہ بیانی
آگے ہی رہا کرتی ہے صرصر سے نکل کر

عشقِ مژۂ یار سے چکر میں پڑا دل
گردش ہے کہاں چرخ کو محور سے نکل کر

آنسو یہ بہائے ہیں مرے غم میں بتوں نے
یا چشمے رواں ہو گئے پتھر سے نکل کر

قاصد نہ پھرا لے کے جوابِ خط عاشق
اب روح چلی ہے تن لاغر سے نکل کر

آئی ہے ترے ہونٹوں میں ای غیرت شیریں
شیریں دہنی قند مکرر سے نکل کر

سرگرم رہ وادیِ الفت جو ہوا میں
غربت بھی مرے ساتھ ہوئی گھر سے نکل کر

اے دل یہ رہے یاد کہ ہو جائے گی ذلت
پھیلیں گے ترے پاؤں جو چادر سے نکل کر

رندوں میں جو لیتے ہیں بہت ڈینگ کی واعظ
مُنہ چوم نہ لے مے کہیں ساغر سے نکل کر

ہیبت سے جگر تھام کے چیخ اُٹھے فرشتے
جب آہ بڑھی گنبد اخضر سے نکل کر

جاتی رہی دل سے مرے تسکین کی صورت
سودائے محبت نہ گیا سر سے نکل کر

عالم میں نہیں ہے یہ چمک شمس و قمر کی
پھیلی ہیں شعاعیں رُخ انور سے نکل کر

میں زیر لحد ہوں وہ سر قبر کھڑے ہیں
کیونکر ملوں اس خانۂ بے در سے نکل کر

تاثیر تک اِن کی جو نہیں ہوتی رسائی
حیران ہیں نالے دل مضطر سے نکل کر

رنگین قبا پر بھی ہو اک نور کا عالم
عکس آئے اگر جسم منور سے نکل کر

بول اُٹھے لپٹ کر مرے دامن سے یہ آنسو
برباد ہوئے ہم مژۂ تر سے نکل کر

بے چین مرے نالوں نے کچھ اُن کو کیا ہے
کیا ہے جو چلے آتے ہیں وہ گھر سے نکل کر

تقدیر جو چمکی تو مری دولت وصلت
مفلس کو ملی دست توانگر سے نکل کر

میں جوش جنوں میں جو چلا جانب صحرا
مجنوں نے لیئے میرے قدم گھر سے نکل کر

قاتل نے جو مُنہ پھیر لیا تھا دم بسمل
سو کوس گیا دور ہیں خنجر سے نکل کر

کہتے ہیں یہ اشعار گہر بار ہمارے
مشہور ہیں ہم طبع سخنور سے نکل کر

جب لطف ہوا قیس کہ الفت کی کہانی
خالق بھی سنے عرصۂ محشر سے نکل کر

ہونگے وہ شرمندہ نامحرم کو محرم دیکھ کر
اشک برسانا مگر اے چشم پرنم دیکھ کر

مرگ دشمن پر اُنھیں سرگرم ماتم دیکھ کر
گر پڑی بجلی ہمارے دل کا عالم دیکھ کر

راز کی باتیں کرے آدم سے آدم دیکھ کر
دوست و دشمن دیکھ کر اغیار و ہمدم دیکھ کر

ہم یہ سمجھے تھے کہ اُن کی دید سے ہوگی شفا
اور اُلجھن بڑھ گئی گیسوئے برہم دیکھ کر

رنج ہوتا ہے مجھے تو دشمنوں کو رنج سے
اُن کے گھر نقارے بجتے ہیں مرا غم دیکھ کر

جب دکھایا دل تو وہ ظالم تُنک کر بول اُٹھا
کیا کرینگے ایسی ٹوٹی پھوٹی شئے ہم دیکھ کر

یار کی تصویر بھی تصویر حیرت بن گئی
شیشۂ دل میں ہجوم داغ پیہم دیکھ کر

کیا ستم ہے غیر سے یٰسین پڑھواتے ہیں وہ
میرے لب پر نزع میں آیا ہوا دم دیکھ کر

گوہر پر آب سمجھے ہم عرق کی بوند کو
چہرۂ گلرنگ پر مانند شبنم دیکھ کر

چند روزہ شادی و غم کی حقیقت کھل گئی
ہستیِ موہوم میں دونوں کو توام دیکھ کر

دے چکے ہم دل تو پھر آرام یا تکلیف کیا
لائے ہیں ایمان کیا جنت جہنم دیکھ کر

پہنچے ہم عشقِ زنخداں میں لبِ جاں بخش پر
تشنۂ کوثر چلے تھے چاہ زمزم دیکھ کر

کوہ غم سر پر اٹھا لیتے ہیں وقتِ امتحاں
ہیں وہ خاموش اپنے جانبازوں کا دم خم دیکھ کر

رشک بھی بیہودہ شئے ہے کبر و نخوت بھی حرام
اپنے رتبے سے کسی کو بیش یا کم دیکھ کر

ایک اشارے پر ہزاروں مرنے والے جی اٹھے
دنگ ہیں اعجاز تیرا ابن مریم دیکھ کر

حشر کے دن خوب شہرت ہوگی میرے نام کی
دفترِ عشاق میں سب سے مقدم دیکھ کر

تیری محفل میں عدو سوزِ حسد سے جل بجھے
مجھکو تجھ سے ہم بغل اے جانِ جانم دیکھ کر

موت ہے محوِ تبسم گھات میں بیٹھی ہوئی
عاشقِ بیمار پر ہوتے ہوئے دم دیکھ کر

چپکے چپکے کر رہے ہو کس سے تم کج بحثیاں
آئینہ خانے میں اپنی زلف پُرخم دیکھ کر

پڑھ کے خط اے نامہ بر تو خود ہی سمجھانا انھیں
ہوں اگر چیں بر جبیں مضمون مبہم دیکھ کر

قیس کی تدبیر صحت چارہ گر سے ہو چکی
ہنستے ہیں زخمِ جگر سامان مرہم دیکھ کر

چھلنی چھلنی ہے کلیجا موئے مژگاں دیکھ کر
ٹکڑے ٹکڑے دل ہوا ابروئے جاناں دیکھ کر

رات سوئے تھے ہم انکی زلف پیچاں دیکھ کر
نیند میں چونکا کئے خواب پریشاں دیکھ کر

حسرتیں کیوں کر نہ بالائے لحد سر پیٹتیں
خاک پر ہم کو پڑا ہے ساز و ساماں دیکھ کر

رحم کا طالب ہیں اپنی سخت جانی سے رہا
اس کے دستِ نازنیں میں تیغ براں دیکھ کر

جوشِ وحشت میں بڑھی جب نوکِ مژگاں کی خلش
گدگدی پیدا ہوئی خارِ بیاباں دیکھ کر

عاشقوں کو قتل کرتے ہی وہ غش کھانے لگے
ہو گیا ہلکا لہو خونِ شہیداں دیکھ کر

مر کے بھی سر سے نہ نکلا کوئے جاناں کا خیال
آنکھ میں آنسو بھر آئے باغِ رضواں دیکھ کر

دیکھتے ہی دونوں گال اُسکے میں سجدے میں گرا
دولتِ ایماں ملی اوراقِ قرآں دیکھ کر

کہتے ہیں شبنم جسے پیرِ فلک ہے اشکبار
بلبلوں کی بے بسی پر گل کو خنداں دیکھ کر

خانۂ دل میں امیدِ وصلِ یار آنے کو تھی
پھر گئی لیکن ہجومِ شوق و ارماں دیکھ کر

بلبلے بنتے بگڑتے ہی رہا کرتے ہیں جب
کیا کریں ہم منعموں کے قصر و ایواں دیکھ کر

جو نہ اپنا سر جھکاتے تھے کسی کے سامنے
منہ کے بل گرنے لگے چاہِ زنخداں دیکھ کر

دردِ شانہ کا بہانا کر کے قاتل رہ گیا
جب مری گردن جھکی شمشیرِ عریاں دیکھ کر

گل گریباں چاک ہیں گلشن میں اُس کی دید سے
بلبلیں حیرت زدہ ہیں مجھ کو نالاں دیکھ کر

عالمِ پیری میں کہتے شرم آتی ہے ہمیں
کیا طبیعت ڈھونڈتی ہے ابرِ باراں دیکھ کر

جھلملا کر رہ گئے تارے شبِ تاریک میں
تا کمر پہنچی ہوئی زلفوں کی افشاں دیکھ کر

میرے لاشے پر حسینوں کا نہیں اتنا ہجوم
اُتری ہیں پریاں مگر تختِ سلیماں دیکھ کر

خون ہو ہو کر نہ بہتے کیوں ہمارے دل جگر
لعلِ لب یاد آتے ہیں لعلِ بدخشاں دیکھ کر

آفتابِ حشر پانی پانی غیرت سے ہوا
آتشِ فرقت سے دل میں داغِ سوزاں دیکھ کر

آتے آتے راستے ہی سے پلٹ جاتی ہیں وہ
اپنی قسمت پر مجھے یاروں میں نازاں دیکھ کر

برقِ تاباں نالہائے پُر شرر سے دنگ ہے
ابر شرمندہ ہے میری چشمِ گریاں دیکھ کر

کون ہے معشوق جس کو حسن کا دعویٰ نہیں
سب خجل لیکن ترا روئے درخشاں دیکھ کر

ایک دن ہر شخص کو ملنا ہے یونہیں خاک میں
پاؤں رکھنا چاہیے گورِ غریباں دیکھ کر

حشر میں تو قیس کو رسوا نہ کرنا اے خدا
خوف سے لرزاں ہے طولِ فردِ عصیاں دیکھ کر

گرا خاک پر جب میں بے جان ہو کر
تو رونے سے حاصل پشیمان ہو کر

یہ سمجھے نہ تھے ہم تجھے اے محبت
کہ ہو جائے گی مشکل آسان ہو کر

اُتر کر کلیجے میں تیرِ نظر نے
کیا گھر ہی برباد مہمان ہو کر

بڑھائی تھی کیا کیا مرے دل کی اُلجھن
تری زلفِ شبگوں پریشان ہو کر

پلا دیتے وہ کاش جامِ شہادت
تو ہم سرخرو ہوتے قربان ہو کر

عجب کیا مرا گھر تمھارے قدم سے
ابھی رشکِ جنّت ہو ویران ہو کر

غضب ڈھانے والی یہ تیری نگاہیں
مری جان لیتی ہیں پیکان ہو کر

اُنھیں دیکھ کر میں جو سکتے میں آیا
بنے وہ بھی تصویرِ حیران ہو کر

دکھا کر مجھے اک جھلک چھپ گئے تم
چلے چال پریوں کی انسان ہو کر

غرض کیا ہمیں غیروں کی ڈیوڑھیوں سے
رہیں گے ترے در کے دربان ہو کر

عدو کی خوشامد سے کیا کام ہم کو
بنیں مور کیوں کر سلیمان ہو کر

بھرے تھے مرے دل میں لاکھوں ارادے
پڑے رہ گئے سارے سامان ہو کر

مرے دستِ شوق اُس طرف بڑھ چلے تھے
ہوئی شرم حائل نگہبان ہو کر

یہ کاشانۂ دل جو اُجڑا پڑا ہے	رہے گا کسی روز ایوان ہوکر

یہ کیا قیس کچھ خیر ہے توبہ توبا
بتوں کی پرستش مسلمان ہوکر

ردیف رای ہندی

زخم خوردہ نیم جاں مجھ کو تو ای قاتل نہ چھوڑ
زیست کا جھگڑا مٹا دے صورتِ بسمل نہ چھوڑ

ابتدائے عشق میں گھبرا کے اپنا دل نہ چھوڑ
اے شناور کشتیِ ہمت لبِ ساحل نہ چھوڑ

کیا عجب ہے جوش میں اُٹھ جائے لیلی کا حجاب
دیکھ اے مجنوں زمامِ ناقۂ محمل نہ چھوڑ

توتیائے چشم بن جائے گی گردِ کارواں
قافلے والوں کا ساتھ ای دل سرِ منزل نہ چھوڑ

بھر دے یارب میرے دل کو اپنے جوشِ عشق سے
اس میں تل بھر بھی جگہ اغیار کے قابل نہ چھوڑ

کھول اے بادِ سحر سربستۂ دل کی گرہ
آج لاینحل ہمارا عقدۂ مشکل نہ چھوڑ

جا کے گلشن میں گلوں پر کس طرح ہونگا نثار
نوچ کر بال و پر اے صیاد بے حاصل نہ چھوڑ

راستا روکے ہوئی ہے وصل کا تیغِ ستم
ڈھا دے اب اس آہنی دیوار کو حائل نہ چھوڑ

مجھ کو پروانا بنا لے اپنی شمعِ حسن کا
دید سے محروم اے رشکِ مہِ کامل نہ چھوڑ

سُن کے فیضِ عام تیرا بن کے آیا ہوں فقیر
خشک اے ساقی خدارا کاسۂ سائل نہ چھوڑ

شکوۂ بیجا سے اس کا دل نہ کوئی پھیر دے
یار کو تنہا کسی غماز کے شامل نہ چھوڑ

شرط ہے سچی طلب ہر مدعا کے واسطے
ہاتھ سے اخلاص کا دامن تو ای غافل نہ چھوڑ

دلبری کے ساتھ کچھ دلدہی بھی چاہیئے
انتظارِ وصل کا کر دے چھری سے فیصلا

یونہیں دل لیکر مجھے ای جانِ جاں بیدل نہ چھوڑ
طائرِ جاں کو اسیرِ وعدۂ باطل نہ چھوڑ

لطفِ صحبت دیکھوں تو کیونکر اٹھاتے ہیں رقیب
تو بھی اے قیس آج کی شب یار کی محفل نہ چھوڑ

ردیف زای معجمہ

اللہ رے ستمگر کافر ادا کے ناز
کرتا ہے وہ مجھی سے مرا دل چرا کے ناز

اچھا نہیں نقاب میں یوں منہ چھپا کے ناز
ہاں شوق ہے تو کیجیئے آنکھیں ملا کے ناز

تلوار کھینچتے ہی کلائی اتر گئی
لو اب اٹھاؤ آپ ہی اپنی جفا کے ناز

دیکھے ہوئے ہیں سارے کرشمے جناب کے
بے سود کر رہے ہیں یہ باتیں بنا کے ناز

تکلیف انتظار مجھے اے اجل نہ دے
میں تنگ آگیا ہوں بہت کچھ اٹھا کے ناز

کیا خاک آئے وعدۂ فردا پر اعتبار
محشر میں بھی دکھاؤ گے آگے خدا کے ناز

تیغِ نگاہ یار کی شوخی بھی قہر تھی
کیا کیا اٹھائے اس کو گلے سے لگا کے ناز

تیرِ نظر میں کھاؤں کہ پاؤں کی ٹھوکریں
تجھ میں بھرے ہیں سر سے قدم تک بلا کے ناز

بے تاب ہو کے تم سے میں لپٹا تو کیا ہوا
آخر کوئی اٹھائے کہاں تک حیا کے ناز

طولِ شبِ فراق کی یا انتہا نہیں
یا اس نے بھی اڑائے ہیں زلفِ رسا کے ناز

ای قیس راہِ عشق میں رکھنا سنبھل کے پاؤں
تم سے نہ اٹھ سکینگے کسی بیوفا کے ناز

ڈھونڈتے پھرتے ہیں ناحق لوگ میرے دل کا راز / کھل نہیں سکتا کسی پر عاشقِ کامل کا راز

چارہ گر کیا سمجھیں گے فریادِ بے حاصل کا راز / ہے نگاہِ یار میں مضمر دلِ بسمل کا راز

حُسنِ لیلیٰ میں اگر ہوتا حقیقت کا وجود / چشمِ مجنوں سے نہ چھپتا پردۂ محمل کا راز

اتحادِ جسم و جاں میں کس طرح مخفی رہے / راز میرے دل کا اُن سے مجھ سے اُن کے دل کا راز

بلبلیں ہیں کیوں چمن میں اس قدر گرمِ فغاں / کھل گیا شاید گلوں کے خندۂ باطل کا راز

شکوۂ جور و جفا کے ٹالنے کا ہے خیال / میں سمجھتا ہوں تری تقریرِ لاطائل کا راز

صحبتِ اغیار میں تم تھے کہیں محوِ نشاط / سُرخ آنکھوں سے ہے ظاہر رات کی محفل کا راز

ایک اشارے میں تمھارے نیم جاں ہو کر گرا / جنبشِ ابرو نے افشا کر دیا بسمل کا راز

صاف چتون کہہ رہی ہے جاؤ گے دشمن کے گھر / مجھ سے پوشیدہ نہیں ہے وعدۂ باطل کا راز

حال میرا پوچھ کر اُن کو پشیمانی ہوئی / اور ہوں شرمندہ میں بھی کہہ کے اپنے دل کا راز

کھینچ کر لے چل مجھے اے جذبۂ جوشِ جنوں / خارزارِ دشتِ وحشت ہے مری منزل کا راز

نالۂ مجنوں سے گو بیتاب تھی لیلیٰ مگر / ضبط نے پردے میں رکھا صاحبِ محمل کا راز

ہم سے شرحِ وجہِ غم اے جانِ جاں ممکن نہیں / آئینے سے پوچھ لو اس عقدۂ مشکل کا راز

دوسروں کے پردوں میں کہنے کو میں سب کچھ کہوں / خاک پتھر کوئی سمجھے گا کبھی میرے دل کا راز

خونِ قیسِ بیگنہ اُس نے چھپا رکھا تو کیا
حشر میں سب پر عیاں ہو جائے گا قاتل کا راز

ردیف سین مہملہ

سُن جو لیتا وہ غمگسار افسوس
یوں نہ کرتا میں بار بار افسوس

تیری فرقت میں حال ابتر ہے
ہو گیا میں بہت نزار افسوس

بیٹھ کر میرے خانۂ دل میں
دل مسلتا ہے کوئی یار افسوس

پھنس کے کنجِ قفس میں بلبل زار
بولی حسرت سے اے بہار افسوس

بیکسوں کا بحالتِ غربت
نہ ہوا کوئی غمگسار افسوس

تیرے تیرِ نگاہ نے اے بُت
کر لیا مرغِ دل شکار افسوس

جامۂ صبر دستِ وحشت سے
ہو گیا آج تار تار افسوس

نقدِ دل کون کھو کے آیا ہے
کر رہا ہے جو بے شمار افسوس

ہجرِ جاناں میں اے مرے ناصح
دل کو ہوتا نہیں قرار افسوس

تو جو آغوش کر گیا خالی
غم سے رہتا ہوں ہمکنار افسوس

تنگ آیا ہوں بیدلی سے میں
تم نہیں دیتے مستعار افسوس

اُس جفا جو کے جھوٹے وعدوں پر
کب تک آخر یہ انتظار افسوس

دل جو خلوت سرائے جاناں تھا
حسرتوں کا بنا مزار افسوس

اُس کو ہم جانے دیتے ہاتھوں سے
نہ رہا دل پر اختیار افسوس

بچ گیا تھا جو ایک دل غم سے
ہو گیا وہ بھی داغدار افسوس

وصل میں کر کے شکوۂ بیداد
ہوں میں کس درجہ شرمسار افسوس

ہجر جاناں میں صورتِ شبنم
میری آنکھیں ہوں اشکبار افسوس

قتل مجھ کو جو بے گناہ کیا
ہو گیا خود ہی سوگوار افسوس

دامِ الفت میں پھنس کے تیرا قیسؔ
ہو گیا رنج و غم سے زار افسوس

خوں چکاں شمشیرِ بُرّاں دیکھ کر قاتل کے پاس
برق وش آئی قضا دوڑی ہوئی بسمل کے پاس

تو ہو سرگرمِ طرب جب غیرِ ناقابل کے پاس
کیوں نہ آتش داں بنے سینا مرا محفل کے پاس

جز ہجومِ یاس و حسرت اور کچھ رکھتا نہیں
ڈھونڈتے ہو کیا تم اب مجھ عاشقِ بیدل کے پاس

مر گیا میں جب بندھی کچھ وصل کی اُنسے اُمید
ہائے ڈوبی کشتیِ عمرِ رواں ساحل کے پاس

شکر ہے یہ لاغری بھی وقت پر کام آگئی
ہم طنابِ خیمہ میں پہنچے ترے محمل کے پاس

یار نے افشاں چنی ہے گیسوِ شب رنگ پر
یا یہ ہیں چھٹکے ہوئے تارے مہِ کامل کے پاس

رائیگاں جائے گی کیا افسوس میری جستجو
بیخودی سی چھا گئی کیوں آتے ہی منزل کے پاس

اور تو کچھ بھی نہیں اے خارِ صحرائے جنوں
ہیں مگر چند آبلے پھوٹے ہوئے اس دل کے پاس

اے ستمگر کچھ تو اپنے جی میں کر اس کا خیال
کس طرح سر پیٹتی ہیں حسرتیں بسمل کے پاس

تیری دزدیدہ نگہ نے جب سے گھورا ہی مجھے
درد بھی آتا ہی تو چھپ چھپ کے میرے دل کے پاس

رقصِ بسمل کا تماشا ہم دکھانے کے لئے
رات بھر تڑپا کیے محفل میں اُس غافل کے پاس

اور بھی اک وار اے قاتل کہ تھوڑی سی ابھی
رہ گئی ہے جان تیرے کشتۂ بیدل کے پاس

دیکھے دل پھر پھیر لینا کیا کبھی ممکن بھی ہے
پوچھ لے ناصح اسے جا کر کسی کامل کے پاس

ہم سے دیوانوں کے آگے ناز کی حاجت نہیں
چال معشوقوں کی چلنا چاہیئے عاقل کو پاس

قیس کا دل چھید کر کیوں رہ گیا ای تیر یار
سینے ہی میں تو پُر ارماں تھا جگر بھی دل کے پاس

تحریر خط نہیں رخ روشن کے آس پاس
سبزے کی ہے روش گل گلشن کے آس پاس

مرنے کے بعد بھی ہے اثر انتظار کا
نرگس کے پھول پھولے ہیں مدفن کے آس پاس

ہم دل ہی دل میں راہ نکالیں گے طور کی
سرگشتہ کیوں ہوں وادی ایمن کے آس پاس

بسمل کیا ہے مجھ کو تو کپڑے سمیٹیے
چھینٹیں لہو کی اُڑتی ہیں دامن کے آس پاس

کانوں تک آپ کے مرے نالے نہ جا سکے
پھیرے لگا کے رہ گئے روزن کے آس پاس

مِسّی لبوں کی اور یہ رخسارے لال لال
گل کے ورق ہیں غنچۂ سوسن کے آس پاس

کھڑکی پر آ کے بیٹھے ہیں وہ آج اوٹ میں
آنکھیں نہ کیوں بچھائیے چلمن کے آس پاس

روکے رہے ہزار طرح کوئی راستا
چھپ کر جگہ بنائینگے رہزن کے آس پاس

نکلا جو بہر سیر مرا شہسوار حُسن
بجلی سی کوندا اُٹھی سُم توسن کے آس پاس

ہم سے وہ جلتے ہیں تو جلائینگے اور بھی
پہلو میں تیرے بیٹھیں گے دشمن کے آس پاس

زلفیں نہیں ہیں آتش رُخ کے اِدھر اُدھر
لہرا رہے ہیں مار سیہ من کے آس پاس

اے دم لبوں پر آ مگر اپنے ادب کے ساتھ
ہی جا گزیں کوئی رگ گردن کے آس پاس

گلشن میں آ کے سُن لو ذرا نغمہ سنجیاں
بلبل کے چہچہے ہیں نشیمن کے آس پاس

ہیں دل کے ارد گرد پھپھولے پڑے ہوئے ‌‌ روشن ہیں قمقمے ترے مسکن کے آس پاس

اُس بُت کی جستجو میں ہم اے قیسؔ بار ہا
پہنچے پو جیری بن کے برہمن کے آس پاس

ردیف شین معجمہ

نہ وطن کی مجھے پروا ہے نہ گھر کی خواہش
ہے نہاں دل میں کسی رشک قمر کی خواہش

جاہ و حشمت کی تمنا ہو کہ زر کی خواہش
ہے دو آبے میں نہاں موج خطر کی خواہش

ترچھی نظروں سے اگر دیکھ لو مڑ کر مجھ کو
ناوکِ ناز سے پوری ہو جگر کی خواہش

گرمیِ آتش غم دل سے بُجھانے کے لیئے
سیل گریہ ہے مرے دیدۂ تر کی خواہش

گلشنِ عشق کبھی پھولتے پھلتے نہ سنا
کیا کریں نخل محبت میں ثمر کی خواہش

چاہیئے دولت جاوید بہم کر لینا
چار دن کو ہے عبث لعل و گہر کی خواہش

خیر ہو کوچۂ قاتل میں لیئے جاتی ہے
دل کو تیروں کی ہوس سر کو تبر کی خواہش

شام ہی سے ہے شبِ وصل یہ کیوں گرم فغاں
کوئی پوچھے تو ذرا مرغ سحر کی خواہش

دیکھی جاتی نہیں اب بار گرانی اپنی
ہوں جدا جسم سے ہی گردن و سر کی خواہش

تم کو اغیار سے فرصت نہ ملی آنے کی
میری آنکھوں کو رہی جنبش در کی خواہش

نارسائی کے سوا نالوں کو حاصل کیا ہے
کیوں اُڑائے لیئے پھرتی ہے اثر کی خواہش

اب تو چھنوائے گی شاید عدم آباد کی خاک
اے ستمگر ترے مضمون کمر کی خواہش

میں نہیں اور کسی چیز کا طالب تم سے
ہے فقط اک کرم آمیز نظر کی خواہش

صاحبِ فن ہی رہا کرتے ہیں پامالِ جفا
کس لیئے کوئی کرے کسبِ ہنر کی خواہش

مفت دنیا میں رہے محو تغافل ای قیسؔ
ہائے پیدا نہ ہوئی زادِ سفر کی خواہش

ردیف صاد مہملہ

بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی جب عاشقِ مضطر کی حرص
لے چلی سوے عدم پابوس گردوں فر کی حرص

تشنہ لب رہنے کی تکلیفیں لکھیں قسمت میں ہیں
دل سے جا سکتی نہیں آبِ دمِ خنجر کی حرص

اس طرف بھی ہو کرم ای ساقیِ صہبا پرست
کھینچ کر لائی ہے مجھ کو شیشہ و ساغر کی حرص

آنکھوں سے آتا ہے دل میں دل سے آنکھوں میں کبھی
رکھتی ہے چکّر میں اُس کو سیر بحر و بر کی حرص

کیوں نہ ہو وجہِ تعجب لعل و گوہر کی طلب
آدمی کا دل کہاں اُسمیں کہاں پتھر کی حرص

غم سے گھل کر رہ گیا ہوں ایک مشتِ استخواں
ہو لحد کو کس طرح میرے تنِ لاغر کی حرص

حشر تک پامال جور و ظلم رکھے گی مجھے
کم نہیں ہوگی کبھی اُس فتنۂ محشر کی حرص

سب کی نظروں میں سبک کر دیتی ہے انسان کو
دشمنِ شرم و حیا ہوتی ہے مال و زر کی حرص

قصر و ایوان قاقم و سنجاب کی حاجت نہیں
ہے بہت گز بھر زمیں اور ایک دو چادر کی حرص

کیا کرینگے خضر دل ہی میں نہ ہوگی جب تلاش
سست ہیں پائے طلب تو ہے عبث رہبر کی حرص

ایک کی ہو کر کبھی دو چار دن رہتی نہیں
زالِ دنیا کو ہمیشہ ہے نئے شوہر کی حرص

نوکِ مژگاں کی خلش خود ہی نکل جانے کو تھی
کیوں بڑھا لی تو نے اے زخمِ جگر نشتر کی حرص

مفت سرگرداں نہ ہو کاخِ مجازی کے لیے
چاہیئے انسان رکھے دل میں اچھے گھر کی حرص

اک نہ اک صورت کوئی میری تڑپنے کی رہی
رات بھر کی بیقراری ہی کبھی دن بھر کی حرص

خاک سے پیدا ہوا ہے جا ملے گا خاک میں
ہے تجھے اے قیسؔ ناحق بالش و بستر کی حرص

ردیف ضاد معجمہ

دینگے زبان وصل کیا آپ کو ہم سے کیا غرض
خوب جفائیں کیجئے لطف و کرم سے کیا غرض

عشقِ بتاں میں شکوۂ جور و ستم سے کیا غرض
چشمِ وفا ہی جب نہیں قول و قسم سے کیا غرض

لکھوں میں خاک حالِ دل پڑھ کے وہ ہونگے مشتعل
جس میں ہو خوف برہمی ایسی رقم سے کیا غرض

چھوڑ کر آپ کی گلی اور کہاں میں جاؤں گا
خلد سے کام کیا مجھے باغِ ارم سے کیا غرض

کعبہ و بتکدہ میں کیوں جاتے ہیں لوگ ڈھونڈنے
خانۂ دل ہے گھر ترا دیر و حرم سے کیا غرض

غیر کی داستان کچھ ہو تو بگوشِ دل سنیں
ان کو مرے فسانۂ رنج و الم سے کیا غرض

جور و قصور کی طلب شیوۂ عاشقی نہیں
مستِ مئے الست کو بیتِ صنم سے کیا غرض

نقشِ خودی مٹے تو خود کون و مکاں کی سیر ہو
جامِ جہاں نما ہے دل ساغرِ جم سے کیا غرض

پا بفلک جو رات دن نشۂ حسن میں رہے
اُس کی تلاش کے لئے نقشِ قدم سے کیا غرض

چاہے جفا ہو یا وفا بندۂ حکم ہوں ترا
خم ہے یہاں سرِ رضا لا و نعم سے کیا غرض

جو ہے لکھا نصیب کا ہو نہ ہو وہ ملے ہی گا
پھر ہمیں اس کی فکر کیا زاید و کم ہو کیا غرض

اپنے خیال پاک ہیں اپنی روش درست ہی
کوئی ہزار کچھ کہے غیر کو ہم سے کیا غرض

دینے کو تھے جواب خط سوچ کے دل میں رہ گئے
لکھتے بھلا ہمیں وہ کچھ اپنے قلم سے کیا غرض

صبح کی زار نالیاں وصل کی رات لائی ہیں
لطف کی باتیں چاہییں قصۂ غم سے کیا غرض

قیس اگر ہو دل سے تم عاشق زار مصطفےٰ
اٹھو عرب کی راہ لو ہند و عجم سے کیا غرض

ردیف طای مہملہ

عدو نے کی ہے جو تصنیف داستان غلط
یہ سب فساد کی باتیں ہیں کل بیان غلط

ہے تم کو اس قدر اے جان جاں گماں غلط
کہ میرے عشق کو سمجھو خدا کی شان غلط

چلے ہیں فاتحہ پڑھنے رقیب کو لیکر
وہ دے رہا ہے مری قبر کا نشان غلط

خلاف وعدگی مجھ سے ہوئی یا تم سے
ذرا کہو تو سہی کس کی ہے زبان غلط

مجھی کو اس نے جو تاکا ہے پیسنے کے لئے
چلا ہے چال بہت ہی یہ آسمان غلط

صدائے نالہ و فریاد پر چلے آنا
کہیں بتا نہ دے کوئی مرا مکان غلط

خیال تھا کہ نہ ہو گھر میں دوسرا کوئی
وہ آئے دیکھنے کو بن کے میہمان غلط

ملی ہے میرے ہی باعث وہاں کی دربانی
مگر کچھ اور ہی سمجھا ہے پاسبان غلط

مری نگاہوں نے لاکھوں حسین دیکھے ہیں
ترے مقابلے ہیں سب کی آن بان غلط

کیا ہے صدمۂ پیہم نے چور چور جگر
مجھے ہے دشت نوردی سو یہ گمان غلط

ہمیشہ ہوتی ہیں مکر و فریب کی باتیں
کہے صحیح بھی دشمن تو اُس کو جان غلط

نگاہ ناز نے پہلے ہی مجھ کو گھورا تھا
ازل ہی سے ہو مرے عشق کی اُٹھان غلط

نظر ملاتے ہی آیا ہے ابروؤں میں یہ بل
کھنچی ہے میرے لئے آج کیوں کمان غلط

کہاں سے ہونگے نصیب اُن کو دل جگر ایسے
ہیں میرے سامنے غیروں کے امتحان غلط

شکیب و صبر و تحمل سے کام لو اے قیس
فراق یار میں رونے کا اب ہے دھیان غلط

ردیف ظای معجم

دوستوں کی دوستی یاروں کی الفت کا لحاظ
فرض ہے ہر آدمی پر آدمیت کا لحاظ

ہو تمھیں غیروں کی تو دو روزہ صحبت کا لحاظ
کچھ نہ ہو میری ہی دیرینہ محبت کا لحاظ

آنکھ سے ہوتے ہی اوجھل محو سب باتیں ہوئیں
تھی جو برسوں کی مروت ایک مدت کا لحاظ

دشمنوں سے کیوں کوئی ناحق کرے کج بحثیاں
چاہیئے ہر حال میں اپنی شرافت کا لحاظ

منتوں پر بھی نہ اٹھا رخ سے گھونگٹ وصل میں
مل گئے باہم تو آیا کس قیامت کا لحاظ

غیر کے پھندے میں بھولے سے نہ جا پھنسنا کہیں
خوب رکھنا جان و دل سے اس نصیحت کا لحاظ

ظلم کی فریاد میں کیونکر کروں گا حشر میں
روک دیگا یار کی شرمائی صورت کا لحاظ

چھانتا پھرتا ہوں اب تو رات دن گلیوں کی خاک
کچھ نہیں تیری طلب میں عیش و راحت کا لحاظ

دست قاتل سخت جانی سے مری رہ رہ گیئے ذبح میں اُس کو مناسب تھا نزاکت کا لحاظ

بیخودیِ شوق میں رسوائیاں ہونے کو تھیں رکھ لیا شرم وحیا نے میری شہرت کا لحاظ

اُن سے کہدینا تو اے قاصد مرے دل کی لگی ڈھونڈکر موقع محل پاکر کے فرصت کا لحاظ

داستانِ رنج وغم پر کھلکھلا کر ہنس پڑے کچھ نہ آیا اُن کو مجھ آشفتہ حالت کا لحاظ

شان معشوقی وہ کیا جس میں وفاداری نہ ہو حسن صورت میں ہے لازم حسن سیرت کا لحاظ

دخت رز کی کون سنتا اس قدر بے حرمتی کر گیا میں حضرتِ واعظ کی عزت کا لحاظ

ہے سوالِ وصل پر بے فائدہ آزردگی کام کیسا ہی نہ ہو لازم ہے نیت کا لحاظ

آپ اپنی وجہ بربادی کوئی ہوتا نہیں ناصحوں کو چاہیئے برگشتہ قسمت کا لحاظ

کون کھائے گا ترس مجھ کو تڑپتا دیکھ کر کس کو ہوگا میرے دل کو داغ حسرت کا لحاظ

شاعری میں کم سے کم اے قیس اتنا ہی ضرور
شستگی ترکیب کی لفظوں کی صحت کا لحاظ

ردیف عین مہملہ

یوں تو مشکل ہے اُسے ہر خیر وشر کی اطلاع دیدو اے نالو تمھیں دردِ جگر کی اطلاع

باعثِ حیرت ہے کیا شام وسحر کی اطلاع دیتے ہیں وہم وگماں آٹھوں پہر کی اطلاع

دیکھ کر تو نے کنکھیوں سے مجھے بسمل کیا ہوگیئی دل کو تری ترچھی نظر کی اطلاع

سینۂ پُر غم سے آہیں چشم تر سے سیل اشک دینگے یہ دونوں نکل کر بحر وبر کی اطلاع

میرے نالے بے اثر ہیں نارسا فریاد ہے
کون دے گا اُس جفاجو کو اِدھر کی اطلاع

کوئی کاہے کو بجھائے گا مرے دل کی لگی
گھر ہی والے کو نہیں جب اپنے گھر کی اطلاع

عرش تک رستا کھلا ہے داد خواہی کیلیئے
جا کے نالے دینگے ظلمِ فتنہ گر کی اطلاع

شش جہت میں ڈھونڈنے پر بھی پتا ملتا نہیں
مجھ کو ہوگی کس طرح اُس بے خبر کی اطلاع

رکھدیئے کیوں گیسوؤں نے اسقدر بل ڈال کر
کیا نہ تھی اب تک تری پتلی کمر کی اطلاع

گو مری نظروں سے چھپکر وہ گئے دشمن کے گھر
دی مگر نقشِ قدم نے رہگزر کی اطلاع

دور ہی سے دیکھ کر قاصد کو فرمانے لگے
خیر تو ہے لے کے آیا ہے کدھر کی اطلاع

باغ میں ہر غنچۂ گل کھلکھلا کر ہنس پڑا
جب صبا نے آ کے دی برگ و ثمر کی اطلاع

شام سے تا صبح جز آہ و بکا کچھ بھی نہ تھا
ہیں یہی دو لفظ گویا رات بھر کی اطلاع

رہروانِ جادۂ ملکِ عدم کو کیا کہوں
کوئی کچھ دیتا نہیں آکر اُدھر کی اطلاع

تیرے ہوتے دل لگاتا قیس کیونکر اور سے
تو نے پائی ہے غلط بے پاؤں سر کی اطلاع

ردیف غین معجم

سو داغ دل میں ہیں تو جگر میں ہزار داغ
کیا کیا دکھا رہے ہیں چمن کی بہار داغ

مر کر بھی سوزِ غم سے میں رہتا ہوں مضطرب
جائے چراغ قبر میں ہیں شعلہ بار داغ

تجھ کو نہ بعد مرگ بھی بھولیں گے ہم کبھی
دل میں لیئے ہوئے ہیں تری یادگار داغ

خورشید روز حشر سے ہوگا مقابلا
سینے میں ہم چھپائے ہیں اک پر شرار داغ

غیرت سے آفتاب قیامت بھی ڈوب جائے
دل چیر کر دکھا دوں جو اے گلعذار داغ

اے جان تیرے عشق میں ہم زندہ رہ چکے
کھایا کرینگے یونہیں اگر بار بار داغ

ہے کون چارہ ساز کرے جو علاج درد
کس کو دکھائے جاکے ترا جاں نثار داغ

آنکھوں کی راہ دل میں چلے آؤ سیر کو
مانند گل کھلے ہیں یہاں بے شمار داغ

تاریکیِ لحد سے ہوں اے قیس مطمئن
روشن بجائے شمع ہیں زیرِ مزار داغ

آتشِ غم سے بنے ہیں میرے داغِ تن چراغ
یا کہ ہر شاخِ صنوبر پر ہوئے روشن چراغ

ہجر کی شب میرے گھر میں جب ہوا روشن چراغ
بنگیا یادِ رخِ پُرنور میں رہزن چراغ

شعلۂ داغِ جگر کی روشنی سے بعد مرگ
جل رہے ہیں رات دن گویا بہ مدفن چراغ

بر نہ آئی ایک بھی میری تمنائے دلی
مدتوں دیر و حرم میں کر چکے روشن چراغ

آج بہرِ فاتحہ آتا ہے میرا شعلہ رو
خود بخود ہو جائیگا روشن سرِ مدفن چراغ

زندگی میں جب نہیں آتے عیادت کیلئے
کب جلاؤ گے لحد پر تم پسِ مردن چراغ

چہرۂ پُرنور دیکھا رات میں نے خواب میں
میری آغوشِ تمنا میں ہوا روشن چراغ

مجھ سے فرطِ شوق میں لپٹا جو شب وہ ماہرو
بنگیا کیوں شعلۂ غم سے دلِ دشمن چراغ

ہے دلِ پُرداغ میرا شعلۂ آتش فشاں
یا چھپا کر لے چلے ہو تم تہِ دامن چراغ

ہجرِ جاناں میں نہیں ممکن ہماری زندگی
کب بھلا جلتا ہے جب ہوتا ہے بے روغن چراغ

ہے تہِ مدفن ہمارے داغِ دل کی روشنی
کر سرِ تُربت رُخِ پُرنور سے روشن چراغ

وصل کی شب کٹ گئی آئی قیامت کی سحر
گل کیا بادِ اجل نے ای بُتِ پُرفن چراغ

مرنے پر بھی تھا جو کچھ تقدیر میں جلنا لکھا
میری مٹی سے بناتے ہیں پسِ مُردن چراغ

آج کی شب گرم وصفِ زلف ہوں ای شعلہ رو
میرے گھر اپنے رُخِ انور سے کر روشن چراغ

ہیں شعاعیں شعلۂ داغِ تنِ مجروح کی
تم جنھیں سمجھے ہو پیارے زیرِ پیراہن چراغ

مسّی ملکر آج وہ جاتے ہیں سیرِ باغ کو
ہو نجائے فرطِ سوزِ رشک سے سوسن چراغ

عاشقِ غمگیں چلا شہرِ خموشاں کی طرف
طاقِ مسجد میں جلائیں جا کے اب دشمن چراغ

دیکھ کر تیرا رُخِ رنگیں دمِ سیرِ چمن
بنگیا سوزِ حسد سے ہر گلِ گلشن چراغ

یاد میں اُس آتشیں رخسار کی فرقت کی شب
برقِ خاطف کی طرح ہی مجھ پہ آتش زن چراغ

چن کے افشاں بام پر آیا جو وہ رشکِ قمر
رشک سے شمس و قمر جل کر ہوئے روشن چراغ

صحبتِ ناجنس سے ہوتا ہے سب کو اضطراب
دیکھو پانی پڑتے ہی کرنے لگا شیون چراغ

جب بدن کے داغ سے میں بنگیا رشکِ چمن
لوگ سمجھے جل رہے ہیں زیرِ پیراہن چراغ

کیا شعاعِ فیض ہے تیرے رُخِ پرنور میں
روشنی سے بنگئے۔ دیوار و در روزن چراغ

دیکھ تو ضایع نہ کر میرے دلِ پُر داغ کو
ہے شبِ دیجور میں یہ ای بُتِ پُرفن چراغ

سوزِ داغِ عشق سے جلتا ہوں میں ای چارہ گر
ہو گیا ہے میرے قصرِ تن میں آتش زن چراغ

آج کی شب دیکھ کر حُسنِ رُخِ پُرنورِ یار
فرطِ غم سے جل بجھا کیوں صورتِ دشمن چراغ

شمع کا فوری مبارک ہو تمھیں اے منعمو
ہم غریبوں کے لیے ہے زینتِ مسکن چراغ

کیوں نہ حاسد جل مریں اے قیسؔ ہر ہر شعر پر
کاخ دیواں میں ہوئے بے انتہا روشن چراغ

ردیف فا

زمانہ رہے تو رہے برخلاف
نہ ہونا تم اے بندہ پرور خلاف

جو تم چاہتے ہو کروں گا وہی
چڑھانے کو کہتا ہوں مُنہ پر خلاف

ہوئی مجھ سے کون ایسی سرزد خطا
کہ رہنے لگا وہ ستمگر خلاف

ہے تقدیر سیدھی تو کچھ غم نہیں
لگائے فلک لاکھ چکّر خلاف

جلی میرے رونے سے کشتِ اُمید
ہوئی بارشِ دیدۂ تر خلاف

لگاوٹ کی باتیں جو غیروں سے ہیں
تو کیا اس سے ہو خاک پتھر خلاف

میں تھا مستحق پہلے ہی جام کا
چلا کس لیے دورِ ساغر خلاف

مجھے عرض مطلب کی جرأت نہیں
نظر آتے ہیں اُن کے تیور خلاف

ملنے کو وہ مانگتے ہیں جگر
کروں کس طرح میں چھپا کر خلاف

نہ کام آئی یاروں کی افسوں گری
کچھ ایسا پڑھا میں نے منتر خلاف

کروں اپنی بگڑی کی تدبیر کیا
ازل ہی سے ہے جب مقدر خلاف

عدو سے ہوئی تھی یہاں بات کچھ
وہاں جا لگائی سراسر خلاف

جدھر دیکھو برپا ہیں فتنے فساد
ہے رنجش تمام اور گھر گھر خلاف

میں کس طرح اظہار الفت کروں ——— کہیں ہو نہ جانے وہ دلبر خلاف

سنبھل کر تم اے قیس رکھنا قدم
محبت میں ہوتا ہے اکثر خلاف

جب چلا مر دامرا گورِ غریباں کی طرف ——— لے اُڑے اسکو فرشتے باغ رضواں کی طرف

نارسائی دیکھ کر زلفِ پریشاں کی طرف ——— بڑھ گیئے دستِ جنوں جیب و گریباں کی طرف

شورِ محشر یادگیسو میں کہیں برپا نہ ہو ——— تیرے دیوانے چلے ہیں سنبلستاں کی طرف

مار ڈالے گی مجھے برہم مزاجی یار کی ——— بیکسی لے جائے گی بزمِ خموشاں کی طرف

دیکھ کر آنکھوں میں تیری سرمۂ دنبالہ دار ——— ہو گیئی پیدا کششِ گنجِ شہیداں کی طرف

عاشقوں میں ہو رہے تھے وصفِ لبِ گلگون یار ——— چشمکیں چلنے لگیں لعلِ بدخشاں کی طرف

دل ہی قابو میں نہیں ہے میں سنبھالوں کس طرح ——— پھسلی پڑتی ہیں نگاہیں روئے تاباں کی طرف

تھی نہاں یوسف کے پیراہن میں جب یوسف کی بو ——— کیوں نہ اُڑ کر جا پہنچتی پیرِ کنعاں کی طرف

بس کر اب اے گریہ طوفاں خیزیِ موجِ فنا ——— بہ چلے آنسو مرے کوہ و بیاباں کی طرف

کیا بتاؤں میں کہ میرا دل لہو کیوں کر ہوا ——— دیکھ لو آئینہ لے کر اپنی مژگاں کی طرف

جوش پر آئی ہوئی ہے ان دنوں فصلِ بہار ——— میکشوں کی آنکھیں ہیں صحنِ گلستاں کی طرف

تیرے کوچے میں اگر مل جائے تھوڑی سی جگہ ——— مڑ کے بھی ہرگز نہ دیکھوں قصر و ایواں کی طرف

حلقۂ کاکل بنا حلقا مری زنجیر کا ——— نالے کرتے ہیں اشارے کنجِ زنداں کی طرف

ذبح کر کے اس قدر کیوں ہو رہے ہو منفعل ——— آنکھ اٹھا کر دیکھو میرے جسمِ بیجاں کی طرف

درد فرقت سے ہوا ہیں جب کبھی گرمِ فغاں
اُٹھ گئیں سب کی نگاہیں چرخِ گرداں کی طرف

دوستوں نے قیس کو جس دم اُتارا قبر میں
لیٹتے ہی پھر گیا مُنہ کوے جاناں کی طرف

ردیف قاف

دیکھنا چاہو اگر تم گرمیِ بازارِ عشق
آؤ میرے دل میں بن کر محرمِ اسرارِ عشق

قتل اے ظالم تری تیغِ تغافل نے کیا
توڑتا ہے ہچکیاں لے لے کے دم بیمارِ عشق

حسن کا مرجع جو تو ہے سر سے لیکر پاؤں تک
سینۂ روشن مرا ہے مطلعِ انوارِ عشق

نالۂ پُرغم سے میرے اک زمانا پُھنک گیا
برق عالم سوز نکلی آہ آتشبارِ عشق

آنکھ لڑتے ہی غضب کی بیخودی طاری ہوئی
تھی تڑپ بجلی کی یا تھی تیزیِ رفتارِ عشق

دیکھیے جس دل کو اُس میں ہے اُسی کی آرزو
کیا حلاوت بخش ہے شیرینیِ گفتارِ عشق

پاے ہمت میں ہیں چھالے میں نحیف و ناتواں
قطع ہوگا مجھ سے کیوں کر جادۂ دشوارِ عشق

عقل کے جلتے ہیں پر اس کے قریب آتے ہوئے
رعب کا پہلو لیئے ہے اس طرح دربارِ عشق

پھوٹ کر رو دیتے ہیں جب پاے طلب کے آبلے
ہوتے ہیں غرقاب گریہ وادیِ پُرخارِ عشق

جس میں غیروں پر نہ کھلنے پائے رازِ دوستی
مست و لاعقل رہا ہر دم ترا ہشیارِ عشق

وامق و فرہاد و مجنوں سب کے سب جب چل بسے
میرے سر باندھی خداے پاک نے دستارِ عشق

کچھ بھی پہلے سے اگر ہوتی خبر انجام کی
ہم تو ہرگز اپنی گردن پر نہ لیتے بارِ عشق

رزمگاہِ عاشقی کی جیت میرے ہاتھ ہے
لشکرِ دلدادگاں میں ہوں علم بردارِ عشق

خلعتِ دیوانگی مجھ کو ہوا ہے مرحمت
یاالٰہی حشر تک قائم رہے سرکارِ عشق

کوئی نادانی سے چاہے دق کہے یا سل کہے
درحقیقت ہوگیا ہے قیس کو آزارِ عشق

ردیف کاف تازی

نہ نکلا وصل میں کچھ مدعا اول سے آخر تک
رہا دل ہی میں دل کا حوصلا اول سے آخر تک

کتابِ عشق کو مضمون حسرت ہی سے پُر پایا
اُلٹ کر بار ہا دیکھا پڑھا اول سے آخر تک

شبِ غم کی مصیبت، وہ اگر پوچھیں تو اے قاصد
سُنا دینا یہاں کا ماجرا اول سے آخر تک

کچھ ایسی کاتبِ اعمال کی مجھ پر عنایت تھی
کہ لکھ کر رکھ دیا اچھا برا اول سے آخر تک

وہ ہم کو بے وفا کہتے رہے ہم بے وفا انکو
محبت میں یہی جھگڑا رہا اول سے آخر تک

ستم ہو۔ قہر ہو۔ کچھ ہو۔ کبھی میں مُنہ نہ موڑونگا
رکھوں گا دل کو پابندِ وفا اول سے آخر تک

ترے کوچے میں کوئی حد بھی ہو حرماں نصیبونکی
پڑے ہیں کشتۂ تیغِ ادا اول سے آخر تک

مجھے مرکوزِ خاطر زندگی بھر اُن کی دلجوئی
رہے وہ مستِ ظلمِ ناروا اول سے آخر تک

ترس کھا کر ذرا سا اُس نے میرا حال پوچھا تھا
میں صدقے بیخودی کے کہگیا اول سے آخر تک

نہ راس آئی مرے دل کو محبت مہ جبینوں کی
ہمیشا داغ ہی کھایا کیا اول سے آخر تک

مرا خط پڑھتے ہی اس نے یہ کہکر چاک کر ڈالا
ہے اس میں صرف شکوا ہی گلا اول سے آخر تک

بنے معجز بیاں کہلائے تم عیسیٰ النفس پھر بھی ۔۔۔ علاجِ غم نہ ہرگز ہو سکا اول سے آخر تک

بنائی صانعِ قدرت نے جب لوحِ جبیں میری ۔۔۔ فقط رونا ہی رونا لکھدیا اول سے آخر تک

وہاں جاکر ہوئی پیغام بر کو سخت حیرانی ۔۔۔ فسانا عشق کا کہنا پڑا اول سے آخر تک

وہ سُنکر قیس کے دیوان کی تعریف کہتے ہیں

کہ ہے کیا اس میں جز آہ و بکا اول سے آخر تک

بہتے ہیں مری آنکھوں سے لختِ جگر اب تک ۔۔۔ روتی ہے ترے غم میں لہو چشم تر اب تک

باقی ہے اُسی شان سے سودائے سر اب تک ۔۔۔ زلفوں میں ہیں اُلجھے ہوئے تارِ نظر اب تک

دیکھو نہ رُکے ناوک مژگاں کا نشانا ۔۔۔ میں عاشق جانباز ہوں سینہ سپر اب تک

ہے پاس ادب ورنہ مری آہ رسا سے ۔۔۔ ہو جاتے نہ افلاک بھی زیر و زبر اب تک

سب حال ہمارا ہے وہی پوچھتے کیا ہو ۔۔۔ غش ہی میں رہا کرتے ہیں دو دو پہر اب تک

مدت ہوئی وہ لے کے خطِ شوق گیا ہے ۔۔۔ کیا جانیں کہ آیا نہیں کیوں نامہ بر اب تک

یارب شب فرقت میں ہے کیسی یہ درازی ۔۔۔ بولا ہے مؤذّن ہی نہ مرغِ سحر اب تک

اُس نے تو مرے دل میں جگہ اپنی بنالی ۔۔۔ میرا نہ ہوا یار کے دل میں گزر اب تک

کیا کیا نہ ہمیں دردِ محبت نے ستایا ۔۔۔ تو نے مگر اے جان نہ لی کچھ خبر اب تک

کس طرح مری منزل دشوار کٹے گی ۔۔۔ بنتی نہیں کچھ صورت زادِ سفر اب تک

تیرِ نگہِ یار نے گھایل جو کیا ہے ۔۔۔ رہ رہ کے ٹپکتے ہیں یہ زخمِ جگر اب تک

دل دے کے ہیں ترسا ہی کیا وصل کی خاطر ۔۔۔ اس نخل تمنا میں نہ آیا ثمر اب تک

کیوں تم نے دیئے گیسوئے پُرپیچ کو جھونکے
نازک ہے لچک جائے گی تمہاری کمر اب تک

اس میری وفا پر بھی ترس کچھ نہیں آتا
ہے درپئے آزار وہ بیداد گر اب تک

چیخا کیئے لیکن نہ کُھلا باب اجابت
نالے رہے سر گرم تلاش اثر اب تک

سانس اُکھڑی غمِ ہجر میں پتھرا گئیں آنکھیں
افسوس تم آئے نہیں میرے گھر اب تک

اشکوں کی جھڑی میں یہ چمک جاتی ہے بجلی
یا اُڑتے ہیں آنکھوں سے ہماری شرر اب تک

نظروں میں مری حور و پری خاک سمائیں
دل میں تو ہے ایک اور ہی رشکِ قمر اب تک

تھی جس کی طلب تھا وہ قریبِ رگِ گردن
مارے پھرے اے قیس کدھر سے کدھر اب تک

ردیف کاف فارسی

لوٹتا ہوں میں یہاں غم سے سرِ بستر الگ
اور وہ نالوں سے میرے ہیں وہاں مضطر الگ

ایک تو خود ہی مری صحرا نوردی کم نہ تھی
دوسرے دورِ زماں دینے لگا چکّر الگ

وصل میں بھی گردشِ قسمت نے رکھا دور دور
وہ جدا ہم سے رہا اور اُن سے ہم شب بھر الگ

سوزِ غم سے ہو گیا تنّور سب میرا بدن
گرم آنسو دامنوں میں صورتِ اخگر الگ

ایک سی قسمت نہیں ہوتی تمام انسان کی
خضر کی تقدیر الگ تھی بختِ اسکندر الگ

دشمنوں پر خوف سے چھائی ہوئی تھی مردنی
میری آہوں سے فلک کانپا کیا تھر تھر الگ

ہو رہا ہے طعنۂ احباب سے چھلنی جگر
حلق پر چلتا ہے اُس بے رحم کا خنجر الگ

میکدے میں آج اے ساقی بتا کچھ خیر ہے
کیوں ہے سب ٹوٹا پڑا شیشا الگ ساغر الگ

رنگ محفل میرے آتے ہی عجب پھیکا پڑا
جب ہوئے وہ غیر کے پہلو سے کچھ کھِکر الگ

شکوۂ جور و جفا کی داد کیا ملتی سب مجھے
آگیا الزام بے صبری مرے سر پر الگ

اُس طرف اُن کو شکایت یہ کہ جینا ہی محال
اِس طرف مجھ پر ہے اپنی زندگی دوبھر الگ

پیش داور لے کے جاتا ہوں ہجومِ آرزو
چاہیے میرے لیے وسعتگہِ محشر الگ

مر کے چکھنا ہے خدا کی مہربانی کا مزا
دیکھنا ہے سیر لطفِ ساقیِ کوثر الگ

اُڑتے ہیں افلاک پر جا کر شرارے آہ کے
ہو رہے ہیں موم نالوں سے مرے پتھر الگ

قیسؔ کا مرنا بھی اک ہنگامۂ محشر ہوا
میرے گھر ماتم الگ ہو دشمنوں کے گھر الگ

کب کی دبی ہوئی تھی دلِ پُرمحن میں آگ
جس نے سُلگ کے آج لگا دی بدن میں آگ

بزمِ عدو میں یوں نہ کھلے بند بیٹھیے
پنہاں ہے میرے نالۂ آتش فگن میں آگ

لیٹا ہوں آتے ہی جو میں آغوشِ قبر میں
داغِ فراق سے بھڑک اٹھی کفن میں آگ

آیا ہے بہرِ سیر یہاں ایک شعلہ رو
اے عندلیب دوڑ لگی ہے چمن میں آگ

کیونکر میں تنگ آ کے نہ غربت کی راہ لوں
پھیلی ہوئی ہے بغض و حسد کی وطن میں آگ

بجلی کی طرح کوند کے آنکھوں کے سامنے
دہکا دی کس پری نے مرے قصرِ تن میں آگ

ہوتی نصیب کیا تپشِ غم سے جاں بری
اٹھی جو دل سے آ کے لگی پیرہن میں آگ

ہر دم حریف یار سے کھاتا ہے چغلیاں
قابو نہیں کہ بھر دوں میں اُس کے دہن میں آگ

اے قیسؔ میری آہوں سے برہم ہیں صحبتیں
پہنچی ہے سوزِ غم کی ہر ایک انجمن میں آگ

ردیف لام

پہلو میں لے کے جائیں کہاں سوگوار دل
افسردہ دل ستم زدہ دل بے قرار دل

دینا ہی تھا جو بہر غم اے کردگار دل
تو نے نہ کیوں دیا مجھے خوب استوار دل

کھائی ہے اس نے ہائے یہ کیسی غضب کی چوٹ
جس جس جگہ سے دیکھیے ہے داغدار دل

کشتِ اُمید برق تغافل سے پھنک گئی
ہے غم سے پاش پاش مرا غمگسار دل

ارمان لے کے جاؤں میں ایسی گلی میں کیا
ٹوٹے ہوئے پڑے ہوں جہاں بے شمار دل

اک دل تو پاس تھا ہی جسے تم نے لے لیا
اب پھر کہاں سے ڈھونڈتے ہو بار بار دل

بہتے نہیں ہیں آنکھوں سے میری سرشک غم
گریاں کسی کی یاد میں ہے زار زار دل

جیسا ہوا ہے مجھ کو سخن ناشنو نصیب
ایسا نہ دے کسی کو بھی پروردگار دل

یوں ہی جو تاک تاک کے تیرِ نظر چلے
برچھی کے ساتھ کیوں نہ ہو سینے کے پار دل

مانا کہ ہے خراب تو اس کا ملال کیا
تم پھیر دو خوشی سے جو ہو ناگوار دل

پھینکوں تمھارے سر سے میں صدقے اُتار کر
اک دل تو کیا ہے پاؤں اگر سو ہزار دل

جب لطف زیست ہے کہ ہو یوں ربط دوستی
ہم اُن پر اور وہ کریں ہم پر نثار دل

میں روز روز لا کے نیا دل کہاں سے دوں
کیا راہ چلتے ملتے ہیں کچھ مستعار دل

پوچھا جو اُس نے لائے ہو کیا نذر کیلیے
نکلا مری زبان سے بے اختیار دل

اے قیس کیا بتاؤں تھیں وجہ بیخودی
بیچین کر رہا ہے مصیبت شعار دل

ردیف میم

رکھیں گے جب تک اُن بتوں کی وفا سے ہم
کرتے رہیں گے لاکھ بہانے قضا سے ہم

لینی کمند پھینک کے آہِ رسا سے ہم
لے لیں گے مدعائے دل اپنا خدا سے ہم

پاسِ ادب ہے مانعِ اظہار بیخودی
ہیں ورنہ مضطرب ستمِ ناروا سے ہم

بیتابیوں سے دل کی ہوا فاش رازِ عشق
رسوائے خلق ہو گئے شور و بکا سے ہم

ایذا دہی پر اُن کو اُدھر وصل میں حجاب
نادم اِدھر ہیں شکوۂ جور و جفا سے ہم

اُن کا قصور ہے نہ گلا ہے رقیب کا
صدمے اُٹھا رہے ہیں دلِ مبتلا سے ہم

جی کی یہ آرزو کہ گلے سے لگائیے
مجبور ان کی شرم سے اُن کی حیا سے ہم

تیری طلب میں تجھ کو بنائیں گے رہنما
تیرا نشان لیں گے ترے نقشِ پا سے ہم

دل اُن سے پھیر کر ہمیں صحت ہوئی تو کیا
در گزرے اس علاج سے ایسی دوا سے ہم

قسمت نے عاشقوں میں سرافراز کر دیا
ممنون قتل ہو گئے تیغِ ادا سے ہم

کیوں ہے ہمارے مرنے کی غیروں کو آرزو
پائیں گے عمرِ خضر اُنھیں کی دعا سے ہم

ظاہر نہ کر سکے کبھی حسرت وصال کی
شرمندۂ طلب نہ ہوئے مدعا سے ہم

افسوس تم نے پھر اسے وحشی بنا دیا
قابو میں دل کو لائے تھے کس التجا سے ہم

آنکھیں ستمگروں سے لڑانا ہی قہر تھا
پامال جور ہو گئے اپنی خطا سے ہم

سیمیں تنوں کی لینے کو خوشبوئے پیرہن
آگے ہی دس قدم رہے بادِ صبا سے ہم

دشمن کے ظلم سے نہ ہوئے باریاب جب
دل تھام کر پھرے در دولتسرا سے ہم

ہاتھوں کو لال کر کے ہمارے لہو میں وہ
کہتے ہیں بے نیاز ہیں رنگِ حنا سے ہم

آہوں میں گرمیوں کے دکھانے سے کیا حصول
دنیا کو سرد کرتے ہیں ٹھنڈی ہوا سے ہم

لختِ جگر کھلا کے پلاتے ہیں خون دل
کرتے ہیں غم کی داشت اس آب و غذا سے ہم

ہوگی اگر نصیب شفاعت رسول کی
چھوٹیں گے صاف پرسش روز جزا سے ہم

اے قیس زیب و زینت دنیا سے کیا غرض
بیٹھے ہیں سیر زندگیِ پُر دغا سے ہم

ہے کشمکش میں طبیعت سبب نہیں معلوم
ہمارے دل کو ہے کس کی طلب نہیں معلوم

کھنچی ہے تیغ بھبھوکا بنے وہ بیٹھے ہیں
کدھر گرے گی یہ برقِ غضب نہیں معلوم

کمندِ عشق جو پھینکوں تو کس طرح پھینکوں
بتوں کے دل میں اترنے کا ڈھب نہیں معلوم

وہ سن کے نالے ہمارے عدو سے کہتے ہیں
گلی میں کیا ہے یہ شور و شغب نہیں معلوم

تلاش و فکر میں حیراں ہوں کہاں جاؤں
کسی کے ملنے کی صورت ہی جب نہیں معلوم

ہے کون بختور ایسا کہ جس کی خاطر سے
قرار پائی ہے بزمِ طرب نہیں معلوم

تری گلی میں بھی کیا طور کی تجلی ہے
پڑے ہیں غش میں یہ کیوں سب کے سب نہیں معلوم

کھڑا ہوں دیر سے امیدوار ڈیوڑھی پر
نصیب ہوگی تری دید کب نہیں معلوم

اجل کی راہ دکھائی کسی کی فرقت نے
وہ کیا کرے گی مرا حال اب نہیں معلوم

یہ آرزو ہے کہ جا کر مروں مدینے میں
ہے کیا سوادِ زمینِ عرب نہیں معلوم

وہ بولے دیکھ کے مقتل میں قیس بسمل کو
سسک رہا ہے یہ کیوں جاں بلب نہیں معلوم

صبح کرتے ہیں شب فرقت کی کس مشکل سے ہم
رات بھر جلتے ہیں مثل شمع سوز دل سے ہم

درد دل۔ زخم جگر۔ سوز الم۔ داغ فراق
جاتے ہیں یہ آفتیں لے کر تری محفل سے ہم

سخت جانی کے سبب پہروں انھیں ایذا رہی
کیوں نہ ہوں شرمندہ دست و بازوِ قاتل سے ہم

مانع نظارہ اے لیلیٰ نہیں تیرا حجاب
دیکھ لیں گے تیری صورت پردۂ محمل سے ہم

عشق زلف یار میں حد سے سوا ہے اضطراب
ہیں بہت حیران اپنے پیچ و تاب دل سے ہم

کب رہ الفت میں پہنچا تا بمقصد راہ رو
ڈرتے رہتے ہیں ہمیشا دوریِ منزل سے ہم

حسرتیں نکلیں گی سب اپنے دل پر داغ کی
ہوں گے ہم پہلو جب اس رشک مہ کامل سے ہم

پہلوِ اغیار میں اس شمع رو کو دیکھ کر
صورت پروانہ جل کر اٹھ گئے محفل سے ہم

ذبح بھی کرتا ہمیں تو کچھ نکلتیں حسرتیں
جا لپٹتے خون بن کر دامن قاتل سے ہم

ہے ہمارا دل ترے چاہ زنخداں میں اسیر
کم نہیں اس کو سمجھتے ہیں چہ بابل سے ہم

جس قدر جور و ستم جی چاہے کر لے اے صنم
لیں گے اس کی داد محشر میں شہ عادل سے ہم

دیدہ گریاں کے قطروں کی یہ عزت دیکھنا
پونچھتے ہیں چشم تر کو دامن قاتل سے ہم

مدتوں سے تھا ہمیں سودائے وصل دلربا
آج پہنچے اپنے مقصد کو بڑی مشکل سے ہم

فیض سے اے قیس یہ بھی حضرت استاد کا
لطف پیدا کر رہے ہیں بندش مشکل سے ہم

ردیف نون

حیرت سے ترے رُخ کی ضیا دیکھ رہے ہیں
اے رشکِ قمر جوشِ صفا دیکھ رہے ہیں

ہر وعدے پر اک وعدہ نیا دیکھ رہے ہیں
جو کچھ کہ تو کرتا ہے دغا دیکھ رہے ہیں

اُس بُت کو اِدھر آج جُھکا دیکھ رہے ہیں
ممنون اثر اپنی دعا دیکھ رہے ہیں

فرقت میں غم و رنج و بلا دیکھ رہے ہیں
قسمت میں ہے جو کچھ کہ لکھا دیکھ رہے ہیں

ہم قتل کا سامان کھُلا دیکھ رہے ہیں
اے شوق قضا تیری دوا دیکھ رہے ہیں

جلوا کفِ جاناں میں ہے خونِ شہدا کا
پاؤوں میں جما رنگ حنا دیکھ رہے ہیں

تو محو تماشا ہے مرے دیدۂ حیراں
صورت تری اے ماہ لقا دیکھ رہے ہیں

کس طرح کھُلیں ہم ابھی اربابِ سخن میں
اس دہر کی تاثیر ہوا دیکھ رہے ہیں

پھر بھی دل کا ٹھکانا نہیں ملتا
ہم جب سے تری زلف دوتا دیکھ رہے ہیں

چتون میں جو شوخی ہے تو آنکھوں میں لگاوٹ
ہر بات میں اک طرز ادا دیکھ رہے ہیں

پہلے تو ذرا آنکھ جھپکتی نہ تھی تیری
اب کیا ہے جو یہ شرم و حیا دیکھ رہے ہیں

پامال شریفوں کو زمانے نے کیا ہے
سفلوں کو تہِ ظلِ ہما دیکھ رہے ہیں

دزدیدہ نگاہی کا سبب کچھ نہیں کھُلتا
رہ رہ کے وہ کیوں ہم کو بھلا دیکھ رہے ہیں

تشبیہ دیں کس طرح تجھے حور و پری سے
انداز ترا سب سے جدا دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ تم باتیں بناتے ہو شب و روز
لیکن جو ہیں آثار دغا دیکھ رہے ہیں

آنکھوں میں لگاتے ہیں غبارِ درِ جاناں
ہم اس کو بہ از خاکِ شفا دیکھ رہے ہیں

حسرت بھری آنکھوں سے بصد شرم و ندامت
وہ قبر مری بعدِ فنا دیکھ رہے ہیں

کس جوش میں ہیں تیری جوانی کی امنگیں
کیا حسن ترا نام خدا دیکھ رہے ہیں

ہاتھ اب مری صحت سے طبیبوں نے اٹھایا
مجبور ہیں سب حال برا دیکھ رہے ہیں

کیونکر نہ کریں ہم مے گلگوں کی تمنا
بجلی کی چمک کالی گھٹا دیکھ رہے ہیں

عشاق ترے سر بہ کف اے یار گلی ہیں
مدت سے کھڑے راہ قضا دیکھ رہے ہیں

دل دیکے رکھیں تم سے ہم امید وفا کیا
ہر لحظ تو سرگرم جفا دیکھ رہے ہیں

ڈھالی ہے کہیں قلقل نے بشیک مے گلگوں
مستانہ ہر اک طرز ادا دیکھ رہے ہیں

آنکھ لڑتے ہی ارے تو نے ذرا سوچا نہیں
کیوں تڑپ کر رہ گیا میں درد اگر اٹھا نہیں

یوں نہیں کیا کہتے ہو تم ایسا نہیں ویسا نہیں
دل مرا دیکھا نہیں میرا جگر آنکا نہیں

آتشِ غم پھر مرے سینے میں روشن ہو گئی
پھر کہیں آہوں سے برسے آگ کا شعلا نہیں

کب ترے دامن سے میں لپٹا نہیں شکلِ غبار
کب ترے در پر بدل کر بھیس میں آیا نہیں

ہے مجھے کافی نگاہِ لطف آمیز آپ کی
سوچ ہے کیا اس قدر کچھ اور تو چاہا نہیں

ہو پریشاں آپ اپنی نازکی کے بوجھ سے
نیچا کیونکر اٹھے جب ناز اٹھ سکتا نہیں

چاہنے والوں سے یہ بے اعتنائی حیف ہے
جان پر فرقت کی شب کیا کیا بنی پوچھا نہیں

ایسے ملنے سے تو بہتر تھا نہ آنا ہی ترا
میرے پاس آیا تو کیا آیا کہ جب ٹھہرا نہیں

پھونک ڈالونگا تجھے بھی نالۂ جانسوز سے
دل جلوں کو یوں جلانا اے فلک اچھا نہیں

یا الٰہی خیر ہو کیا پیش آئی واردات
لے کے خط بھیجا ہے ابتک نامہ بر لوٹا نہیں

حال میرا پوچھ کر وہ ہو گئے آخر اداس
جب کہا لوگوں نے یہ بیمار غم بچتا نہیں

میں ترے دل میں پہنچکر گھر بنا لیتا ضرور
کیا کروں تقدیر کو رستا مگر پایا نہیں

ناصحِ مشفق بس اب ترکِ نصیحت کیجیئے
دور ہو جائے مرے سر سے یہ وہ سودا نہیں

وصل کا ہونا نہ ہونا دونوں یکساں ہی رہا
تھے وہ پہلو میں مگر کچھ مدعا نکلا نہیں

تیرے ہوتے کیا رکھوں اے دل توقع غیر سے
تو ہی جب اپنا نہیں تو کوئی بھی اپنا نہیں

آزمانا ہو مجھے تو آزما کر دیکھ لو
جان تک میری نکلجائے تو کچھ پروا نہیں

بیخودی میں بھی وہی پاسِ وفا ملحوظ ہے
پھیر لوں دل دے کے یہ مجھ سے کبھی ہوگا نہیں

گردنیں کٹتیں نہیں کب کوچۂ سفاک میں
شور محشر کون سے دن ہے وہاں برپا نہیں

تھا مرے پہلو میں جو دل ناز کا پالا ہوا
چھین کر برباد کر دینا اُسے زیبا نہیں

کیوں نہ کاندھا دے کے پہنچائیں فرشتے گور تک
ہوں ترے عاشق کا لاشا غیر کا مردا نہیں

آرزو کا ہو بُرا اے قیس کیا شئے ہے امید
میں کھڑا سنتا رہا اُس نے کہا کیا کیا نہیں

سچ ہے کہ آپ سا بھی کوئی بے وفا نہیں
چینخا کیا میں لاکھ مگر کچھ سُنا نہیں

معشوق یوں تو کون ہے جو پُر جفا نہیں
تیری جفا و جور کی کچھ انتہا نہیں

دل تو مرا پسند کے قابل رہا نہیں
ملجائے تم کو مفت تو لے لو بُرا نہیں

مسجد نہیں حرم نہیں بیتِ خدا نہیں
اے شیخ میکدا ہے یہ توبی کی جا نہیں

دیکر میں نقدِ دل تمھیں کچھ چاہتا نہیں
اک بوسہ مانگتا ہوں کہو دوگے یا نہیں

چارہ گروں سے کیا ہو مداوائے دردِ عشق
یہ وہ مرض ہے جس کی سنی ہی دوا نہیں

ہنس ہنس کے گالیاں تو مجھے دے رہے ہو تم
میں بھی جو کچھ کہوں تو پھر اِس کا گِلا نہیں

کرتا وضو ہیں حضرتِ ناصح کے خون سے
افسوس ہے کہ داؤ مرا کچھ چلا نہیں

مجھ پر تو کھل چکے ہیں فریبِ وفائے دوست
دشمن کو رو رہا ہوں کہ وہ جانتا نہیں

کرتے ہو بوالہوس سے لگاوٹ کھلی کھلی
پاسِ وفائے عاشقِ غمگیں ذرا نہیں

تیرِ نظر چلا مری جانب اگر کبھی
بیٹھا جگر میں جا کے کہیں بھی رُکا نہیں

کہتا نہ تھا کہ آپ مرا دل نہ پھیریئے
پچتا رہے ہیں کس لیئے اب بھی گیا نہیں

جائے تو ہو چمن میں مرا جی ہے کانپتا
گستاخیاں کرے کہیں بادِ صبا نہیں

ہے نازِ مے کشوں کو جس ابرِ سیاہ پر
دل کا مرے دھواں ہو وہ کالی گھٹا نہیں

سینچا کروں کہاں تک اسے آبِ اشک سے
نخلِ امید میں ثمر اب تک لگا نہیں

آئے ہو قتل کر کے کسی بے گناہ کو
آتی ہے بو لہو کی یہ رنگِ حنا نہیں

گردِ نظر کسی کی نہ رخسار پر پڑے
خلوت سرائے دل میں رہو برملا نہیں

کیا بات تھی جو آنکھ بچا کر چلے گئے
میں نے تو کچھ کسی سے کہا یا سُنا نہیں

طرزِ سخن سے پہلوئے مطلب سمجھ کے وہ
کہنے لگے پسند مجھے چوچلا نہیں

جو کچھ کہ سختیاں مجھے سہنا تھیں سہ چکا
اے صدمۂ فراق زیادہ ستا نہیں

پردے میں شرم کے مجھے بسمل بنا دیا
جادو بھری نظر تھی تمھاری حیا نہیں

اپنے ہی دل کے گوشے میں رہنے دو تم مجھے
آوارۂ وطن ہوں کہیں گھر مرا نہیں

زاہد بھی اُس کو دیکھ کے آخر یہ بول اُٹھا
حورِ جناں ہے شاہدِ رنگیں ادا نہیں

کیا کیا بھری ہوئیں ہیں تمنائیں کیا کہوں
پوشیدہ آپ پر تو کوئی مدعا نہیں

صورت ہے پارسا کی حقیقت میں رند ہیں
تقویٰ جناب قیس کا ہم سے چھپا نہیں

ہم نے پایا دل لگانے کا صلا کچھ بھی نہیں
جان تک دیدی مگر اے بے وفا کچھ بھی نہیں

خانہ باغِ غم ہے یہ دارِ فنا کچھ بھی نہیں
داغ حسرت کے سوا اس سے ملا کچھ بھی نہیں

کم سمجھ ہیں جن کو ہے فکرِ بقائے نام و ننگ
عالمِ فانی میں امیدِ بقا کچھ بھی نہیں

آنکھیں ہیں دریائے غم سانسیں ہیں امواجِ فنا
میں ہوں آبِ زندگی کا بلبلا کچھ بھی نہیں

رات دن جو رنج و غم ہم دیکھتے ہیں اے فلک
ہے مقدر کا لکھا تیرا گلا کچھ بھی نہیں

آگئی پیری جوانی کے گئے سب ولولے
اب وہ خواہش وہ ہوس وہ حوصلا کچھ بھی نہیں

کیا مصور کھینچتا مجھ زار کی بگڑی شبیہ
تھا میں تصویرِ خیالی کھنچ سکا کچھ بھی نہیں

پھنک رہا ہے آتشِ فرقت میں ہر موئے بدن
بے وصالِ یار جینے کا مزا کچھ بھی نہیں

واہ ری غفلت کہ تیرا شیفتہ مجنوں لقب
قصۂ غم کہہ گیا تو نے سنا کچھ بھی نہیں

کیا دکھائیں مدّ و جزرِ دامنِ یاس و امید
جب بدن پر ہر نشانِ بوریا کچھ بھی نہیں

لے گیا پہلو سے میرے دل کو وہ ناآشنا
چار سمتِ دہر میں جس کا پتا کچھ بھی نہیں

لاکھوں کو اچھا کیا ہے تو نے اے رشکِ مسیح
مجھ مریضِ عشق کی شاید دوا کچھ بھی نہیں

بیخودی میں لے لیے بوسے لب و رخسار کے
ورنہ اس میں واقعی میری خطا کچھ بھی نہیں

کون سنتا ہے ہم ایسے سوختہ قسمت کی بات
کیا ہماری آرزو کیا مدعا کچھ بھی نہیں

جوشِ الفت میں لپٹ کر کس مزے سے رات وہ
کہتے تھے اب سمجھے ہم شرم و حیا کچھ بھی نہیں

سینچنا سیلِ وفورِ اشک سے بے سود ہے
مزرعِ الفت میں حاصل کا پتا کچھ بھی نہیں

خط کے آنے سے مُحشّٰی مصحفِ رخ ہو گیا
پھر بھی تنگیِ دہن سے حل ہوا کچھ بھی نہیں

ہم تو جھیلیں سختیاں اغیار ہوں شایانِ لطف
سچ ہے تم سے اے بتو چشمِ وفا کچھ بھی نہیں

ہاتھ کیوں رنگتے نہیں خونِ شہیدِ ناز سے
آپ کو مرغوب کیا رنگِ حنا کچھ بھی نہیں

اُس نے مجھکو رات ٹھنڈی سانسیں بھرتے دیکھکر
ہنسکے پوچھا کیا ہوا میں نے کہا کچھ بھی نہیں

بے تکلف اس کو لے لیتے ہیں ہاتھوں میں رقیب
اب وہ زہرا فعی زلفِ رسا کچھ بھی نہیں

ایک بوسا لے لیا ہم نے تو ہے یہ بازپرس
ظلم جو ہم پر ہوا گویا وہ تھا کچھ بھی نہیں

کچھ دنوں میں مست جامِ خوابِ غفلت تھا مگر
آنکھ جب کھولی تو پھر تیرے سوا کچھ بھی نہیں

کیا زمانے میں ہمیں ہیں قابلِ مشقِ ستم
ہوتے کیوں اغیار پر جور و جفا کچھ بھی نہیں

بڑھتے بڑھتے بڑھ گئی بیحد مری کاہیدگی
جسم لاغر پر رگِ جاں کے سوا کچھ بھی نہیں

میرے دل میں ڈھونڈتے ہیں کیا بتانِ ماہوش
اس میں جز داغِ الم باقی رہا کچھ بھی نہیں

قیس رندِ لاابالی اک عجب انسان ہے
لاکھ سمجھاتے ہیں لیکن مانتا کچھ بھی نہیں

کب میں کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ویسا کردیں
ہاں مگر نالے کچھ اُن پر اثر اپنا کردیں

وہ جو چاہیں تو زمانا تہ و بالا کردیں
گردشِ چشمِ فسونگر سے تماشا کردیں

کیا عجب ہے کہ دمِ قتل ہم اپنی آنکھیں
وقفِ نظارۂ حُسنِ رخِ زیبا کردیں

ہے انھیں دعویِ اعجازِ مسیحا تو ذرا
مجھ مریضِ غمِ ہجراں کو بھی اچھا کردیں

نرگسیں آنکھوں کا بیمار بنا کر مجھ کو
ہائے انصاف کہ وہ ترکِ مداوا کردیں

رازِ دل میں تو نہ کھلنے دوں کسی پر ہرگز
کیا کروں اِس کو جو وہ آپ ہی افشا کردیں

شعلۂ طور کے مانند دکھا کر وہ جھلک
خاکساروں کو نہ پامالِ تمنّا کردیں

جی بہلنے کے لیے گوشۂ تنہائی میں
کچھ امیدوں کے بھی سامان مہیا کردیں

لاش پر دیدۂ پُرنم سے بہا کر آنسو
مرنے والوں میں ذرا نام ہمارا کردیں

روح کی جسم سے ٹھہرے گی لڑائی کب تک
طے خدا کے لیے جلد آکے یہ جھگڑا کردیں

زلف و رخسار سے لیں کام عدو سے نہ ڈریں
دن کو تاریک کریں شب کو اُجالا کردیں

پوچھی جائے جو وہاں اُن کی تمنا اُن سے
یاالٰہی مری جانب وہ اشارا کردیں

کچھ نہ کچھ لے ہی کے آنا تو جوابِ قاصد
دیکھ ایسا نہ ہو وہ حیلہ حوالا کردیں

مجمعِ حشر میں دل دادِ طلب ہو کیوں کر
خوف یہ ہے کہ نہ فتنا کوئی برپا کردیں

فیضِ استاد سے وہ زورِ قلم ہے اے قیسؔ
چاہیں جو لطف ہم اشعار میں پیدا کردیں

کھینچیں ہم آہِ سرد اگر اضطراب میں
چکّر میں عرش آئے زمیں انقلاب میں

اب تک ہے جاگزیں دل خانہ خراب میں
تصویر یار ہم نے جو دیکھی تھی خواب میں

ہے میرے داغ دل کی تپش آفتاب میں
چشمان اشکبار کا عالم سحاب میں

حُسن اور بڑھ گیا جو رنگا کر شہاب میں
جالی کی کُرتی یار نے پہنی شباب میں

شب کو خیال زلف ہے دن کو خیال رُخ
رہتے ہیں رات دن ہم اسی پیچ و تاب میں

اُس شوخ کی عذوبت گفتار کیا کہوں
باتیں لپٹی جاتی ہیں مُنہ کے لعاب میں

جُھنجھلا کے کہتے ہیں مرے اصرار وصل پر
آئے تھے کیا سمجھ کے پھنسے کس عذاب میں

پھیلے گی عکس روے منور کی چاندنی
چُھپ کر نہ جا سکو گے شب ماہتاب میں

عاشق کے دل کو عرش سے رتبے میں کم نہ جان
دونوں میں فرق کچھ نہیں میرے حساب میں

لکھا ہے خط شوق میں جان اور دل اُنھیں
دیکھیں تو لکھتے ہیں وہ ہمیں کیا جواب میں

آنا کبھی کبھی سر تربت پس فنا
اتنی سی میری عرض ہے تیری جناب میں

اُس کی نگاہ مست میں جیسا سرور تھا
وہ لطف کب ملا ہمیں کیف شراب میں

دیکھیں کہاں تک آپ کی ہم کج ادائیاں
کب تک سہیں فراق کے صدمے شباب میں

سبزے نہیں ہیں زینت رخسار آتشیں
بیلیں بنی ہوئی ہیں سنہری کتاب میں

اُڑ جائیں گی ضرور عمامے کی دھجیاں
آیا جو محتسب کہیں بزم شراب میں

ہم سے ہزار طرح وہ پردا کریں تو کیا
چہرا ہے چاند سا نہ چھپے گا نقاب میں

کیا ظلم ہے کہ ہم ہوں گرفتار رنج و غم
مصروف عیش تم رہو چنگ و رباب میں

کہنے کو تو حسین زمانے میں ہیں بہت
ٹھہرے ہو لیکن ایک تمھیں انتخاب میں

عشقِ بتاں میں غم سے کلیجا ہوا فگار
دل آتشِ فراق سے ہے التہاب میں

حیران ہوں کہ کٹتی ہیں کس طرح گردنیں
خنجر نہ ہاتھ میں ہے نہ تلوار ڈاب میں

رندوں کو دیکھتے ہیں حقارت کی راہ سے
زاہد نہ جا پڑیں کہیں رب کے عتاب میں

تارے فلک سے گرتے ہیں دانت اُسکے دیکھکر
رتبا یہ موتیوں کو نہیں آب و تاب میں

اہل ہوا سمجھتے ہیں دنیا کو پائدار
دھوکا ہوا حیات کا شاید حباب میں

تھا قیس بھی کسی گل تر کا فریفتا
واجب ہے اس کو غسل دلانا گلاب میں

نہ ہاتھ آیا کوئی نشتر جو ہم کو دشت غربت میں
تو پھوڑے آبلے کانٹوں سے ہمنے جوشِ وحشت میں

ہوئی ہے زندگی دو بھر پڑی ہے جان آفت میں
تمھیں فرصت نہیں غیروں سے میں مرتا ہوں فرقت میں

مجھے پروا نہیں ہر چند ہوں دس کی حراست میں
خدا سے لڑکے لے لونگا جو تو ہی میری قسمت میں

نہ دیتے دل اگر تم کو تو کیوں پھنستے مصیبت میں
یہ سچ ہے آدمی برباد ہوتا ہے مروت میں

ہر اک کو کھینچ لیتا ہے وہ شوخ اپنی محبت میں
خدا کی شان یہ تسخیر اک مٹی کی مورت میں

جو دیکھا غور سے تم کو تو نکلے سب میں لاثانی
حیا میں ناز میں شوخی میں غمزے میں شرارت میں

میں سچ کہتا ہوں اثباتِ تناسخ پر جو آجاتا
بدل کر غیر کا قالب پہنچتا تیری خلوت میں

نہ کیوں کر یاد آئیں لطف ایامِ گزشتہ کے
رہا ہوں مدتوں آئینہ بنکر اچھی صورت میں

تری خاطر لگائی آگ ہم نے دیکھ او کافر
حشم میں جاہ میں عزت میں ثروت اور دولت میں

شکایت مٹ گئی سوزِ جگر کی تیغ قاتل سے
اثر ہے آب کوثر کا مگر جامِ شہادت میں

جوانی ہوگئی رخصت گھٹا چھائی ہے پیری کی
امنگیں ہیں مگر اب تک وہی میری طبیعت میں

اگر جیتے رہے تو اک نہ اک دن پھانس لائینگے
چھپینگے ہم سے وہ آخر کہانتک دامِ عزلت میں

ہزاروں آرزوئیں ہیں مگر تم سے کہوں کیونکر
لبوں تک باتیں آ آکر پلٹ جاتی ہیں ہیبت میں

نہ آنا تھا نہ آئے تم مجھی کو کاش بلواتے
یہی پاسِ وفا ہے تو لگے آگ ایسی الفت میں

جہانتک ربط ہے جس سے وہانتک اُس سے رنجش ہے
اگر کچھ لطف ہے تو دور کی صاحب سلامت میں

تو مرنے پر نہ کر افسوس دل کو داغ دینے کا
جلے گا شمع بن کر یہ ترے کشتے کی تربت میں

شبِ فرقت کلیجا مُنہ کو سو سو بار آتا ہے
تپش میں درد میں رنج و الم میں یاس و حسرت میں

تمھیں انصاف سے کہدو کہ یہ دل پہ جگر رکھکر
کبھی میں دیکھ سکتا ہوں تمھیں غیروں کی صحبت میں

متاعِ دل تمھیں دیتا ہوں میں لے لو کہا مانو
لٹی جاتی ہے یہ دولت عبث تکرار و حجت میں

کب آئیگی وہ کل جس کے لیے ہر روز کل کل ہے
کہو اب صاف کُھل کر تم ملوگے کیا قیامت میں

عدو کہہ کہہ کے جھوٹی باتیں ناحق کان بھرتے ہیں
خدا جانے مرے جاتے ہیں کیوں میری عداوت میں

ابھی آئے ہو ٹھہرو بولو چالو پھر چلے جانا
بگڑتا ہے تمھارا کام ہی کیا ایک ساعت میں

چل اے ظالم تجھے دل دیکے ہم نے خوب بھر پایا
غضب ہے یہ تاُمل ایک بوسی کی اجازت میں

مری جانب سے کترا کر وہ یہ کہتے ہوئے نکلے
ملیں گے تم سے ہم اچھی طرح اک روز فرصت میں

پسِ مردن بھی شوقِ دید جاناں رنج دیتا ہے
ہجومِ حسرت و ارماں سے ہوں بیچین تربت میں

یہی ظلم و ستم مجھ پر رہا تو سخت حیرت ہے
کھڑے ہوگے خدا کے سامنے کیونکر قیامت میں

کہاں کا عیش کیسا چین راحت کس کو کہتے ہیں
مجھے تو عمر بھر رکھا ہے قسمت نے مصیبت میں

دکھاؤں جودتِ طبعِ رسا اے قلقؔ میں کیوں کر
کہ شعر و شاعری کا کچھ مزا ہے تو فراغت میں

تیر کا توڑ جو پیکان نظر رکھتے ہیں
شوق سے آئیں کہ ہم سینہ سپر رکھتے ہیں

آئینا اپنے مقابل وہ اگر رکھتے ہیں
اُن کی تصویر کو ہم پیش نظر رکھتے ہیں

کوئی معدوم کی کس طرح صفت کچھ لکھے
دہن اپنا بھی وہ گم مثل کمر رکھتے ہیں

مونس و یار شبِ ہجر ہم اے رشک بتاں
درد دل - داغ الم - زخم جگر رکھتے ہیں

کس کے آنے کی تمنّا ہے کہ شکلِ نرگس
آنکھیں ہم آٹھ پہر جانب در رکھتے ہیں

صحبتیں گرم تو ہیں غیر کے شامل ہر دم
اپنے عاشق کی بھی کچھ آپ خبر رکھتے ہیں

رہروانِ رہ الفت کو نہیں فکر مآل
پاؤں اس کوچے میں بے خوف و خطر رکھتے ہیں

نالۂ نیم شبی کا ہے مقرر یہ اثر
آپ مجھ پر جو عنایت کی نظر رکھتے ہیں

آپ کامل ہیں اگر جور و جفا کے فن میں
میرے نالے بھی عجب زور اثر رکھتے ہیں

کٹتے ہی وصل کی شب آئی قیامت سر پر
نالۂ صور مگر مرغ سحر رکھتے ہیں

حور و غلماں کی ہوس ہوگی فقط زاہد کو
آرزو تیری تو سب جن و بشر رکھتے ہیں

خانۂ دل میں جو آئے تو وہ کیوں کر آئے
ہم تمنّاؤں سے آباد یہ گھر رکھتے ہیں

تا سرِ عرش نہ پہنچے کبھی میرے نالے
یہ بھی تیری ہی رضا مد نظر رکھتے ہیں

اک شبِ وصل صنم ہو کہ نہ دیکھی اب تک
اک غمِ دوست ہی جو شام و سحر رکھتے ہیں

وہ تپش جس سے کہ جل جائیں تمھارے افلاک
شعلۂ داغ دل اے شمسؔ و قمر رکھتے ہیں

کیوں یہ پژمردہ ہوئے ہیں جو چمن میں آیا
پھول کیا کچھ خلشِ داغِ جگر رکھتے ہیں

اشکِ خونیں کی روانی نہ ہو کیوں حد سے فزوں
عزمِ طوفاں یہ مرے دیدۂ تر رکھتے ہیں

کس طرح تجھکو میں پہنچاؤں وہاں تک اے دل
خاطرِ یار میں اغیار گزر رکھتے ہیں

عمر سب دشت نوردی میں بسر کی ہم نے
نہ وطن رکھتے ہیں اے یار نہ گھر رکھتے ہیں

اب محرومیِ تقدیر سے سینچا ہے اسے
نخلِ اُمید جو بے برگ و ثمر رکھتے ہیں

کہتے ہیں دیکھ نہ لے آکے وہ دیوانہ کہیں
بند اسی خوف سے ہم روزن و در رکھتے ہیں

ابھی کمسن ہیں وہ کیا جانیں محبت کے مزے
کب رہ و رسمِ زمانہ سے خبر رکھتے ہیں

ہے ہمیں مدِ نظر فکرِ مضامینِ کمر
اسلیے سوے عدم عزمِ سفر رکھتے ہیں

وحشتیں آپ کی ہیں جوش پر اے حضرتِ دل
آج کل قصدِ سفر کہیے کدھر رکھتے ہیں

دیکھیے فرطِ نزاکت سے نہ بل کھائے کہیں
نیمچا آپ عبث زیبِ کمر رکھتے ہیں

چین غربت میں نہ راحت ہے وطن میں ہم کو
ایک ہی شکل سفر اور حضر رکھتے ہیں

مرغِ بسمل کی طرح دیکھکے تیرے مژگاں
مضطرب سینے میں ہم قلب و جگر رکھتے ہیں

مجمعِ غیر میں چلتا تو ہے دورِ ساغر
قیس کے حال سے بھی آپ خبر رکھتے ہیں

آنکھوں کی راہ مرے دل میں وہ گھر کرتے ہیں
خوب دربردہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں

ہجر کی رات جو رو رو کے سحر کرتے ہیں
دن جدائی کے بُری طرح بسر کرتے ہیں

چھینٹے اشکوں کے بجھا سکتے ہیں کب دل کی لگی
ہاں مگر کم خلشِ دردِ جگر کرتے ہیں

اس طرح مجھ سے ہم آغوش اُنھیں ہونا تھا
زلف شبگوں کو عبث طوق کمر کرتے ہیں

ہوتی ہے خوف سے اک طرفہ قیامت برپا
قہر آلود نگاہیں وہ جدھر کرتے ہیں

اے ستم پیشہ فلک تیری حقیقت کیا ہے
جب فرشتے مرے نالوں سے حذر کرتے ہیں

کچھ تو ہے رمز کہ ہر وقت عدو کے آگے
شکوہ میرا ہی وہ کرتے ہیں اگر کرتے ہیں

آب و رنگ لب و دنداں سے ترے کیا نسبت
لوگ ناحق صفت لعل و گہر کرتے ہیں

جان تک عشق میں دے دیتے ہیں دینے والے
قطع اِس راہ کو بے خوف و خطر کرتے ہیں

باتیں کچھ لفظ ہوں کچھ طرز بیاں ہو کوئی
ہر طرح ذکر ترا جن و بشر کرتے ہیں

ناحق اشکوں کی جھڑی یوں نہ لگا رکھنا تھی
سب شکایت تری اے دیدۂ تر کرتے ہیں

جان لینے کو مری ۔ ناوک مژگاں تیرے
زہر بن بن کے رگ و پے میں اثر کرتے ہیں

لو مبارک ہو تمھیں روز کا جھگڑا چھوٹا
میرے ساتھ اب مرے ارمان سفر کرتے ہیں

چاہنے والے ترے نقش قدم لینے کو
فرش خاک آنکھیں سر راہ گزر کرتے ہیں

شکل تصویر ہمیں دیکھ کے غافل نہ سمجھ
دل ہی دل میں تجھے یاد آٹھ پہر کرتے ہیں

ایک اندھیر انگۂ شوق میں چھا جاتا ہے
وہ بگڑ کر مُنہ اِدھر سے جو اُدھر کرتے ہیں

قیس کو فکر کہ اُن پر نہ کھلے راز نہاں
نالے ضد پر ہیں کہ ہم جا کے خبر کرتے ہیں

ہم اُن کی سادگی ہی پہ اُنھیں جب پیار کرتے ہیں
تو پھر وہ آئنہ خانے میں کیا بنتے سنورتے ہیں

تمھاری طنز کی باتوں سے جو صدمے گزرتے ہیں
وہ سب دل میں ہمارے تیر بن بن کر اُترتے ہیں

ابھی نادان ہو تم فتنہ پردازوں کو کیا جانو
یہ سب بے بات کی باتیں بنا کر کان بھرتے ہیں

اُمید و یاس کا جھگڑا ابھی اک طرفہ تماشا ہے
کبھی ہم مر کے جیتے ہیں کبھی ہم جی کے مرتے ہیں

ہمارے دل میں آکر دیکھ لو تم سیر گلشن کی
کہ جتنے داغ ہیں سب پھول بن بن کو اُبھرتے ہیں

ہجوم شوق کہتا ہے لپٹ کر پیار کرنے کو
مگر ہم بے محل اُن کے بگڑ جانے سے ڈرتے ہیں

حسینوں کو نہ پوچھو ہر ادا اُن کی ہے مستانہ
قیامت ڈھاتے ہیں یہ جسطرف ہو کر گزرتے ہیں

زباں اُن کی جو چلتی ہے تو قینچی بنکے چلتی ہے
کہ جس سے شاخ ہی نخلِ تمنا کی کترتے ہیں

مرے عشقِ جنوں زا سے ہوا اُنکے حسن کی شہرت
مرے ہوتے وہ کیوں غیروں کا دم ذرات بھرتے ہیں

سنا ہے اُن کو دل لے کر مکر جانے کی عادت ہے
چلیں چلکر ذرا دیکھیں تو وہ کیونکر مکرتے ہیں

خدا رکھے سلامت مہ جبینانِ پری رو کو
نظر کے سامنے آتے ہی دل میں جا اُترتے ہیں

خدنگ ناز سے مجھ کو انھیں نے مار ڈالا ہے
بدل کر آنکھ جو کانوں پر اپنے ہاتھ دھرتے ہیں

گزر جاتے ہیں جیتے جی عدم کا راستا لے کر
کہیں ڈوبے ہوئے دریائے الفت کے اُبھرتے ہیں

لحد بھی رہ نوردانِ عدم کی خوب منزل ہے
تھکے ماندے مسافر سب یہیں آکر ٹھہرتے ہیں

تم اے قیس اس قدر مضطر ہو کیوں ٹھہرو وہ آئینگے
ابھی حمام میں ہیں غسل کرتے ہیں نکھرتے ہیں

تسلی دینے کے حیلے سے وہ یوں قتل کرتے ہیں
چبھوتے ہیں چھری دل میں جگر پر ہاتھ دھرتے ہیں

صفت اُنکے دُرِ دندان کی جب ہم نظم کرتے ہیں
تو گویا صفحۂ قرطاس پر موتی بکھرتے ہیں

بہت مشکل ہے بحرِ عشق کی موجوں کو طے کرنا
مگر ہم کہکے بسم اللہ اب اس میں اُترتے ہیں

خدا جانے گرے گی کس کے سر یہ موت کی بجلی
بھؤوں میں ڈال کر بل وہ جو خنجر تیز کرتے ہیں

کرینگے وامق و فرہاد کیا دعویٰ تقابل کا
طریقے عاشقی کے سب سے بہتر ہم نے برتے ہیں

خضر سے پوچھیں کیا ہم قلزمِ امید کا ساحل
جو تم سے دل لگاتے ہیں قضا کی گھاٹ اُترتے ہیں

دلوں پر صید گاہِ عشق میں خونخوار آنکھوں سے
یہ آہو چشم ہر دم شیر ہو ہو کر بپھرتے ہیں

اِدھر ہم ہیں کہ پی جاتے ہیں ساری باتیں سُن سُنکر
اُدھر وہ ہیں کہ جو کچھ جی میں آیا کہہ گزرتے ہیں

سبب کھلتا نہیں ان کی طبیعت کی دورنگی کا
سنور کر کیوں بگڑتے ہیں بگڑ کر کیوں سنورتے ہیں

خدارا اے نسیمِ صبح باز آ اپنی شوخی سے
وہ برہم ہوتے ہیں جب بال گیسو کے بکھرتے ہیں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے یارب ماجرا کیا ہے
گھُٹا جاتا ہے دم سینے میں جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

وہ اس ڈر سے کہ اُڑ کر پڑ نہ جائیں خون کی چھینٹے
چھُری دینے سے پہلے پر کبوتر کے کترتے ہیں

اثر دیوانگانِ عشق پر کیا ہو نصیحت کا
دباؤ جس قدر ان کو یہ اتنا ہی اُبھرتے ہیں

کسی کو ناز ہو اے قیسؔ طاعت یا ریاضت پر
غلامی پر رسول اللہ کی ہم فخر کرتے ہیں

میری جانب وہ نگاہِ فتنہ گر آتی نہیں
ورنہ چلتی پھرتی محفل میں کدھر آتی نہیں

آنکھوں کے سُرمے کو تیری خاک در آتی نہیں
خاک در تو خیر خاکِ رہگذر آتی نہیں

کوئی صورت اُن سے ملنے کی نظر آتی نہیں
کوششیں کرتا ہوں قسمت راہ پر آتی نہیں

جب مری فریاد واپس بے اثر آتی نہیں
یاالٰہی کیوں امیدِ وصل بر آتی نہیں

بجلیاں گر گر کے کاہیکو کلیجا پھونکتیں
بے قراری میرے حصے میں اگر آتی نہیں

اُن کے تیور پھرتے ہی سارا زمانا پھر گیا
نیند بھی آنکھوں میں اب تو رات بھر آتی نہیں

مجھ سے پہلے کیا تجھی کو اے اجل موت آگئی
میں تڑپتا ہوں تو کیوں لینے خبر آتی نہیں

ٹھوکریں کھا کھا کے تو میدانہ کوے یار سے
کب ہماری آرزو با چشم تر آتی نہیں

لیتے لیتے چٹکیاں کیا تیرے ناخن گھس گئے
لذتِ کاوش جو لے دردِ جگر آتی نہیں

ناصحِ مشفق کو دوں میں کس طرح تیکھا جواب
مجھ کو دشمن سے بھی اکھڑی بات کر آتی نہیں

وصل ہی کی شب موذّن کو بھی تھی فکرِ اذاں
اب تو کوئی بھی صدا اچھلے پہر آتی نہیں

میری اُن کی دونوں کی نظریں لڑیں تو کیا لڑیں
یہ اُدھر جاتی نہیں ہے وہ اِدھر آتی نہیں

قید میں لانا ہے مشکل طایرِ موہوم کا
کیا کریں ہم بندشِ زلف و کمر آتی نہیں

دل مرا رہتے ہوئے ناحق تو اے تصویرِ یار
بھٹکی بھٹکی پھرتی ہے اور اپنے گھر آتی نہیں

پھول تو میری لحد پر کیا چڑھائے گا کوئی
شمع بھی آنسو بہانے تا سحر آتی نہیں

اچھی ساعت میں دکھاتی ہے اثر تدبیر بھی
کام بگڑے وقت پر فکرِ بشر آتی نہیں

جھک کے ملنا سب سے خاص اہلِ کرم کی شان ہے
فائدہ پہنچانے شاخِ بے ثمر آتی نہیں

تو کسی بیمارِ غم کا کر سکے گا کیا علاج
جب دوائے دردِ دل اے چارہ گر آتی نہیں

قطع کرنا بار ہو جاتا عدم کی راہ کا
یاد اگر تیری وفا وقتِ سفر آتی نہیں

موت نے بھی کچھ اُڑا لی ہے قیامت کی ادا
دور سے آنکھیں دکھاتی ہے مگر آتی نہیں

نکتہ سنجو یاد رکھنا یہ نصیحت قیسؔ کی
شاعری وہ شے ہے جو بے دردِ سر آتی نہیں

تڑپا کیا میں ہجر میں کب رات بھر نہیں ۔ قسمت کی بات ہے کہ تمھیں کچھ خبر نہیں

موقوف دید یار فقط طور پر نہیں ۔ درکار آنکھیں ہیں وہ کہاں جلوہ گر نہیں

بے وجہ کب تھی حضرت موسیٰ کی بیخودی ۔ تجھ پر ٹھہر سکے یہ کسی کی نظر نہیں

بگڑی رہے گی یونہیں جو چال آفتاب کی ۔ میری شب فراق کی ہو گی سحر نہیں

آنکھوں سے مثل اشک لہو بن کے بہہ گیا ۔ پہلو میں آکے ڈھونڈ لو دل ہے جگر نہیں

نالے پکارتے ہیں شب غم اجل اجل ۔ تقدیر کہتی ہے کہ خبردار ادھر نہیں

سودا یہی رہا تو مجھے اضطراب میں ۔ لیجائے گا جنوں کدھر سے کدھر نہیں

بے ڈھب ہیں آج یار کے تیور کھنچے ہوئے ۔ افسوس میری آہوں میں کچھ بھی اثر نہیں

یہ تشنگان جام شہادت کی سیر ہے ۔ عشاق کا ہجوم سر رہگزر نہیں

اے جوش اشتیاق کشش تیری چاہیے ۔ منزل ہے دور اور کوئی راہبر نہیں

لبریز میری عمر کا پیمانہ ہو گیا ۔ باندھی ہے اس نے بے سبب اپنی کمر نہیں

ہے یار محو قتل میں سرگرم دید حسن ۔ اے تیغ تیز جلد گلے سے اُتر نہیں

کرتے ہو مفت قیس کے دل کو خراب کیوں
ہے جلوہ گاہ عشق یہ ویران گھر نہیں

حسن تیرا کسی بشر میں نہیں ۔ یہ ضیا چہرۂ قمر میں نہیں

تو جو اے یار میرے گھر میں نہیں ۔ شکل جینے کی اب نظر میں نہیں

تجھ کو آغوش غیر میں دیکھوں ۔ اتنی طاقت مرے جگر میں نہیں

جس سے غیروں کے دل دہل جائیں — وہ اثر آہِ پُرشرر میں نہیں
کس طرح اپنی آہ کو روکے — صبر کی تاب جس بشر میں نہیں
دل ہے بے چین بہرِ وصلِ صنم — کوئی صورت مگر نظر میں نہیں
جا کے اُس سے کہے ہمارا حال — اس کی جرأت ہی نامہ بر میں نہیں
مدد اے شوقِ وصلتِ جاناں — کچھ اثر آہِ بے اثر میں نہیں
نخلِ الفت نے پائی قسمتِ سرو — میوۂ وصل اس شجر میں نہیں
پہلے جو شوخیاں دکھاتی تھی — اب تو وہ ایک بھی نظر میں نہیں
حضرتِ عشق کی عنایت سے — یہ نقاہت کسی بشر میں نہیں
دشتِ وحشت کی خاک اُڑاتا ہوں — جلوۂ یار جب سے گھر میں نہیں
بارِ گیسو سے بل نہ آجائے — دیکھ طاقت تری کمر میں نہیں
ہے جو تیرے لبوں میں شیرینی — وہ کسی قند و نیشکر میں نہیں
ہے مرے دل میں جا گزیں وہ شوخ — جس کا ثانی کسی نظر میں نہیں
کام لیتے ہیں اب تصور سے — طاقتِ دید چشمِ تر میں نہیں
کالی ناگن ہے عاشقوں کے لیے — زلف لپٹی ہوئی کمر میں نہیں
تا کجا ضبطِ نالہ و فریاد — صبر کی تاب اب جگر میں نہیں
تیرے دانتوں سے کیا مقابل ہوں — یہ صفائی دُر و گہر میں نہیں
تو ہی اے مرغِ روح جا اُڑ کر — نامہ بر اب کوئی نظر میں نہیں

جو کھٹک یار کی مژہ میں ہے
وہ کسی نوک نیشتر میں نہیں

صدمۂ ہجر میں سہوں کب تک
تاب و طاقت دل و جگر میں نہیں

مہوشانِ جہاں کو کیا دیکھوں
کوئی تم سا مری نظر میں نہیں

باتیں ہوتی ہیں سب مقدر سے
قدر انساں کسی ہنر میں نہیں

معدن دُر ہیں قیس کی آنکھیں
قطرے اشکوں کے چشم تر میں نہیں

ترے کوچے میں اے قاتل جو ہم بیباک آئے ہیں
فقط گز بھر جگہ لینے کو زیر خاک آئے ہیں

مری بزم عزا میں ہے غلط اظہار ماتم کا
بناوٹ سے وہ پہنے ملگجی پوشاک آئے ہیں

عدم سے عالمِ امکاں میں ہم برباد ہونے کو
جگر خستہ پریشاں دل گریباں چاک آئے ہیں

اِنھیں سے تیغ اٹھّے گی یہی خنجر چلائیں گے
یہی میرے لیے بن کر بڑے سفّاک آئے ہیں

اگر ہم سے ہزاروں ہیں تمھارے چاہنے والے
تو ہم بھی لاکھ معشوق اپنے ڈھب کے تاک آئے ہیں

اُنھیں کی تیوریاں کرتی ہیں اُنکے دل کی غمازی
لحد پر سر جھکائے بن کے جو غمناک آئے ہیں

تمھیں حق ہے جو سمجھو ورنہ ہم تو نقد دل لیکر
بہت ہی صاف آئے ہیں بہت ہی پاک آئے ہیں

قیامت ہے کہ آئے دن مصیبت پر مصیبت ہے
مرے سر چڑھ کے مجھ کو پیسنے افلاک آئے ہیں

چرا کر قیس کا دل کھیل سمجھے تھے کہ لیجاتے
زمانے بھر سے بڑھ کر کیا وہی چالاک آئے ہیں

خار غم دل میں چبھا ہے تو نکلتا ہی نہیں
آہ کیوں کر نہ کروں اب وہ سنبھلتا ہی نہیں

باغ جنت میں مجھے رہنے کی تکلیف نہ دیں
جی کہیں ہجر میں اُس گل کے بہلتا ہی نہیں

ہم بھی کچھ لذت دیدار اٹھاتے لیکن
رنگ اپنا فلکِ پیر بدلتا ہی نہیں

تو ہی اے عشق بتا وصل کی تدبیر مجھے
غیر تو پہلوئے دلدار سے ٹلتا ہی نہیں

کیا بھلا وصل سے دل شاد کریگا ای بُت
ایک بوسا تو ترے جی سے نکلتا ہی نہیں

ضبط نالہ بھی کیا آہ و فغاں بھی روکے
دل ہو بے چین کچھ ایسا کہ سنبھلتا ہی نہیں

شوق دیدار رہو یا جوش تمنائے وصال
کوئی ارمان مرے دل سے نکلتا ہی نہیں

کیوں نہ اے دشت جنوں خاک اُڑاؤں تیری
قلب کمبخت کہیں اور بہلتا ہی نہیں

خون عاشق کی نہ تہمت ہو کفِ رنگیں پر
مہندی ہاتھوں میں وہ اس خوف سے ملتا ہی نہیں

ایک چلو کی تمنّا تھی مگر کیا کہیے
کھا کے جوش اے خم مے تو تو اُبلتا ہی نہیں

کس طرح خط میں لکھوں حال دلِ زار انھیں
حرف مطلب مرے خامے سے نکلتا ہی نہیں

نزع کے وقت ملی یار کے آنے کی خبر
کیا کروں اب ملک الموت تو ٹلتا ہی نہیں

ایک میرا وہ جگر تھا کہ ہوا نذر بُتاں
ایک زاہد کا قدم ہے کہ پھسلتا ہی نہیں

ڈر لگا ہے اُسے دشمن کی جو ناراضی کا
اسلیے ساتھ مری لاش کے چلتا ہی نہیں

وصل میں خاک نکلتی مرے دل کی حسرت
نخل اُمید وہ ہے قیس کہ پھلتا ہی نہیں

وصل میں بھی ہائے کچھ لذت مجھے حاصل نہیں
یار تو پہلو میں ہے قابو میں لیکن دل نہیں

ہوں شریک بزم عشرت گو ہم اس قابل نہیں
پوچھ لینے سے تو گھٹتی رونقِ محفل نہیں

نقش کس کے صفحۂ دل پر نہیں تیری شبیہ / کون تیرے حُسن عالمتاب کا قائل نہیں

کیوں نہو فرزانگی سے بڑھ کے میری بیخودی / جو ترا وابستۂ گیسو نہیں عاقل نہیں

خوف جو کچھ ہے وہ ہے انجام کی افتاد کا / ورنہ دل دینا تو محض آسان ہے مشکل نہیں

لاکھ اوٹوں میں ہو کوئی چشم بینا چاہیے / مانعِ دیدار لیلےٰ پردۂ محمل نہیں

مجھکو جنت ہے وہی تو ہو جہاں جلوہ نما / قصر و ایواں کیا کرونگا حور کا مائل نہیں

قبر ہی تک ساتھ تھے سب اپنے بیگانے مرے / جز ہجومِ بیکسی آگے کوئی شامل نہیں

میں شبِ وعدہ بتا دوں اپنے جی کی آرزو / ہو لحاظِ پاکدامانی اگر حائل نہیں

شوق سے تو پار اُتار اب مجھکو تلواروں کی گھاٹ / بازپرسِ حشر کا اندیشہ اے قاتل نہیں

لیکے دل یہ بے نیازی کر دیا پامال اُسے / پھر اسی پر تم یہ کہتے ہو کہ ہم غافل نہیں

رکھدیا سر میں نے قدموں پر تو وہ کہنے لگو / ہو گی اس سے تیرگیِ بخت بد زائل نہیں

عشق وہ کوچہ ہے جس میں ضبط کی تعریف ہو / جو ہو ! گرمِ فغاں وہ رہروِ کامل نہیں

جادۂ الفت میں بھی یارب ہے کھٹکا چور کا / دم کے دم ٹھہروں ذرا ایسی کوئی منزل نہیں

کیا عدوّ سامری فن ہو سکے گا ہمزباں / سحر ہو کیسا ہی وہ اعجاز میں داخل نہیں

قتل کرتے ہی مجھے دامن کو دھونے کیا چلے / حشر تک چھوٹے یہ وہ خونِ رگِ بسمل نہیں

تجھ سے مانگا ہے تجھے تو لیکے اُٹھونگا تجھے / یوں نہیں تیرے در سے پھر جاؤں میں وہ سائل نہیں

ناز پر ہے ناز انھیں میں ہوں ز سر تا پا نیاز / توڑ دوں رسمِ وفا ایسا تو میں جاہل نہیں

تیری چالوں سے تو اب ڈرتا نہیں ہوں اے فلک / تو ہے دشمن تو خدا کیا خسروِ عادل نہیں

کیوں نہ رو دیں سُنکے وہ اے قیس یہ میری غزل
سرگزشتِ غم ہے کچھ افسانۂ باطل نہیں

کبھی آنکھوں میں رہتے ہیں کبھی وہ دل میں رہتے ہیں
پری پیکر ہیں دن رات اک نئی منزل میں رہتے ہیں

عدو محفل سے جاتے ہیں نہ ہم محفل میں رہتے ہیں
قیامت پر قیامت ہی عجب مشکل میں رہتے ہیں

غلط ہی کیوں نہ ہو لیکن زباں آنکی تم دیدو
کہ پہلوے وفا بھی وعدۂ باطل میں رہتے ہیں

مرے ارمانِ دل لاکھوں کہ جن پر جان جاتی ہے
لہو بن بن کے اکثر دامنِ قاتل میں رہتے ہیں

نہ پوچھو اپنے دیوانوں کی وجہِ دشت پیمائی
تلاشِ نقشِ پاے ناقۂ محمل میں رہتے ہیں

سکوتِ لب کہ ضبطِ آہ یا اخفاے بیتابی
کمالِ عاشقی ہیں عاشقِ کامل میں رہتے ہیں

بتانِ سنگدل کو موم کیا نالوں سے کر لینگے
وہ دیوانے ہیں جو اس فکرِ بے حاصل میں رہتے ہیں

بُلا لیتے ہیں باہر لاکھ پردوں سے حسینوں کو
کچھ ایسے جذبِ پنہاں میری آب و گل میں رہتے ہیں

کنارِ بحرِ الفت پر قدم رکھتے ہی ڈوبے ہم
تھپیڑے موجِ غم کے دامنِ ساحل میں رہتے ہیں

نکلتے ہیں عدو کے جو ارماں اے بتِ ظالم
وہ آ آ کر ہمیشا کیوں دلِ بسمل میں رہتے ہیں

ملے کیا چین راہِ عشق میں آفت نصیبوں کو
ہزاروں طرح کے کھٹکے ہر اک منزل میں رہتے ہیں

ہجومِ آرزو سے دل میں بھی تنہا نہیں رہتے
جہاں رہتے ہیں یہ کافر بھری محفل میں رہتے ہیں

اُنھیں عادت جفا کی ہے برس پڑنے کی خو ہم کو
وہ اس مشکل میں رہتے ہیں ہم اس مشکل میں رہتے ہیں

حسینوں میں ہے یارب کس بلا کی طرزِ معشوقی
کہ جس کی جان کے دشمن اُسی کے دل میں رہتے ہیں

پسِ مردن بھی قیس و حزیں کی خاک کے ذرّے
پئے دیدارِ لیلےٰ پردۂ محمل میں رہتے ہیں

بھرے ہیں سو طرح کے لطف اندازِ تکلم میں
خدا جانے کہاں سے آگئیں یہ شوخیاں تم میں

کدورت دل کی دھونا ہی تردد ہے تیمم میں
وضو کے قابل اے ساقی کوئی شے ہے کسی خم میں

جگہ دیتے نہیں دل میں یہ ہے شانِ وفاداری
ہوا کرتی ہیں پیدا سیکڑوں باتیں توہم میں

چھپاؤ لاکھ آثارِ مسرت چھپ نہیں سکتے
تڑپ بجلی کی آجاتی ہے وزدیدہ تبسم میں

تمھیں تو غیرتِ حور و پری ہم لوگ کہتے ہیں
دکھائی دیتے ہو گے اور ہی کچھ چشم انجم میں

نجات اب دشت پیمائی سے مجھکو ہو یہ کیا ممکن
دیئے ہیں عشق نے غوطے جنوں انگیز قلزم میں

مجھے کیا دل میں تم رہتے ہو آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل
میں جب جانوں کہ پتلی بن کے ٹھہرو چشمِ مردم میں

غرض کیا مجھ کو ناحق ذکر اعجازِ مسیحا سے
یہاں پتھر میں پڑ جاتی ہے جاں آوازِ قُم قُم میں

کسی گلرو کے گانے کا مزا مجھ سے کوئی پوچھے
صدائے لحنِ داؤدی کا عالم ہے ترنم میں

یہ میرا دل ہے دیدوں یا نہ دوں یہ دھمکیاں کیسی
کہو تو رنج آئے یا نہ آئے اس تحکم میں

بھنویں تنتے ہی میں بے جان ہو کر گر پڑا کیونکر
اجل شاید نہاں تھی ابروِ مانند کژدم میں

اگر آزاد بھی کرنا تو کوئی گھات رکھ لینا
جفا کی بھی رہے کچھ شان اے ظالم ترحم میں

مری آنکھوں کے ہوتے خاک پر اس کو نہ دوڑاؤ
کہیں مٹی نہ بیٹھے اسپِ خوش رفتار کے سُم میں

ہوس انسان کو آرام سے رہنے نہیں دیتی
پھنسے آدم اسی ظالم سے جرمِ اکلِ گندم میں

لباسِ پُرتکلف زینتِ اربابِ دنیا ہے
نہاں ہوتے ہیں دفن اہلِ یقیں دیبا و قاقم میں

سنا ہے میرے مرنے کو وہ شادیٔ مرگ کہتے ہیں
سمجھتے ہیں کہ مضمر ہے کوئی لذت تالم میں

رموزِ شاعری کیوں کر بتا دوں راہ چلتوں کو
ہزاروں دقتیں پڑتی ہیں تعلیم و تعلم میں

یہی شرطِ محبت ہے کہ میں تو سختیاں جھیلوں
رہو مصروف تم دن رات یوں عیش و تنعم میں

فنِ الفت میں مجنوں اور رہیں مدِّ مقابل ہیں
اگر اُس کو شرف ہو گا بھی تو ہو گا تقدُّم میں

خیالِ یار کا بھی اب تو آنا ہو گیا مشکل
گھرا ہے اس طرح دل حسرت و غم کے تراکُم میں

تباہی میں نہ آئے موج عصیاں کے تھپیڑوں سے
پڑی ہے یا الٰہی قیسؔ کی کشتی تلاطُم میں

سلوک راہ وفا ہر کسی کا کام نہیں
طریق خاص ہے یہ شاہراہ عام نہیں

تجھی سے راست مری بندگی کی نسبت ہے
زہے نصیب کہ میں غیر کا غلام نہیں

سواد لوح جبیں کیا کوئی مٹائیگا
نوشتۂ خط تقدیر نقش خام نہیں

جو کوئی عیب ہے تم میں تو یہ کہ ہو بے عیب
نہیں تو اور کچھ اس کے سوا کلام نہیں

شبِ وصال گزرتے ہی اک بلا چھائی
یہی وہ صبح قیامت ہے جس کی شام نہیں

عدو سے کہتے ہو کیا میری دل دہی کیلئے
جب اپنے گھر کا مجھے آپ احترام نہیں

سرِ نیاز ہے خم تیرے حکم کے آگے
کوئی زبان ہلائے یہ وہ مقام نہیں

ہے ذرے ذرے میں جلوا تمام قدرت کا
مگر نگاہ عدو کو کہیں قیام نہیں

اگرچہ قیسؔ کی شہرت ہے چار سو لیکن
ہو آشنائے لبِ یار یہ وہ نام نہیں

جسے تیری محفل میں ہم دیکھتے ہیں
پریشان دل چشم نم دیکھتے ہیں

نہ تنہا خوشی اور غم دیکھتے ہیں
دو رنگی دوراں بہم دیکھتے ہیں

عدو پر جو لطف و کرم دیکھتے ہیں
ہم اپنے نصیب اے صنم دیکھتے ہیں

وہ شانِ محبت جو ہم دیکھتے ہیں
ہماری طرح غیر کم دیکھتے ہیں

ترا حسن جس وقت ہم دیکھتے ہیں
خدا جانے کیا اے صنم دیکھتے ہیں

کبھی ہم سے دو بات کرتے نہیں تم
رقیبوں سے قول و قسم دیکھتے ہیں

مرے عشق صبر آزما کا تماشا
ہمیشہ وہ دے دے کے دم دیکھتے ہیں

نہ معلوم کیا ہو کہ سب کے دلوں میں
تمھاری طلب بیش و کم دیکھتے ہیں

غضب ہے دم نزع اُن کا یہ کہنا
نکلتا ہے کس طرح دم دیکھتے ہیں

تری چشم میگوں ہے یا سحر بابل
کہ سب کو اسیر الم دیکھتے ہیں

تعجب ہے اُن پر جو حرص و ہوا میں
پڑے خواب باغِ ارم دیکھتے ہیں

جہاں ذکر ہوتا ہے مہر و وفا کا
تمھاری طرف مڑ کے ہم دیکھتے ہیں

نہ کیوں نیند میں بھی رہے دل کو الجھن
تری زلف کا پیچ و خم دیکھتے ہیں

جلو میں ترے عاشقوں کی بدولت
عجب شان جاہ و حشم دیکھتے ہیں

تجھے دے کے دل رہروانِ محبت
نہ کچھ غیر جور و ستم دیکھتے ہیں

جو ہوتی ہیں اے قیسؔ ہم پر جفائیں
خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں

کھل کھیلنا کسی سے بیباک انجمن میں
اچھا نہیں ہے ظالم اس دہر پرفتن میں

چلتا ہے دور ساغر اس شان سے چمن میں
ہوں گرم رقص پریاں جس طرح انجمن میں

نہلا کے جب مجھے تم رکھنے لگو کفن میں
مٹی کا عطر پہلے ملنا مرے بدن میں

پھولوں کی ساری کلیاں گلچیں نے توڑ ڈالیں
افسوس بلبلوں پر بجلی گری چمن میں

چہرے پر اپنے گیسو ناحق بکھیرتے ہو
ہے چاند چودھویں کا آجائیگا گہن میں

رندان بادہ کش کی چمکی ہوئی ہے محفل
سب مست ہو رہے ہیں کیفِ مئے کہن میں

دشمن کے سوگ میں بھی تم پاس وضع رکھنا
ایسا نہ ہو کہ آئے کچھ فرق بانکپن میں

تیشے سے پھوڑ کر سر کیوں کر نہ جان دیتا
ناکامیاں لکھی تھیں تقدیر کوہکن میں

کیا تاب ہے کہ اُن سے آنکھیں کوئی ملائے
شاخیں نکالتے ہیں سو سو طرح ہرن میں

پیدا ہو میرے ان کے نبھنے کی شکل کیونکر
کامل ہوں میں وفا میں وہ طاق مکر و فن میں

گلکاریوں سے تیری اے باغبان قدرت
جوبن کھلے ہیں کیا کیا نسرین و نسترن میں

دونوں ہی مدعی ہیں جب تیری جستجو کے
جھگڑا پڑا ہوا ہے کیوں شیخ و برہمن میں

اے دست جوش وحشت جلدان کو ختم کردے
دو چار تار ابھی تک باقی ہیں پیرہن میں

ہر طرح خوش کسی کو ہم نے کبھی نہ دیکھا
جو ہے اسیر غم ہے دنیائے پُرمحن میں

ممکن ہے گفتگو کی نوبت کچھ آہی جائے
میری زبان رکھ لے اے نامہ بر دہن میں

یہ بل کی لے رہی ہیں زلفیں تری کمر سے
لپٹے ہوئے ہیں کالے یا شاخ یاسمن میں

اے قیس کیا بتاؤں دو دن کی زندگانی
کس طرح کاٹتا ہوں یاران ہموطن میں

بہار آئی شجر ہیں مست اپنے جوبن میں
صفیں باندھے ہوئے میکش چلے آتے ہیں گلشن میں

اثر اتنا ہی دیدے یا الٰہی میرے شیون میں
کہ وہ رہنے نہ پائیں چین سے پہلوے دشمن میں

نحافت کا بُرا ہو جب بڑھے دست جنوں میری
اُلجھ کر اُنگلیاں رہ رہ گئیں سب تار دامن میں

کوئی شیدا ہے رُخ کا کوئی عاشق زلف شبگوں کا
عجب ہنگامہ برپا ہے مسلمان و برہمن میں

رگوں کی ہے جھلک یا چشم بد کے دور کرنیکو
پڑے ہیں نیلگوں ڈورے صراحی دار گردن میں

اِدھر تو گریۂ پیہم سے اک طوفان برپا ہے
اُدھر شادی رچی ہے چہچہے ہیں بزم دشمن میں

پسند آیا جو چھُپ کر بیٹھنا سب کی نگاہوں سے
لگا دیں تیلیاں پلکوں کی ہیں اُنکی چلمن میں

ہجوم آرزو میں بیکسی سر پیٹتی آئی
چلے احباب جب تنہا لٹا کر مجھکو مدفن میں

یہاں ہے سب حسینوں پر جو تیرے حسن کا پرتو
فلک پر عارضِ رخ کی جھلک ہے ماہ روشن میں

کہیں آنکھیں لڑیں تو دل سلامت رہ نہیں سکتا
غضب کی شوخیاں ہیں اُس بُتِ کافر کی چتون میں

مرا گھر میرے ہی سوزِ جگر نے پھونک ڈالا ہے
لگی ہے آگ آہوں کے شراروں سے نشیمن میں

نہ نکلو لاکھ تم گھر سے مجھے اسکی نہیں پروا
جڑونگا جاکے شیشہ اپنے دیدے چشم روزن میں

نگاہِ شوق تلواروں کی دھمکی سے نہیں رُکتی
پڑینگے سیکڑوں رخنے تری دیوار آہن میں

کیا ہے دشمنوں کی پٹیوں نے کام جادو کا
کھٹکتا ہوں مثالِ خار چشمِ شوخ بدظن میں

مصیبت میری تم اے خفتگانِ خاک کیا جانو
مبارک ہو تمھیں آسایش اپنے اپنے مسکن میں

خدا رکھے سلامت تو کچھ آگے چل کے سمجھینگے
ابھی کیا فرق اُنھیں معلوم ہوگا دوست دشمن میں

میں حوروں سے بھی لیتا داد تیرے حسن دلکش کی
شبیہ اپنی نہ کیوں کھنچوا کے رکھدی میرے مدفن میں

جوانی میں نہیں معلوم کیا ادھم مچاؤ گے
جب آئے دن جگاتے رہتے ہو فتنے لڑکپن میں

مرے گل پیرہن نے مل کے مسی پیک تھوکی تھی | اُسی کے رنگ کا شاید اثر آیا ہے سوسن میں

وہ معشوقوں میں رکھتے ہیں اگر دعوائے یکتائی
تو ہوں اے قیس میں استاد کامل عشق کے فن میں

سرِ محفل جو استاد اپنے اپنے فن کے بیٹھے ہیں | وہ سارے لوٹنے والے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں

اُدھر خنجر بکف ابرو میں بل وہ تن کے بیٹھے ہیں | ادھر ہم آرزو مندِ شہادت بن کے بیٹھے ہیں

اُنھیں اُنکا رُخِ روشن کہیں چھپنے دے کیا ممکن | نہ جانوں کیا سمجھ کر اوٹ میں چلمن کے بیٹھے ہیں

وہی جو مجھ پر اپنا دل جگر قربان کرتے تھے | خدا کی شان پہلو میں مرے دشمن کے بیٹھے ہیں

مِلا کر خاک میں اللہ ری اُن کی پشیمانی | خجل سر در گریباں سامنے مدفن کے بیٹھے ہیں

لگی ہے ہاتھوں میں مہندی جما ہے ہونٹوں پر لاکھا | کسی کے دل میں گھر کرنے کو وہ بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

سبب دردِ دل و سوزِ جگر کا پوچھنا کیا ہے | جب ان پر سکڑوں ناوک تری چتون کے بیٹھے ہیں

الٰہی خیر ہو یہ بے حسی کچھ رنگ لائے گی | متاعِ دل لیئے ہم راہ میں رہزن کے بیٹھے ہیں

عجب پر لطف مجمع ہے چمن میں نونہالوں کا | کہ دھانی جوڑے سب پہنے ہوئے ساون کے بیٹھے ہیں

غضب ہو جائیگا جب وہ قیامت بنکے اٹھینگے | ابھی تو خیر سے انداز میں بچپن کے بیٹھے ہیں

اگر ہیں شمع روئے یار کے اغیار پروانے | تو ہم بھی جاں نثار اُسکے رخِ روشن کے بیٹھے ہیں

مجھے وہ دیکھ کر محفل سے یہ کہتے ہوئے بھاگے | کہ یہ پُرزے اُڑانے کو مرے دامن کے بیٹھے ہیں

مری آنکھوں میں بے علت نہیں ہیں رم دیدہ | مگر ہاں پھول چننے کو ترے گلشن کے بیٹھے ہیں

ہمارے دل میں وصلِ یار کے ارمان جتنے تھے | ہزار افسوس وہ سب داغ حسرت بن کے بیٹھے ہیں

کروں کس طرح عرضِ مدعا پھر روٹھ جائینگے
ابھی تو وہ ہزاروں منتوں پر من کے بیٹھے ہیں

خدا جانے ہمیشہ دشمنوں کے کان بھرنے سے
وہ کیا کیا چور ہیں جو دل میں اس بدظن کے بیٹھے ہیں

نیاز و ناز کی باتیں سنبھل کر غیر سے کرنا
جنابِ قیس بھی نزدیک ہی چلمن کے بیٹھے ہیں

دل کو ہمارے لوٹ لیا اک نگاہ میں
جادو بھرا ہے یار کی چشمِ سیاہ میں

کھولوں میں کیا زبان تری بارگاہ میں
شکوے بھرے ہوئے ہیں دلِ دادخواہ میں

مسجد میں دیر میں حرم و خانقاہ میں
تیرے سوا کوئی نہیں حق بیں نگاہ میں

دل پر نہ اختیار نہ سامان عافیت
ہے زندگی وبال حسینوں کی چاہ میں

کہتے ہیں کس کو دل کی کشش آپ دیکھتے
تاثیر کچھ بھی ہوتی اگر میری آہ میں

سیرِ چمن سے کام نہ گلگشت سے غرض
بیٹھا ہوں پاؤں توڑ کے الفت کی راہ میں

طاعت کی وجہ سے کوئی بخشا گیا تو کیا
ہم تو امیدوارِ کرم ہیں گناہ میں

جادو ہے یا طلسم ہے یا سحر یا فسوں
آفت کے ڈورے ہیں تری چشمِ سیاہ میں

مانگا کیا میں وصل میں شب بھر یہی دعا
رکھنا بلائے ہجر سے یارب پناہ میں

تیری شعاع نور نے سب کو دیا فروغ
رخ سے چمک ہی مہر میں ابرو سے ماہ میں

پابوس یار کی جو تمنا تھی بعد مرگ
میں شکل ذرہ چھپ کے رہا گرد راہ میں

آیا ہے کون فتنۂ محشر سر مزار
آتی نہیں ہے نیند جو اس خوابگاہ میں

پہلے تو کچھ نہ سمجھے نشیب و فراز عشق
اب بحث کر رہے ہیں کسی سے نباہ میں

جس نے تمھیں دیئے ہیں یہ حسن و ادا و ناز
دو مجھ کو ایک بوسۂ لب اُس کی راہ میں

سر عاشقوں کے ایک اشارے میں گر گیے
خنجر کا کاٹ ہے تری ترچھی نگاہ میں

اس کی بھی کچھ خبر ہے کہ ملنے کی آس پر
بیٹھا ہوں کب سے آ کے میں اس شاہ راہ میں

جامِ شہادت آج جو قاتل سے مل گیا
دریائے خوں رواں ہے مری قتلگاہ میں

جب سے ہوا ہوں شیفتۂ کاکلِ بتاں
دل گھر گیا ہے لشکرِ غم کی سپاہ میں

لاکھوں پری جمال نظر سے گزر گیے
لیکن کوئی حسین نہ ٹھہرا نگاہ میں

میں قطع کر رہا ہوں رہِ منزلِ وفا
ناصح کہیں نہ ہو خلل انداز راہ میں

صحنِ چمن میں یار۔ فلک پر ہے ماہتاب
اچھا مقابلا ہے یہ خورشید و ماہ میں

اے قیس مجھ کو آتشِ دوزخ سے ڈر نہیں
ڈوبا ہوں بحرِ عشقِ رسالت پناہ میں

اڑائی خاک مجنوں کی طرح ساری خدائی میں
مگر تجھ سا نہیں پایا کسی کو دلربائی میں

ہوئے تھے صلح پر راضی مگر دشمن نے دی پٹی
کدورت غیر کی مانع ہوئی میری صفائی میں

شبِ فرقت جو میری آہوں کے شعلے بھڑکتے ہیں
جلا کرتا ہوں سوزِ ہجر سے شب بھر جدائی میں

لگایا دل جو حوروں سے یہ کیسا زہد اے زاہد
کیا طرفہ غضب تو نے لباسِ پارسائی میں

بہار آئی ہے چھٹنے کی امنگیں بڑھتی جاتی ہیں
نہ کر مایوس اے صیاد امیدِ رہائی میں

حریر و سندس و دیبا مبارک ہو امیروں کو
رہا کرتے ہیں مستِ فقر کشکولِ گدائی میں

کسی کے ملکِ دل میں کیا کرے پیدا اثر جا کر
ہماری آہ آوارہ ہے دشتِ نارسائی میں

نہیں معلوم کس پردہ نشیں نے مجھ کو جھانکا ہی
لباسِ بیخودی پہنا ہے کس کی آشنائی میں

ادھر بھی لطف کی کوئی نظر اے عیسیِ دوراں
دگرگوں ہے ترے بیمار کی حالت جدائی میں

ہمیں پریوں کی بھی صحبت میں کب ہے وہ مزا حاصل
شبِ وصلت جو لذت تھی کسی کی ہاتھا پائی میں

تری زلفِ سیہ سے لی سیاہی میرے طالع نے
لہو کا میرے جلوا ہی ترے دستِ حنائی میں

رکا کیوں دست قاتل جب چلائی تیغ گردن پر
یہ کیسا بل پڑا اے دل مری مشکلکشائی میں

نہیں معلوم مجھ سے وصل میں وہ شوخ کیا لیگا
لیا نقدِ دل وجاں جس نے پہلے رونمائی میں

مجھی سے کج روی کرتا ہی کیوں ہر روز یہ گردوں
مرادِ شمن نہیں ملتا ہے کیا اس کو خدائی میں

طوافِ حسرت واندوہ وحرماں اس میں ہی ہر دم
دلِ روشن بنا کعبہ کسی کی آشنائی میں

حقارت کی نگاہوں سے نہ دیکھو خاکساروں کو
ہوا مردود ابلیسِ لعین اس خودنمائی میں

چلو اے قیس ملکِ ہند سے اب شہر یثرب کو
اٹھاؤ گے غمِ درد و الم کب تک جدائی میں

کوئے جاناں میں روز جاتے ہیں
لے کے حسرت وہاں سے آتے ہیں

آج اُن کو گلے لگاتے ہیں
غیروں کی گردنیں کٹاتے ہیں

دانت یاقوت سے دکھاتے ہیں
پان جب کھا کے مسکراتے ہیں

عشق میں خوب لطف پاتے ہیں
زندگی کے مزے اُڑاتے ہیں

میرے قابو میں کب وہ آتے ہیں
دل کے ارمان تاڑ جاتے ہیں

برق کی طرح وہ دکھا کے جھلک
صورتِ ابر تر رُلاتے ہیں

ربط اغیار سے نہ چھوٹے گا ۔ جھوٹی قسمیں فضول کھاتے ہیں
یہ بھی اک طرز دلربائی ہے ۔ کچھ رُلاتے ہیں کچھ ہنساتے ہیں
باتیں ایسوں کی کیا سُنے کوئی ۔ فقرے ہر لحظہ جو بناتے ہیں
خفتگانِ مزار چونک اُٹھے ۔ میرے نالے بھی قہر ڈھاتے ہیں
ہم کلام اُس سے دیکھ کر مجھ کو ۔ مدعی کیا ہی خار کھاتے ہیں
تھام لو دل تم اپنے ہاتھوں سے ۔ قصۂ درد ہم سُناتے ہیں
خوان نعمت سے ہم کو کیا مطلب ۔ اشک پیتے ہیں خون کھاتے ہیں
جو مزا ہے تمھاری باتوں میں ۔ قند میں بھی نہیں وہ پاتے ہیں
ہے پسند اُن کو میری گمنامی ۔ قبر ٹھوکر سے وہ مٹاتے ہیں
اٹھوں پہلو سے غیر کی خاطر ۔ آپ بھی کیا مجھے سکھاتے ہیں
رسم الفت بڑھی ہے غیروں سے ۔ گھوڑے کاغذ کے آتے جاتے ہیں
شیشۂ دل نہ چور ہو جائے ۔ کیوں بغل سے مجھے اٹھاتے ہیں
لے گلوں کی خبر تو اے بلبل ۔ جھونکے بادِ صبا کے آتے ہیں
وہ کسی بات پر نہیں قائم ۔ اک نیا رنگ روز لاتے ہیں
مرنے والوں میں نام تو ہوگا ۔ لیجیے ہم بھی زہر کھاتے ہیں
دیکھ کر تیری تیوریوں پر بل ۔ بید کی طرح کانپ جاتے ہیں
اس کے دھبے نہ چھوٹیں گے تا حشر ۔ خون عاشق میں کیوں نہاتے ہیں

راز دل شکل سے ہویدا ہے
قیسؔ ناداں ہیں چھپاتے ہیں

جو گیسو بنے پیچ والے ہوئے ہیں
وہ سانپ آستینوں کے پالے ہوئے ہیں

ڈرائے گی کیا ہم کو واعظ کی غرفش
یہ سب شعبدے دیکھے بھالے ہوئے ہیں

جسے لوگ کہتے ہیں محشر وہ شاید
تمھارے ہی فتنے اُچھالے ہوئے ہیں

سنواری عبث تم نے زلفِ مسلسل
مرے دشمنِ جاں یہ کالے ہوئے ہیں

لیا ضبط سے کام پہلے تو ہم نے
اب آمادۂ شور نالے ہوئے ہیں

وہاں کھیلتے ہیں وہ غیروں میں ہولی
یہاں داغ دل میرے لالے ہوئے ہیں

غضب ڈھائیں گی اب کوئی دم میں آہیں
ابھی تک انھیں ہم سنبھالے ہوئے ہیں

بھریں پیٹ کس چیز سے تیرے عاشق
غم و رنج تو دو نوالے ہوئے ہیں

نہ پروائے جنت نہ حوروں کی خواہش
سب ارمان دل کی نکالے ہوئے ہیں

کہا ہم نے مرتے ہیں تم پر تو بولے
چہ خوش اچھے یہ مرنے والے ہوئے ہیں

جو گردن جھکائے ہیں آنکھیں چرائے
یہی ہم کو آفت میں ڈالے ہوئے ہیں

حسینوں میں جس طرح بے مثل ہیں وہ
جفائیں بھی سب سے نرالے ہوئے ہیں

شبِ وصل دل ہے کہیں اور اُن کا
مری باہیں گردن میں ڈالے ہوئے ہیں

بچا مجھ کو قبرستاں سے تو یارب
کہ بے طرح آنکھیں نکالے ہوئے ہیں

اگر اُس گلِ تر کو دیکھا نہیں ہے
تو کیوں میرے زخمِ دل آئے ہوئے ہیں

کہاں اُن سے امید ایفائے وعدہ
برابر نہیں ہاں ہیں ٹالے ہوئے ہیں

نکلنے پر آمادہ ہے دل مگر ہم
بہت مشکلوں سے سنبھالے ہوئے ہیں

ترے چاہنے والے اے آفتِ جاں
دہانِ اجل کے نوالے ہوئے ہیں

رقیبوں کو مجلس میں اپنی بُلا کر
غم و رنج میں ہم کو ڈالے ہوئے ہیں

مصیبت وہ کیا جانیں قیسِ حزیں کی
جو سو ناز و نعمت کے پالے ہوئے ہیں

ردیف واو

دیکھ کر باغ میں کل محوِ تماشا مجھ کو
ہر گل تر نے کیا طعنوں سے رسوا مجھ کو

خونِ دل کرنے کا کرتے ہیں اشارا مجھ کو
رنگ ہاتھوں میں دکھا کر وہ حنا مجھ کو

جی بہلنے کی نکل آئے گی صورت کوئی
لے چل اے وحشتِ دل جانبِ صحرا مجھ کو

آنکھیں لڑتے ہی نہ کیوں درد سے آہیں بھرتا
ناوکِ ناز ترا تیرِ بلا تھا مجھ کو

راز سربستہ نہ کھل جائے کہیں رونے سے
چشمِ پُرنم نہ کرے خلق میں رسوا مجھ کو

خوف تھا ترکِ محبت کے ٹھہر جانے کا
اے اجل تو نے مگر آ کے سنبھالا مجھ کو

کھول کر آنکھیں جو دوڑائیں نگاہیں اپنی
ہر طرف یار کا جلوا نظر آیا مجھ کو

آج کی بات اُٹھا رکھوں میں کیونکر کل پر
ہے قیامت سے سوا وعدۂ فردا مجھ کو

قتل کرنے کے لیے دیکھے بھوؤں کو جنبش
مژدۂ مرگ سُناتا ہے مسیحا مجھ کو

نزع میں چھوڑ کے بالیں سے کہاں جاتا ہے
کون ہے تیرے سوا پوچھنے والا مجھ کو

میں تو اے قیس زسر تا بقدم ہوں پُر عیب
خود وہ اچھے ہیں سمجھتے ہیں جو اچھا مجھ کو

اب ساز اثر سے ہے مرے دستِ دعا کو
اتنا نہ ستاؤ کہ پکار اُٹھوں خدا کو

مُنہ پھیرے ہوئے شرم سے کیوں بیٹھے ہو تا کو
دیتا ہے کوئی دل نگہِ ہوش رُبا کو

تھک تھک کے مرے پاؤں تری راہ طلب میں
رسوا نہ کہیں کرنے لگیں بخت رسا کو

افسوس کہ میں دولت پابوس کو ترسوں
حصّا مری قسمت کا ملے رنگ حنا کو

میں تیغ تغافل سے ہم آغوش اجل ہوں
دو اذن تکلم لب اعجاز نما کو

کیوں میری طرف چشم عنایت نہیں ہوتی
کس جرم کی پاداش میں پہنچا ہوں سزا کو

ہر جزو بدن پھونک دیا سوز نہاں نے
ہڈی مری کھلواؤ گے کیا خاک ہما کو

دن رات جو رکھے رہے ناکام تمنا
ہم دور سے کرتے ہیں سلام ایسی ادا کو

کہنے کو تو سب حال کہوں درد جگر کا
پوچھے بھی کوئی عاشق بے برگ و نوا کو

خوش کیا ہیں وہ سنکر خبر مرگ ہماری
ترسیں گے خدا چاہے تو اب نام وفا کو

حیرت ہے چلے جائیں تہ خاک لیٹا کر
کچھ بھی نہ ترس آئے ہمارے رفقا کو

آئی ہوئی ٹل جاتی ہے کیا کیا مرے سر سے
جب تیری ادا آنکھ دکھاتی ہے قضا کو

اللہ رے اُس کے رُخ گلگوں کی صفائی
کر دیتی ہے رسوائے جہاں باد صبا کو

ہے دونوں طرف شوق میں اک جوش کا عالم
ٹلنے کی اجازت کہیں ملجائے حیا کو

اے قیس بُری ہوتی ہے زلفوں کی محبت
للہ نہ لو اپنے سر اس کالی بلا کو

قتل تو ہر حال میں ممکن ہے کچھ دشوار ہو
پھر بھی تم پتھر چٹا لو کُند اگر تلوار ہو

وہ محبت کیا نہ جس میں لطف ہو یا پیار ہو
بات پیچھے چھیڑ ہو ہر چھیڑ میں تکرار ہو

جب نصیبِ دشمناں برہم مزاجِ یار ہو
یا الٰہی کوئی کیونکر طالبِ دیدار ہو

جاں نثاروں میں جو وہ آمادۂ پیکار ہو
ہر شکن چینِ جبیں کی تیغ جوہردار ہو

سوزِ پنہاں سے خبر کیا خاطرِ اغیار ہو
حال دل سمجھے وہی جو واقفِ اسرار ہو

شرمگیں نظروں سے تم سینے کو برماتے ہو کیا
تیر وہ مارو جو دل کو چھید دے ہی پار ہو

صبر کرنے کو قیامت تک کرینگے صبر ہم
وصل کا بھی کچھ تو اے جانِ جہاں اقرار ہو

رات دن فرقت کی کڑیاں جھیلنے کو واسطے
حیف ہے درماں طلب یہ عاشقِ بیمار ہو

بے نقاب آئیں اگر وہ جلوہ گاہِ ناز میں
غیرتِ خورشید محشر تابشِ رخسار ہو

لوحِ دل پر نقش ہیں بے مہریاں صیاد کی
فصلِ گل میں نغمہ زن کیا عندلیبِ زار ہو

آج وہ مہمان بنکر اس طرف آنے کو ہیں
بختِ خوابیدہ ہمارا ہی کہیں بیدار ہو

جامِ وحدت بزمِ ساقی میں چھلکتے دیکھکر
کیوں نہ رہنِ مے جنابِ شیخ کی دستار ہو

بوے زلفِ عنبریں سے جب معطر ہو دماغ
سر میں کیا پیدا ہوائے نکہتِ گلزار ہو

ہجرِ جاناں میں لگا دوں میں جو اشکوں کی جھڑی
نذرِ سیلِ گریہ میری چشمِ دریا بار ہو

کیا عجب ہے گردشِ چشمِ فسوں پرداز سے
شورشِ محشر بھی اک ہنگامۂ پیکار ہو

بے محل باتیں نہ کرنا اس سے اے پیغامبر
سُن کے میرا مدعا ایسا نہ ہو بیزار ہو

کیوں نہ ہوں سرگرم رقص اُنکے شہیدانِ وفا
مژدۂ جاں بخش جب تلوار کی جھنکار ہو

آپ کی دو معنیہ باتوں کا میں قائل نہیں
صاف صاف اقرار ہو یا صاف صاف انکار ہو

وادیِ وحشت میں تڑپیں ہم اگر سر پھوڑ کر
خون کے چھینٹوں سے گلگوں دامنِ کہسار ہو

برق افگن ہے کسی کا جلوۂ صبر آزما
تیز کیونکر دو سروں کی گرمیِ بازار ہو

صبح پیری آگئی راتیں جوانی کی کٹیں
سو چکے جی بھر کے تم اے قلیں اب ہشیار ہو

دیا دل ہمنے اک رشکِ قمر کو
عبث تڑپا لیا اپنے جگر کو

سحر ہولے تو جانا اپنے گھر کو
ابھی تم میرے پہلو سے نہ سر کو

اثر بھی آہ سے کرنے لگا ساز
ذرا اب تھام و اپنے جگر کو

مجھے پہنچا دیا کس سنگدل تک
سلام اے عشق تجھ سے راہبر کو

نہ بہ جائے مرا دل خون ہوکر
ذرا روکے رہو تیرِ نظر کو

نہ ہم کیوں کر کریں رہ رہ کے آہیں
کوئی چٹکی سے ملتا ہے جگر کو

نہ رسوا حلقۂ عشاق میں کر
نہ توڑ اے چشم تر سلکِ گہر کو

ابھی دیکھا نہیں اے شوخ تو نے
کمالِ جذب آہ پُر شرر کو

نزاکت سے پتا پوچھو تو پاؤ
نشانِ موے باریک کمر کو

کرینگے عمر بھر ہم جبہہ سائی
نہ چھوڑینگے تمھارے سنگ در کو

اجی یہ تہمتِ بادہ پرستی — مجھ ایسے عاشقِ شوریدہ سر کو

نکلنے پر ہیں دونوں مستعد آج — سنبھالیں دل کو یا تھامیں جگر کو

نہیں تھی طاقت اے صیاد ہم میں — اکھیڑے تو نے ناحق بال و پر کو

وہ رستا بھول کر دشمن کے گھر کا — مری قسمت سے آ نکلے اِدھر کو

دمِ رخصت کیئے ہیں مجھ سے وعدے — کہ کل بھی آئیں گے ہم دوپہر کو

کوئی ظالم کسی کے دل میں رہ کر — نہ یوں ویران کرتا اپنے گھر کو

رقیب اپنا کہیں یہ بھی نہ ہو جائے — وہاں بھیجوں میں کیوں کر نامہ بر کو

بہائیں گے لہو اے تیرِ مژگاں — نہ چھیڑو تم مرے زخمِ جگر کو

کہاں تم نے یہ ساری رات کاٹی — ذرا ہم سے ملاؤ تو نظر کو

لگا کر نخلِ الفت باغِ دل میں — ترستے ہی رہے برگ و ثمر کو

تڑپ بے وجہ سینے میں نہیں ہے — ترا سودا ہوا قلب و جگر کو

فلک پر چھا گئیں کالی گھٹائیں — بڑھا جامِ مے اے ساقی اِدھر کو

میں روکوں کس طرح نالوں کو یارب — بجھاؤں کس طرح سوزِ جگر کو

لچک جائیگی یہ نازک بہت ہے — نہ دے اے زلف تو جھونکے کمر کو

ہمارا انتظار اب دیکھنا ہو — تو دیکھو نقشِ پائے رہگزر کو

ذرا ہلنے دو اسے چارہ گرو تم — نہ دو ٹانکے مرے زخمِ جگر کو

حسینوں کی ادائیں کیا غضب ہیں — لُبھا لیتی ہیں دم بھر میں بشر کو

سناؤں کس طرح حالِ جدائی
دکھاؤں کس طرح داغِ جگر کو

مرے نالوں سے ہیں آباد گلیاں
یہیں رہنے دو تم مجھ نوحہ گر کو

پھر اپنا حال دل اے قیس جاکر
سُناتے ہو تم ایسے بے خبر کو

پہلو سے دور یہ بت رشکِ قمر نہ ہو
میری شبِ وصال کی یارب سحر نہ ہو

جس آدمی کے دل میں وفا کا اثر نہ ہو
پتھر وہ ہو تو خوب ہے لیکن بشر نہ ہو

سرگرم جور وہ بت ظالم اگر نہ ہو
رنج و الم میں عمر ہماری بسر نہ ہو

ملنا بتوں سے میرے لیے وجہ شر نہ ہو
امید نفع میں کہیں اُلٹا ضرر نہ ہو

میں ہوں وہ بے خبر کہ کسی کی خبر نہیں
آجائے غش تو ہوش بھی دو دو پہر نہ ہو

وہ شئے نہیں ہے دل کہ جو ٹوٹا تو بن گیا
شیشے کا یہ مکان ہے مٹی کا گھر نہ ہو

کس طرح بیخودی میں نہ ہو فاش رازِ دل
ممکن نہیں کہ درد اُٹھے آنکھ تر نہ ہو

ٹھکرا کے میری قبر وہ کہتے ہیں ناز سے
میں یوں کھڑا رہوں تجھے کچھ بھی خبر نہ ہو

یہ بھی نئی ادا ہے کہ غیروں کے سامنے
کہتے ہیں چپکے بیٹھ اِدھر سے اُدھر نہ ہو

جھولا تو جھولتے ہو مزے سے چمن میں تم
لیکن پھر آج حیلۂ دوران سر نہ ہو

سرمے سے دیکھکر میں بتوں کا فروغِ حسن
دل میں یہ کہہ رہا ہوں تری خاک در نہ ہو

ہیں خون دل رواں مرے اشکوں کے ساتھ ساتھ
کیوں پانی پانی چشمۂ لعل و گہر نہ ہو

اصرار وصل پر مجھے دیتے ہیں یوں فریب
روزن سے جھانکتا کوئی دیکھو اِدھر نہ ہو

کب ہے امید چارہ گری بے وفاؤں سے
پیغام مرگ ہی مجھے دردِ جگر نہ ہو

خواہاں تو سب کے سب ہیں خط و خال و چشم و لب
ہو دل اگر یہ ایک کدھر ہو کدھر نہ ہو

آتے ہی تم چلے تو پھر آنے سے فائدا
کیا لطف وصل کا ہو اگر رات بھر نہ ہو

احسان منت رکھتے ہو مجھ پر یہ کس لیے
تم کھولو گیسوؤں کو جو خوفِ کمر نہ ہو

بن ٹھن کے سیر کرنے کو نکلے ہیں آج وہ
عشاق کا ہجوم سرِ رہگذر نہ ہو

اغیار تم سے دست و بغل روز و شب رہیں
افسوس ایک دن بھی ہمارا گذر نہ ہو

میں اپنے آنسوؤں کی لگا دوں ابھی جھڑی
میخواروں پر اگر کرمِ ابرِ تر نہ ہو

انگیا مسک گئی ہے تو ڈرتے ہو کس لیے
آنچل گرا لو جس میں کسی کو خبر نہ ہو

آنکھیں ملاتے ہی مجھے کیوں بیخودی ہوئی
سوزندہ خرد تری برقِ نظر نہ ہو

دل پر ہمارے ضرب فلاخن نہ دو کبھی
باہر نکل کے سنگ سے رقصاں شرر نہ ہو

اے گل چمن میں آمد فصل بہار ہے
قیدِ قفس میں بلبل بے بال و پر نہ ہو

آئے ہیں دوست بن کے رقیبان روسیہ
محفل کا رنگ پھر کہیں نوعِ دگر نہ ہو

مجھ کو تلاش موے کمر نے کیا نزار
درپیش اسی میں ہائے عدم کا سفر نہ ہو

آپس میں زیست کا نہ ملے گا مزا کبھی
جب تک مثال صورت شیر و شکر نہ ہو

ترچھی نگاہ سے مجھے ہرگز نہ گھورنا
زخمِ جگر میں تیر نظر نیشتر نہ ہو

تاثیر میری نظم میں کحل البصر کی ہے
کیوں کر سوادِ دیدۂ اہل نظر نہ ہو

اے قیس سخت ہوتی ہیں اشعار کے رموز
کیا سمجھے وہ جو واقف علم و ہنر نہ ہو

آنکھیں رہ رہ کے نہ یوں آپ دکھائیں مجھکو
مار ڈالیں گی مقرر یہ ادائیں. مجھ کو

دل لگانے کی ملیں خوب سزائیں مجھ کو
گھیرے رہتی ہیں شب و روز بلائیں. مجھ کو

قابلِ قدر بنائیں گی وفائیں مجھکو
مرنے پر ڈھونڈیں گی جب تیری جفائیں مجھ کو

آگئی نیند میں لیتا ہوں قیامت کی خبر
ہیں مسیحا تو ذرا آکے جگائیں مجھ کو

میرے قابو سے نکلنا کوئی آسان نہیں
میں بھی اُستاد ہوں بُتّے نہ بتائیں مجھ کو

جان جائے گی تو میری اُنھیں ڈر کس کا ہے
بے تکلف ہدفِ ناز بنائیں مجھ کو

کوسنے دیتے ہیں دے لیں جو خدا نے چاہا
کل ہی خوش ہو ہو کے دینگے وہ دعائیں مجھ کو

اُن سے کہتی ہے یہ اُٹھ اُٹھ کے جوانی اُنکی
میں نہیں دبنے کی ناحق نہ دبائیں مجھ کو

بے سبب مشق جفا ہیں یہ جھجھکنا کیسا
اب ستایا ہے تو جی بھر کے ستائیں مجھ کو

اپنی قسمت کہوں یا لطف و عنایت اُنکی
وصل کی گھاتیں وہ آ آکے سکھائیں مجھ کو

ایک چلّو سہی کچھ دل کی کسک تو مٹ جاے
ہاں مگر اپنے ہی ہاتھوں سے پلائیں مجھ کو

یوں تو دعواے محبت ہے سراسر باطل
سچ ہیں جب جانوں کہ سینے سے لگائیں مجھ کو

داغ سجدہ کے عوض داغ ندامت بنکر
بخشوائیں گی قیامت میں خطائیں. مجھ کو

حق تو یہ ہے کہ اگر دل سے ہے ملنا منظور
کچھ بڑی بات نہیں گھر ہی بلائیں مجھ کو

وار اُس قاتل بے رحم کے مجھ پر نہ ہوئے
رہ گئیں دیکھ کے اوروں کی قضائیں مجھ کو

اُن کی نفرت مری حسرت کی تلافی جب ہو
میں قیامت ہیں اُنھیں پاؤں وہ پائیں مجھ کو

خوبصورت کے لیے پاس وفا لازم ہے
پھیر کر آنکھیں نہ مٹی میں ملائیں مجھ کو

آپ نے قتل کیا ہے تو مناسب یہ ہے
آپ ہی قبر میں بھی آکے لِٹائیں مجھ کو

مُنہ دکھادیں وہ اگر رخ سے اُٹھاکر گھونگٹ
کیا یہ ممکن ہے کہ پھر ہوش میں لائیں مجھ کو

کم سے کم اتنی ہی تاثیر محبت دیکھوں
مضطرب پاکے وہ پہلو میں بٹھائیں مجھ کو

پندِ بیجا سے طبیبوں نے قیامت ڈھائی
گھول کر زہر نہ دینا تھیں دوائیں مجھ کو

میٹھی باتیں نہ سہی کڑوی کسیلی ہی سہی
بت نہ بن بیٹھیں وہ گالی ہی سنائیں مجھ کو

صدقے اس ناز کے اس جور و ستم کے قرباں
میں کروں پیار وہ دن رات جلائیں مجھ کو

خود بگڑتے ہیں خفا ہوتے ہیں جھنجھلاتے ہیں
اُلٹے کہتے ہیں کہ قیسؔ آکے منائیں مجھ کو

میری آہِ جگر افگار سے نالاں کیوں ہو
صبحِ محشر کی طرح چاک گریباں کیوں ہو

رشکِ فردوس نہ میرا دلِ ویراں کیوں ہو
جس جگہ تو ہو نہ وہ غیرتِ رضواں کیوں ہو

تجھ کو دل دیکے کوئی بے سر و ساماں کیوں ہو
اپنے جینے سے خفا موت کا خواہاں کیوں ہو

پتلیاں دیدۂ بینا سے نکالیں میں نے
خانۂ چشم میں اب کوئی ہراساں کیوں ہو

کس پری کے رُخِ روشن نے دکھائی جھلکی
شکلِ آئینہ تم اے دیدۂ حیراں کیوں ہو

جاگزیں دل میں ہو کس طرح خیالِ رُخِ یار
مسکنِ رشکِ پری خانۂ ویراں کیوں ہو

پہلے دل دینے سے انجام نہ سوچا تم نے
اب دل افسردہ و محزون و پشیماں کیوں ہو

زاہدوں کے سرِ بازار لبھالیتے ہو دل
ایسے بیباک تم اے دشمنِ ایماں کیوں ہو

میرے نالوں نے اثر آج دکھایا شاید
زلف بکھرائے ہوئے شکل پریشاں کیوں ہو

کیا یہ منظور ہے ہو فتنۂ محشر برپا / تم رواں آج سوئے گور غریباں کیوں ہو

ہم تم آپس میں سمجھ لیں نہ سنے کوئی غیر / عام مجمع میں جھگڑتے سر میداں کیوں ہو

کیا رقیبوں نے کوئی تم کو پڑھائی پٹی / سچ کہو یار مرے قتل کے خواہاں کیوں ہو

اپنے بیمار محبت کی نہیں لیتے خبر / ایسے بے مہر تم اے عیسیِ دوراں کیوں ہو

سچ کہو کس کی کشش نے تمھیں حیران کیا / ہر گلی کوچے میں بے وجہ خراماں کیوں ہو

کیوں نہ ہم خون کے رو رو کے بہائیں دریا / وہ دُرِ بحرِ وفا آنکھوں سے پنہاں کیوں ہو

ڈس نہ لے مجھ کو کہیں یار یہ کالی ناگن / آج کھولے ہوئے تم گیسوئے پیچاں کیوں ہو

مرنے پر بھی تو ذرا چین ہی سونے دو مجھے / قبر میں چھیڑتے اے حسرت و ارماں کیوں ہو

مدتوں ناقۂ لیلی کی حُدی خوانی کی / کوچۂ عشق میں تم آج ہراساں کیوں ہو

ہم نہ مانیں گے کبھی چھیڑ کئے جائیں گے / ایسی ہی شرم کسی کو ہے تو عریاں کیوں ہو

میرے کس حال سے ایسی تمھیں حیرت چھائی / دیکھ کر مجھ کو تم انگشت بدنداں کیوں ہو

پرتوِ حسن رخ یار نہ ہو اِس میں اگر / غیرتِ طور دلِ عاشق نالاں کیوں ہو

ہو نہ ہو فیض ہے استاد ازل کا تم پر
صبح سے آج تم اے قیس غزلخواں کیوں ہو

پئے گلگشت جاتا ہے جو میرا یار گلشن کو / زرِ گل سے صبا بھر دیتی ہے پھولوں کے دامن کو

خدارا اے بتو جانے دو مکر و حیلہ و فن کو / دکھا دو اک نظر للہ اپنے روئے روشن کو

میں کیوں کر آہ و نالہ کو نہ اپنا چارہ گر سمجھوں / عجب کیا ہے یہ دونوں کھینچ لائیں یار بدظن کو

عبث تم اسقدر نازاں تھے حسنِ چند روزہ پر
ڈھلا جاتا ہے مثلِ اشک دیکھو اپنے جوبن کو

کہیں غیروں سے میرے سامنے ہنسکر نہ ملنا تم
جلا دے گی وہ بجلی ورنہ میرے دل کی خرمن کو

کہاں ممکن کہ پہنچیں اپنے ہاتھ اس ترک کی باگ
صبا بھی چھو نہیں سکتی ہے جسکی گرد توسن کو

وہ ظالم دل کو تھامے اس طرف کھینچتا چلا آئے
عطا کر وہ اثر یارب ہمارے شورشیون کو

تصور میں ترے اے گل ہوئی وہ بیخودی حاصل
سمجھتے ہیں صدا بلبل کی ناقوسِ برہمن کو

تمھاری دید کے طالب ہیں لاکھوں صورت موسیٰ
ہٹا کر زلف شبگوں تم دکھا دو روے روشن کو

چلے ہیں قبر عاشق پر اگر وہ فاتحہ پڑھنے
تو خاک اڑ کر نہ پڑ جائے اٹھا لیں اپنے دامن کو

تمھاری تیغ ابرو کے ہزاروں ہو گئے گھائل
غضب کی شوخیاں تم نے سکھا رکھی ہیں چتون کو

رقیبوں کے اشارے سے کلیجا ملتے ہو میرا
ذرا کچھ دل میں بھی سوچو جھکا کر اپنی گردن کو

خدا کی شان یہ دیکھو کہ جور و ظلم مجھ پر ہوں
اور اُس کے وصل کی لذت میسر میرے دشمن کو

کمالِ جوشِ وحشت میں کہیں دھیان آجائے
نہ چھوا سے دست بخیہ گر ہماری چاک دامن کو

رہے آزاد ہم دیوانگی میں ہر تعلق سے
کبھی ثابت نہیں رکھا ذرا بھی جامۂ تن کو

صفائی دُرِ دندان جاناں نے دمِ خندہ
غریقِ بحرِ خجلت کر دیا ہیرے کی معدن کو

کسی کے چہرۂ تاباں کی جب ہم نے جھلک دیکھی
تو سمجھا مطلعِ خورشید محشر صاف روزن کو

اگر انصاف سے دیکھو تو یہ بھی ہے مرا احساں
مرے بخت سیہ نے دی سیاہی زلفِ پرفن کو

کہو اے قیس اعلیٰ سے کسی ادنیٰ کو کیا نسبت
ملا کب خنجر ابرو کا رتبا تیغ آہن کو

نقابِ رُخ اُٹھادو تم کہ دیکھیں روے روشن کو
جلائیں آتشِ سوزِ حسد میں اپنے دشمن کو

نہ بکھراؤ رُخِ پُر نور پر تم کالی ناگن کو
ہٹا دو دیکھ لیں ہم بھی ذرا اس سانپ کے من کو

مقرر نوک مژگاں کی لگی ہیں برچھیاں دل پر
پھنسا کر رکھدیا خارِ جنوں میں ہم نے دامن کو

مری تربت پر آیا جب کسی دن فاتحہ پڑھنے
دیا غسل اُس نے آبِ چشم تر سے پہلے مدفن کو

فراقِ گل میں بلبل نے کیا طوفان رو رو کر
ڈبویا موجِ بحرِ اشک میں اپنے نشیمن کو

ہمارا رازِ پوشیدہ کہیں افشا نہ ہو جائے
تم اے طفلانِ اشکِ چشم جانے دو لڑکپن کو

شہیدِ تیغِ ابرو صورتِ بسمل تڑپتے ہیں
تو کیا کیا رشک ہوتا ہے تری شمشیر آہن کو

وفورِ جوشِ مستی میں جوانی کی اُمنگیں ہیں
کھنچے جاتے ہیں نخوت سے سنبھالو اپنے جوبن کو

اگر میرے دلِ پُر داغ کو دیکھو تم آنکھوں سے
تو بھولے سے نہ جاؤ ایک دن بھی سیرِ گلشن کو

ہوا میرا دلِ پُر آرزو صد چاک حسرت سے
جو چھوڑا اُس پری نے در پر اپنے آگے چلمن کو

رہا کرتا ہوں نالاں صورتِ ناقوس فرقت میں
دیا ہے نقدِ دل جب سے کسی طفلِ برہمن کو

عدم میں پڑ گئی ہلچل جب آیا وہ پری پیکر
سوِ گورِ غریباں تھام کر ہاتھوں سے دامن کو

کسی کی سادگی میں بھی عجب جوبن ٹپکتا ہے
جھکا لیتی ہیں پریاں قاف کی شرما کے گردن کو

طلوعِ شمس کا دھوکا ہوا مجھ کو جھروکے پر
جو دیکھا جلوہ گر اس میں کسی کے روے روشن کو

ہوا آمادہ میرے قتل پر تیغِ دودم لے کر
پڑھائیں پٹیاں دشمن نے کیسی شوخ پُرفن کو

بدل دے میری فرقت کو کسی کے وصل سے یارب
مرا بختِ سیہ دیدے تو میرے خاص دشمن کو

کسی گل کے مسی مالیدہ لب کا اب تصور ہے
نہیں ممکن چمن میں آنکھ اٹھا کر دیکھوں سوسن کو

بھرا ہے جوشِ مضموں دل میں اہلِ فن بھی حاضر ہیں
نہ روکو تم ابھی اے قیسؔ فکرِ طبعِ روشن کو

اگر دیکھے ہلال اے یار حُسنِ نعلِ توسن کو
حجابِ ابر میں جا کر چھپالے روے روشن کو

قفس میں کہتی ہو صیاد سے رو رو کے یوں بلبل
دکھا دے باغ میں چل کر مرے اُجڑے نشیمن کو

کسی بُت نے رخِ انور سے کیا پردہ اُٹھایا ہو
جو حیرت اس قدر ہے آج ہر شیخ و برہمن کو

شبِ فرقت جو آیا یار آغوشِ تصور میں
دیا میرے دلِ صدچاک نے رشک اُسکی چلمن کو

بسر کی میں نے ساری عمر تیری ہی اطاعت میں
مگر تو نے نہ پہچانا ابھی تک دوست دشمن کو

تمھاری یادِ گیسو میں یہ رہ رہ کر اُلجھتا ہے
مٹاؤں کس طرح ایجان جاں میں دل کی اُلجھن کو

مرے پُر درد نالوں سے فرشتے تک لرزتے ہیں
کلیجا تھام لیتے ہیں وہ سُن کر میرے شیون کو

ہماری ٹکٹکی اس کی طرف کیونکر نہ لگ جائے
سمجھتے ہیں ہلالِ عید تیرے نعلِ توسن کو

ندامت ہوگی اے جوشِ جنوں خارِ بیاباں سے
نہ دینا بخیہ گر کے ہاتھ میں تو میرے دامن کو

چمن میں نغمہ سنجی بلبلوں کی رنگ لائے گی
چلا ہے ایک رشکِ گل پئے گلگشت گلشن کو

مرے دل ہی میں جب جلوہ نما ہو وہ شہِ خوباں
تو جاؤں صورتِ موسیٰ کہاں وادیِ ایمن کو

دوپٹا رُخ سے سرکا ہے کہ سورج سے ہٹی بدلی
لگا ہے داغِ خجلت کیوں فلک کے ماہِ روشن کو

اداؤں سے لُبھا لینا نگاہوں سے گرا دینا
سکھائیں شوخیاں کس نے ترے بیساختہ پن کو

قدِ موزوں کسی کا غیرتِ سرو و صنوبر ہے
اور اس کے زعفرانی رنگ پر ہے رشک کندن کو

ثبوتِ خونِ مقتولِ جفا دم بھر میں ہوتا ہے
جو دیکھا داورِ محشر نے تیرے سُرخ دامن کو

بتوں کو بھی لبھا لیتا ہوں اکثر شعر رنگیں سے
ملا ہے جذب مقناطیس میری فکر روشن کو

مقرر قیس ہیں شاگرد استادِ زمانہ ہوں
نہ دیں احباب کیونکر داد اب مجھ کامل فن کو

وہ گل ہی گل ہے جس میں ترا رنگ و بو نہ ہو
وہ دل ہی دل ہے جس میں تری جستجو نہ ہو

بزم بتاں میں طعنۂ جام و سبو نہ ہو
اے محتسب خدا کے لیے تو عدو نہ ہو

افشائے رازِ عشق کہیں کو بکو نہ ہو
گریاں کسی کی یاد میں اے چشم تو نہ ہو

کانوں میں آرہی ہے کسی کی صدائے آہ
آوارہ میرے دل سے مری آرزو نہ ہو

بڑھتے ہیں بیخودی میں ہمارے یہ دستِ شوق
آزردہ اس قصور پر اے حیلہ جو نہ ہو

اس مست ناز کو نہ گزک میں مزا ملے
میرے دلِ برشتہ کی اس میں جو بو نہ ہو

ناصح کی پند سے نہ کبھی چھوٹے گی شراب
میری شکست توبہ شکستِ وضو نہ ہو

روتے ہو یاد غیر میں لے لے کے ہچکیاں
دیکھو پھر آج حیلۂ دردِ گلو نہ ہو

اے پیر مغ ہوں دیر سے پیاسا شراب کا
خم ہی لگا دے منہ سے جو خالی سبو نہ ہو

ڈرتا ہوں رات دن میں زمانے کی چال سے
بیٹھے بٹھائے یہ بھی مرا ہی عدو نہ ہو

راحت ہو دور دو غم ہی سہی مجھ رنج دوست کو
یارب وہ زخم دل دے کہ ہرگز رفو نہ ہو

سامان انبساط مہیا ہیں سب مگر
کس کام کی وہ بزم جہاں یہ ہوں تو نہ ہو

کیونکر کروں یقیں ہیں قتلِ رقیب کا
جب تک ترا یہ فعل مرے روبرو نہ ہو

راضی ہوئے ہیں آج بڑی منتوں سے وہ
بیکار چھیڑ بے محل اب گفتگو نہ ہو

مانگا جو ایک بوسہ کہ صدقہ دو حُسن کا
بول اُٹھے ہنس کے واہ کوئی خوبرو نہ ہو

آنکھوں سے کیوں نکلتے ہیں دن رات اشک سُرخ
یا رب یہ میری حسرت دل کا لہو نہ ہو

جنت میں ہم سے رند کو بزم شراب میں
جب لطف مےکشی ہو کہ اے شیخ تو نہ ہو

اے بُت خدا کے واسطے گستاخیوں پر آج
اس فرط بیخودی میں خفا مجھ سے تو نہ ہو

حدت ہے آفتاب میں حد سے بڑھی ہوئی
سوزِ جگر میں آج کہیں پھر نمو نہ ہو

جوشِ شباب وصل میں کیسی امنگ ہے
زالِ شبِ فراق مرے دوبدو نہ ہو

کھل جائیں گی ہماری تمہاری حقیقتیں
محشر میں ہم سے تم سے کہیں گفتگو نہ ہو

جاتا تو ہے وہاں مگر اتنا رہے خیال
اے قیسؔ بزم یار میں بے آبرو نہ ہو

رسوا نہ ہو ذلیل نہ ہو زرد رو نہ ہو
ہم سا بھی خلق میں کوئی آشفتہ خو نہ ہو

ٹوٹے وہ ہاتھ جو کبھی طوقِ گلو نہ ہو
ویران ہو وہ خانۂ دل جس میں تو نہ ہو

عاشق وہ کیا ہے جو کبھی بے آبرو نہ ہو
معشوق کیا وہ جس میں ستانے کی خو نہ ہو

مجھ سے نظر ملانے میں آزردہ تو نہ ہو
ایسی ہی شرم ہے تو مرے روبرو نہ ہو

ہم سے کبھی جدا وہ بتِ ماہرو نہ ہو
یہ بخت نارسا جو ہمارا عدو نہ ہو

کعبے سے پھر نکل کے چلا سوئے میکدہ
رندوں میں آج شیخ کہیں زرد رو نہ ہو

دامن میں لال یہ کیسے پڑے ہیں داغ
سونگھو تو حسرتوں کا ہماری لہو نہ ہو

مدفن میں بھی نہ چین سے سوئیں گے ہم کبھی
جب تک سرِ مزار کوئی خوش گلو نہ ہو

یارب سنا رہا ہوں کسی کو میں راز دل
سمجھا ہوں جس کو دوست وہ میرا عدو نہ ہو

آئے تھے بہر فاتحہ الٹے پھرے وہ کیوں
لپٹی ہوئی لحد سے مری آرزو نہ ہو

کھینچوں اک آہ سرد تو اُڑ جائیں دھجیاں
اے چرخ پیر دیکھ تو میرا عدو نہ ہو

جاتا تو ہوں گلی سے مگر وقت مشق ظلم
کہنے کی بات ہے جو مری جستجو نہ ہو

بے طرح آرہی ہیں یہ رہ رہ کے ہچکیاں
مصروف یاد آج کوئی خوبرو نہ ہو

ہاتھوں کا کیا قصور جو محرم مسک گئی
جوبن میں چاہیئے کہ یہ جوش نمو نہ ہو

مجھ رند بادہ نوش کو آسودگی کہاں
جب تک یہ موج چشمۂ مے تا گلو نہ ہو

ہوتی ہیں تم سے باتیں جو ناز و نیاز کی
خالق کے سامنے بھی یہی گفتگو نہ ہو

اے مے فروش طعنۂ واعظ سے تنگ ہوں
مجھ کو شراب دے مگر ایسی کہ بو نہ ہو

میں بھی اُٹھاؤں صحبت جاناں کی لذتیں
میرا عدو جو یہ فلکِ کینہ جو نہ ہو

چاکِ جگر میں ٹانکے تو اے چارہ گر نہ دے
جب تک نگاہ لطف کا تارِ رفو نہ ہو

ایفائے عہد خالق اکبر کی شان ہے
مشکل میں کیوں وظیفۂ لاتقنطوا نہ ہو

سنتے ہیں اُسکے کوچے میں ٹوٹی ہے کوئی چیز
ہے ہو وہ قیس کا دل پُر آرزو نہ ہو

ردیف ہائے ہوز

ہمت نہ ہارو بیٹھ نہ جاؤ تھکا کے ہاتھ
دو چار وار اور بھی دیکھو چلا کے ہاتھ

سسکی بھری جو پیار سے میں نے دبا کے ہاتھ
گردن میں اُس نے ڈال دیئے مسکرا کے ہاتھ

اٹھنے لگے تھے سوئے فلک جب دعا کے ہاتھ
گھبرا کے تم نے تھام لیے کیوں بڑھا کے ہاتھ

تجھ سے لگا کے دل نہ رہی اور آرزو
ہر آرزو سے بیٹھ گیے ہم اُٹھا کے ہاتھ

دن کو قرار ہے نہ ہے تسکین رات کو
حیران ہو رہا ہوں دلِ مبتلا کے ہاتھ

مشہور خلق ہیں تری بندہ نوازیاں
دستِ کرم سے تھام لے اس بے نوا کے ہاتھ

نادم ہیں عمر بھر کی سیہ کاریوں سے ہم
عزت ہماری ہے سرِ محشر خدا کے ہاتھ

کیونکر رگِ گلو میں نہ ہو خون موجزن
مہندی سے لال دیکھ کے اُس دلربا کے ہاتھ

کرتے ہیں دور ہی سے دلوں کو شکار یہ
کتنے دراز ہیں تری زلف رسا کے ہاتھ

بارِ غمِ فراق سے میں دب کے مر گیا
اب قبر میں لٹا تو ذرا تم لگا کے ہاتھ

خنجر گلے پر آپ نے رکھ کر اُٹھا لیا
کیا یوں بھی کھینچتا ہے کوئی دل بڑھا کے ہاتھ

چھلے ہیں انگلیوں میں کہ باندھے گیے ہیں آج
تارِ شعاع مہر سے دزدِ حنا کے ہاتھ

میں نے بلائیں لیں تو جھٹک کر وہ بول اُٹھے
ٹوٹیں تمھارے ہاتھ ہیں یہ کس بلا کے ہاتھ

اے نامہ بر امید بندھی تھی جواب کی
بے آس کیوں کیا مجھے خالی دکھا کے ہاتھ

رکھوں وفا کی بھی کوئی امید یا نہیں
وعدے تو کر رہے ہو بہت کچھ ہلا کے ہاتھ

قاضی سے دختِ رز ہوئی سرگرم اختلاط
جنت کی حور بن کے پڑی پارسا کے ہاتھ

گھر سے تو آپ نکلے تھے تلوار تول کر
مقتل میں سرد ہو گیے کیوں تلملا کے ہاتھ

آنکھیں لڑا کے آج وہ کرتے ہیں مجھ کو قتل
میرے لہو سے دھوتے ہیں ساغر پلا کے ہاتھ

اے قیس خط شوق کی تاثیر دیکھیے
بھیجی رسید یار نے پیکِ قضا کے ہاتھ

کب سے بنا ہے محرم اسرار آئینہ
رہ رہ کے سامنے ہے جو ہر بار آئینہ

ہر دم نہ اُن سے کیوں رہے دوچار آئینہ
ہے مظہرِ لطافت رخسار آئینہ

عکسِ شعاعِ حُسن سے بیخود نہ ہو کوئی
تم دیکھتے تو ہو سر بازار آئینہ

چھاتی سے کیوں لگا نہ رکھوں فراق میں
تیری شبیہ کا ہے نگہدار آئینہ

پرتو فگن ہیں اس میں ترے موتیوں کے ہار
بیشک ہے مخزنِ دُرِ شہوار آئینہ

گھر سے وہ سیر باغ کو نکلے ہیں بے نقاب
دیکھے گی آج نرگس بیمار آئینہ

ہوگا مقابل آکے مرے داغ دل سے کیا
پیدا کرے تو عشق کا آزار آئینہ

پھیلی ہے چار سو رخ پُر نور کی جھلک
حیرت سے کیوں نہ ہوں در و دیوار آئینہ

لفظوں میں چاہتے ہیں وہ داد اپنے حُسن کی
لائے کہاں سے قوت گفتار آئینہ

جب میرے قتل کرنے کو نکلی میان سے
پڑتے ہی عکس بن گئی تلوار آئینہ

ہر دم ہے تیرے روئے منور کے سامنے
رکھتا ہے کیا ہی طالع بیدار آئینہ

کس کو کہوں کہ ہو مرے آزار کا سبب
شکل اپنی دیکھو لے کے تم اے یار آئینہ

بیکار چھیڑ چھیڑ کے رسوا نہ کیجیے
ہے آپ پر تو حال گنہگار آئینہ

آنکھیں لڑا سکے یہ کسی کی کہاں مجال
جب ہے تمھارے آگے نگونسار آئینہ

افسوس ترسے قیس تو اک جلوے کیلئے
دن رات لوٹے دولت دیدار آئینہ

ردیف یای تحتانی

لاکھ ڈھونڈا نہ ملا مجھ کو ٹھکانا کوئی
کوے جاناں کے سوا مسکن و ماوا کوئی

ہم سے اتنا نہ کرے وصل میں پردا کوئی
اک نظر اب تو دکھا دے رُخِ زیبا کوئی

حال دل کس سے کہوں میں نہیں سنتا کوئی
جو کسی کی نہ سنے اُس سے کہے کیا کوئی

وصل میں چیں بجبیں مجھ سے نہ ہوتا کوئی
مُنہ سے مُنہ پیار سے ہنس ہنس کے ملاتا کوئی

راز افشا نہ ہوا ے عشق خدارا کوئی
مجھ کو رسوا نہ کرے میری تمنا کوئی

گو تہِ خاک ہوں لیکن میں ابھی جی اٹھوں
قُم باذنی جو کہے آ کے مسیحا کوئی

ساتھ اشکوں کے مرے لختِ جگر بہتے ہیں
یوں تو پُر لعل نہیں دہر میں دریا کوئی

کاش مجھ کو بھی خداوند دکھاتا وہ دن
قسمیں دے دیکے مے ناب پلاتا کوئی

کشتۂ چشم ہوا کوئی کوئی کشتۂ خشم
نہ پھرا کوچۂ سفاک سے زندا کوئی

سیکڑوں طالبِ دیدار ہیں موسیٰ کی طرح
آج اُلٹے رُخِ پُر نور سے پردا کوئی

اب بھی باقی ہو اگر نوح کے طوفان میں شک
دیکھ لے آ کے مرے اشکوں کا دریا کوئی

ہائے کس ناز سے کہتا ہے شبِ وصل وہ شوخ
اب نہ رہ جائے ترے دل میں تمنا کوئی

بے سبب کس لیے کھجلاتے ہیں میرے تلوے
جوشِ وحشت نہ دکھائے مجھے صحرا کوئی

جائے زنار تو ہے رشتۂ عشقِ بت شوخ
کھینچ دے لوحِ جبیں پر مرے قشقا کوئی

غیر کے دھوکے میں ہے مجھ سے مخاطب وہ شوخ
دیکھے آ کر مری قسمت کا تماشا کوئی

سچ کہو میری قسم کس سے ہوا ہے وعدہ
ڈھونڈتے ہو جو چپ چلے جانے کو حیلا کوئی

کچھ بھی تجھ میں اثرِ جذب جو ہوتا اے دل
مجھ کو رہ رہ کے نہ فرقت میں ستاتا کوئی

دامنِ صبر کرے چاک زلیخا کی طرح
میرے یوسف کا جو دیکھے کہیں جلوا کوئی

ہم بھی موسیٰ کی طرح سجدے میں گر کر غش سہ
روئے انور کی تجلّی جو دکھاتا کوئی

دیکھ اے ضبطِ فغاں وقت مدد آ پہنچا
بیٹھ کر دل میں مسلتا ہے کلیجا کوئی

یوں تو کہنے کو ہیں دنیا میں ہزاروں لیکن
ہم نے معشوق ترے مثل نہ دیکھا کوئی

مجھ سے غمِ دوست کو کیا بادہ و ساغر سے غرض
بھر کے دے دردِ محبت کا پیالا کوئی

نامہ بر دیکھ کہیں رازِ محبت نہ کھلے
خط تو خط ہی ہے نہ پڑھ جائے لفافا کوئی

چھوڑ اے روح مرا جسمِ نزار اب نہ ستا
ڈھونڈ لے بھر خدا اور ٹھکانا کوئی

سُرمۂ چشم بنے خاکِ مدینہ اے قیسؔ
اور باقی نہیں اب دل میں تمنا کوئی

شوخی ہوئی کہ ناز ہوا یا حیا ہوئی
عاشق کے حق میں زہر تری ہر ادا ہوئی

بلبل جو حسنِ دوست تھی وہ تو جدا ہوئی
مشاطگی گلوں کی نصیبِ صبا ہوئی

نازل ہمیشہ کوئی نہ کوئی بلا ہوئی
یہ تم سے دل لگانے کی اچھی سزا ہوئی

جتنا جھکے ہم اُتنی ہی ہم پر جفا ہوئی
دشمن ہمارے حق ہماری وفا ہوئی

دیکھا جہاں وہاں تری حمد و ثنا ہوئی
وصفِ بتاں میں تیری صفت اے خدا ہوئی

عالم خرام ناز سے زیر و زبر ہوا
پاؤں کی ٹھوکروں سے قیامت بپا ہوئی

مُنہ پھیرو آنکھیں کھولو میں کرتا ہوں منتیں — روٹھے ہو کیوں کہو تو ذرا کیا خطا ہوئی

چھوٹتے ہی اُس کو میں جو بنا لقمۂ اجل — زلفِ سیاہ حق میں مرے اژدہا ہوئی

مدت کی آرزوؤں پر اے شوخ مہ لقا — بالفرض ایک بات ملی بھی تو کیا ہوئی

جب حد سے بڑھ کے جذب نے دل میں اثر کیا — بولے کہ مستجاب یہ کس کی دعا ہوئی

برپا ہوا فرشتوں میں کیا شور الاماں — عرشِ بریں سے پار جو آہِ رسا ہوئی

گردش نے ابروؤں کی مجھے قتل کر دیا — جنبش بھوؤں کی جنبشِ تیغِ قضا ہوئی

ارمان سب نکلتے مگر ہائے کیا کروں — مانع شبِ وصال کسی کی حیا ہوئی

آنکھیں ملاتے ہی ہیں ندامت سے کٹ گیا — چشمک رقیب کی تری بگڑی ادا ہوئی

بول اُٹھے دیکھ کر مجھے غیروں کی شرم سے — اچھی نہیں جو بات کوئی برملا ہوئی

رخسار و زلف یار کی مدحت لکھا کروں — سرکارِ عشق سے یہی خدمت عطا ہوئی

قسمت تو دیکھیے سگ جاناں کھڑا رہا — ہڈی ہماری مفت غذائے ہما ہوئی

بے خضر راہ دیکھ لیا چشمۂ حیات — الفت بتوں کی میرے لیے رہنما ہوئی

غیروں سے کونسی مجھے نسبت ہے اے خدا — جو حسرت اُن کی نکلی مرا مدعا ہوئی

رخصت ہوا وہ شوخ جو صبحِ شبِ وصال — لحظہ بلحظہ غم کی مصیبت سوا ہوئی

بہتے ہیں مثل اشک پھپھولے جگر کے آج — آوازِ گریہ شیشۂ دل کی صدا ہوئی

محشر میں بھی اُسی بتِ ظالم کا ساتھ ہو — خالق سے مرنے پر بھی یہی التجا ہوئی

اس راہ سے گیا ہے کوئی شہسوار حسن — حیرت سے میری آنکھ جو یوں نقشِ پا ہوئی

غیروں کو ساتھ لے کے عیادت کو آئے ہو
یہ تو مریض عشق کی اچھی دوا ہوئی

اُس گل کے آتے ہی میں ہوا غش سے ہمکنار
پہلو سے جب اُٹھا تو مری چشم وا ہوئی

پُرساں شبِ فراق نہیں کوئی قیس کا
بیٹھی ہے شکل یار اجل بھی خفا ہوئی

بتانِ دہر کو اس میں جگہ ملا نہ کرے
سوائے حق کبھی دل میں کوئی رہا نہ کرے

ہزار حُسن ہوں انداز لاکھ ہوں لیکن
صنم صنم نہیں جب تک کے وہ جفا نہ کرے

پہن کے پاؤں میں خلخال وہ پری پیکر
چلا ہے سیر کو محشر کہیں بپا نہ کرے

شبِ فراق تو دشمن تھے حضرتِ ناصح
شبِ وصال اب اے شوخ تو دغا نہ کرے

کسی کے روے منور کی روشنی دیکھے
تو رخ حیا سے اُدھر مہر پُر ضیا نہ کرے

فراق یار میں حق سے دعا یہ رہتی ہے
بُرائی جو کرے اُس کا خدا بھلا نہ کرے

جو کچھ سمجھ ہو تو ان بے وفا حسینوں پر
ہزار جائیں ہوں تب بھی کوئی فدا نہ کرے

الٰہی درد محبت میں وہ اثر دیدے
کہ تیر آہ جو نکلے کبھی خطا نہ کرے

وفا کی رکھے کوئی اُس سے کس طرح اُمید
جو وعدے کر کے کبھی ایک بھی وفا نہ کرے

بیان حال کروں کس سے حکم ہے اُس کا
جفا و جور کا شکوا کوئی سُنا نہ کرے

مٹا دے ناصح مشفق نوشتۂ تقدیر
نہیں تو پند و نصیحت مجھے کیا نہ کرے

نہ ہو چمن میں ذرا قدر گل کی اے بلبل
جو اُس کی زلف کی مشاطگی صبا نہ کرے

ادا کرے جو کوئی شخص عشق کا آداب
جفا و جور ہزاروں سہے گلا نہ کرے

ترے کمال کو کیا اے مسیح میں سمجھوں
مریض عشق کی جب تک کوئی دوا نہ کرے

تم اُس صنم کی محبت میں جان دیتے ہو
تمام عمر جو اے قیس اب وفا نہ کرے

جی قید محبت سے چھڑا بھی نہیں سکتے
برہم ہیں وہ اتنا کہ منا بھی نہیں سکتے

ہم پر جو گزرتی ہے سنا بھی نہیں سکتے
چاہیں جو چھپانا تو چھپا بھی نہیں سکتے

پیغام نہیں بھیجتے آ بھی نہیں سکتے
ملنے کی کوئی گھات بنا بھی نہیں سکتے

وہ خوش ہیں کہ سر جسم سے کردینگے جدا ہم
ہم خوش ہیں کہ یہ بوجھ اُٹھا بھی نہیں سکتے

مقتل میں مجھے لائے تھے کیا ذبح کی خاطر
تلوار کے وہ ہاتھ چلا بھی نہیں سکتے

مانا کہ نکلنے کی اجازت نہیں گھر سے
چوری سے کسی روز بُلا بھی نہیں سکتے

ناصح کو یہ ضد ہے کہ مری بات نہ جائے
بگڑی ہوئی تقدیر بنا بھی نہیں سکتے

سنتے ہی نہیں کچھ جو سنیں بھی تو کہوں کیا
وہ دل کی لگی آگ بجھا بھی نہیں سکتے

دل دیدیں مسلنے کو یہ ہمت نہیں پڑتی
اور اُن سے بچائیں تو بچا بھی نہیں سکتے

تا حشر اسی شکل سے دامن میں رہیں گے
یہ خون کے دھبے ہیں مٹا بھی نہیں سکتے

مانا کہ قیامت میں ذرا لب نہ ہلائیں
کیا تم کو اشاروں سے بتا بھی نہیں سکتے

دیں دل میں جگہ اوروں کو یہ ہو نہیں سکتا
ارمان ہیں اتنے کہ سما بھی نہیں سکتے

رکھتے تو ہو یہ دعویٰ اعجاز مسیحا
مرجائے جو عاشق تو جلا بھی نہیں سکتے

ہنس ہنس کے مکر جاتے ہو تم وصل کے وعدے
کہدو گے غلط یاد دلا بھی نہیں سکتے

کیونکر نہ چھپا رکھتے جگر سنگدلوں سے
شیشا کبھی پتھر سے لڑا بھی نہیں سکتے

ڈر ہے کہیں لوگوں میں وہ بدنام نہ ہو جائیں
اس واسطے سینے سے لگا بھی نہیں سکتے

روٹھے ہیں وہ ہم سے کہ محبت نہیں کرتی
دل چیر کے ہم داغ دکھا بھی نہیں سکتے

کیوں اُن کی نگاہوں میں حقیقت نہ ہو میری
مجھ سا کوئی جانبازوہ پا بھی نہیں سکتے

کاندھا نہ دیا میرے جنازے کو تو بہتر
اب قبر میں کیا مجھ کو لٹا بھی نہیں سکتے

شکووں سے بھرے بیٹھے ہیں ای قیس مگر ہم
ہیبت سے زبان اپنی ہلا بھی نہیں سکتے

سچ کہو اُن سے جو دل تم نے لگا رکھا ہے
کونسا جوروں میں اے شیخ مزا رکھا ہے

کیا رقیبوں نے نیا کوئی پڑھایا فقرا
آپ نے کیوں مجھے نظروں سے گرا رکھا ہے

چشمِ مخمور کی اُس بُت نے دکھا کر ڈوری
بادۂ عشق سے سرشار بنا رکھا ہے

رونمائی کے لیئے گوہر یکدانۂ دل
تیرے جانباز نے اے ماہ لقا رکھا ہے

رنجشِ غیر کے حیلے میں نہ کاٹو شبِ وصل
مدتوں تم نے مجھے بھی تو خفا رکھا ہے

جا کے گلشن سے خبر رشک پری کی لادے
تخت اس کا وہیں اے بادِ صبا رکھا ہے

اُس نے کیوں زلف گرہ گیر دکھائی مجھ کو
ہائے کس جال میں ظالم نے پھنسا رکھا ہے

بے سبب درپئے آزار نہیں ہے وہ شوخ
کوئی فقرا مرے دشمن نے جما رکھا ہے

دیکھ محشر میں کہیں چوک نہ جانا اے دل
ہمنے قاتل کا پتا تجھ کو بتا رکھا ہے

شاید اُس کی یہ غرض ہو نہ کروں خواہش وصل
مجھ کو افسانۂ مجنوں جو سُنا رکھا ہے

میں بھی انسان ہوں لب پر نہ کہیں آئی فغاں
تم نے اے یار عبث مجھ کو ستا رکھا ہے

کافروں نے نہ لیا عقل سے شاید کچھ کام
کس طرح سنگ کو معبود بنا رکھا ہے

ایک شب وہ نہ ہوا زیب کنارِ عاشق
مدتوں سے غم فرقت میں رلا رکھا ہے

سنکے فریاد مری غیر سے جھنجھلا کے کہا
دیکھو تو کس نے یہاں شور مچا رکھا ہے

کیوں نہیں پھولے سماتے ہیں یہ کم ظرف رقیب
مژدۂ وصل مگر تم نے سُنا رکھا ہے

تیرے پازیب کی جھنکار نے مرقد میں ہمیں
خواب آرام سے اے یار جگا رکھا ہے

زردیِ چہرہ ہمیں دیتی ہے اے قیس خبر
آپ نے دل کسی ظالم سے لگا رکھا ہے

مژدۂ فصل بہار آج کوئی لائی ہے
دیکھو اٹھلاتی ہوئی باد صبا آتی ہے

تیری ہی یاد میں اے یار بہل جاتی ہے
خلد میں بھی جو طبیعت مری گھبراتی ہے

غمزے کرتی ہے مجھے خوب ہی ترساتی ہے
نیند آنکھوں سے جدا ہجر میں اٹھلاتی ہے

شکل دلچسپ کوئی آنکھوں میں جب بھاتی ہے
حالت انسان کی دم بھر میں بدل جاتی ہے

ہائے یہ وصل میں رہ رہ کے کسی کا کہنا
صبح ہوتی ہے تری موت چلی آتی ہے

دیکھ اے شوق نہ رہ جائے تمنا دل میں
شرم ہی میں یہ شبِ وصل کٹی جاتی ہے

مجھ کو ڈر ہے کمرِ یار کا اے زلف دراز
ایسی کیوں حد سے فزوں بڑھ کے تو بل کھاتی ہے

شمع تک روتی ہے مجھ زار پر آٹھ آٹھ آنسو
ذکر میرا تری مجلس میں جو سُن پاتی ہے

اُس کی یادِ دُرِ دنداں کی شرارت دیکھو
ہجر میں صورت الماس جگر کھاتی ہے

دل کی خواہش تو کہوں اُن سے شبِ وصل مگر
عرض مطلب میں طبیعت مری شرماتی ہے

ذکر ہوتا ہے حسینانِ جہاں کا جو کہیں
تیری تصویر مری آنکھوں میں پھر جاتی ہے

دستِ پُرشوق بڑھے وصل میں جب اُنکی طرف
بولے جھنجھلا کے تجھے شرم نہیں آتی ہے

برسوں رہتی ہے تزلزل میں ہماری تربت
پائے دلدار کی ٹھوکر جو کبھی کھاتی ہے

سیکڑوں صدمے سہے مُنہ سے کبھی آہ نہ کی
دل ہے فولاد تو پتھر کی مری چھاتی ہے

آ کے "امیدِ شبِ یاس۔ دمِ مرگ۔ مجھے
مژدۂ وصل صنم دے کے جِلا جاتی ہے

اس قدر قتل کی شادی نے سبکدوش کیا
زیرِ خنجر بھی مجھے نیند چلی آتی ہے

اُٹھ گیے تم مرے پہلو سے جو ایجانِ جہاں
جسم میں روح بھی رہتی نہیں گھبراتی ہے

ہے شبِ ہجر بھی اُس بُت کی جو خاطر منظور
عرش تک جا کے مری آہ پلٹ آتی ہے

ہو گیا بیخودیِ عشق سے میں خانہ خراب
دیکھوں کیا کیا تری الفت مجھے دکھلاتی ہے

عرض مطلب میں ذرا بھی نہیں کھلتی ہے زباں
رعبِ حُسنِ رخِ دلدار سے تھراتی ہے

یاد آ آ کے جدائی میں تمھاری الفت
قیسؔ کو خاک میں لے یار ملا جاتی ہے

اور ہیں جتنے حسیں ان کی ادا کچھ اور ہی
شانِ معشوقی تری اے دلربا کچھ اور ہے

بدگمانی کا بُرا ہو مدعا کچھ اور ہے
سمجھے ہیں وہ اور کچھ ہمنے کہا کچھ اور ہے

ہیں مسلّم جنۃ الفردوس کی شادابیاں
پھر بھی داغِ عشق کی نشو و نما کچھ اور ہے

ایک تو خود ہی ستم تیری جوانی کا اُبھار
جوبن اُس پر آج کل نامِ خدا کچھ اور ہے

لذتِ مے کی نہ کر تعریف میرے سامنے — نشۂ الفت میں اے ساقی مزا کچھ اور ہے

دیکھ کر احباب کہتے ہیں مجھے صحت نصیب — میں مریضِ عشق ہوں میری دعا کچھ اور ہے

حوروں پر مر مٹ کے زاہد کو ملی جنت تو کیا — کشتگانِ تیغ وحدت کا صلا کچھ اور ہے

آفتیں ہونا تھیں جو جو کچھ وہ نازل ہو چکیں — یا ترے دل میں ابھی شوقِ جفا کچھ اور ہے

تھا بغل میں شیشہ لیکن محتسب کے خوف سے — پوچھنے پر مجھ کو یہ کہنا پڑا کچھ اور ہے

میں نے مانا میری بیتابی سے ہی افشاءِ راز — غور سے دیکھو تو بھید اسکے سوا کچھ اور ہے

زہر بھی شکر میں دیتا ہے وہ ظالم گھول کر — ہنسکے کہتا ہے کہ یہ طرزِ وفا کچھ اور ہے

گل کے پہلو میں کھٹکے گی خار کی کیونکر شبیہ — اُس کی صورت موہنی نقشا مرا کچھ اور ہے

لوگ کہتے ہیں کہ ہو گا حشر میں دیدار عام — لیکن اے جانِ جہاں ہمنے سنا کچھ اور ہے

مرد حق بیں کے لیئے دیر و حرم کی قید کیا — ہر جگہ ہے تو ہی تو تیرے سوا کچھ اور ہے

گردشِ قسمت سے میں رہتا ہوں ہر دم پائمال — اور سچ پوچھو تو میرا حوصلا کچھ اور ہے

جانبِ صحرا نہ لیچل مجھ کو اے جوشِ جنوں — کوچۂ سفاک کی آب و ہوا کچھ اور ہے

نیک و بد دونوں کی تاثیر ایک سی ہوتی نہیں — سایۂ بوم اور کچھ ظلِ ہما کچھ اور ہے

میرے مرنے پر نہ آیا فاتحہ کا بھی خیال — کہیئے اس سے بڑھ کے ظلم ناروا کچھ اور ہے

اے طبیبو درد دل کا تم سے کیا ہو گا علاج — دق نہیں یہ سل نہیں اِسکی دوا کچھ اور ہے

عیش و راحت کے عوض سہنا پڑے ہیں رنج و غم — تھی طلب کچھ اور ہی لیکن ملا کچھ اور ہے

اتنی ایذا سے مجھے تسکین کیوں ہونے لگی — تجھ سے اُمید اے وفا نا آشنا کچھ اور ہے

عطر کا پھاہا سونگھانے سے نہ ہوگا فائدا
میری وجہ بیخودی اے مہ لقا کچھ اور ہے

تنگ آکر ان بتانِ سنگدل کے جور سے
یا الٰہی قیس کی اب التجا کچھ اور ہے

ساقی لگا دے منہ سے تو بوتل شراب کی
پیری میں رنگ لائیگی مستی شباب کی

بجلی گرا کے تم نگہ پُر عتاب کی
کیا وجہ پوچھتے ہو مرے اضطراب کی

مجھ میں نہیں ہے تاب سوال و جواب کی
ہے آس آپ کے کرم بے حساب کی

اللہ ان کے پائے حنائی کا مرتبا
لیتی ہے جھک کے بوسے کرن آفتاب کی

پہنچے گی میری آہ کسی دن جو عرش تک
رہنے نہ دے گی سامنے چلمن حجاب کی

پوچھیں کسی سے کیا کہ اُمنگیں وہ کیا ہوئیں
تعبیر ہیں ہم آپ جوانی کے خواب کی

رو رو کے یوں تو سیکڑوں دریا بہا دیئے
عزت نہ کچھ ہوئی مری چشم پُر آب کی

مانیں تو کچھ کہوں وہ نہ مانیں تو کیا کہوں
عجز و نیاز ہی نے تو مٹی خراب کی

چونکا جو بخت خفتہ ہمارا تو دیکھنا
کھولیں گے ہم گرہ ترے بندِ نقاب کی

لاکھوں تھے صید ایک مجھی پر نظر پڑی
دیتا ہوں داد آپ کے اس انتخاب کی

در پردہ قتل کرتے ہیں سو سو ادا سے وہ
تصویر دیکھنے میں ہیں شرم و حجاب کی

شہرت ہے میرے نام کی دیوانگی کے ساتھ
خواہش ہے ٹائٹل کی نہ حسرت خطاب کی

سر کو ترے قدم سے اُٹھاتا میں کس طرح
مٹی مرے خمیر میں تھی بو تراب کی

انفاس چند پر یہ بشر کو غرور کیا
ہے ختم ایک جھونکے میں ہستی حباب کی

اُس رشکِ گل سے قیس کو صحبت اگر نہ تھی
آتی ہے کیوں پسینے میں خوشبو گلاب کی

نظر کی جب کدورت پونچھ کر آنکھوں سے کثرت کی ۔۔ تجلی ہر طرف دیکھی شعاعِ نورِ وحدت کی
جلی جاتی ہے کشتِ آرزو مجھ مستِ الفت کی ۔۔ جھڑی دو چار دن یارب لگا دے ابرِ رحمت کی
نہ پہنچی پر نہ پہنچی کشتیِ ادراک ساحل تک ۔۔ بہت کچھ ہیں نے کی ہے سیر دریائے حقیقت کی
غریقِ بحرِ عصیاں ہوں تو کیا کچھ غم نہیں مجھ کو ۔۔ بندھی ہیں ساقیِ کوثر سے امیدیں شفاعت کی
گرے گر کر نہ سنبھلے ہو گئیں رسوائیاں کیا کیا ۔۔ یہی تعبیر ہونا تھی ہمارے خوابِ غفلت کی
نہ دیکھی شکلِ عشرت ہاں خیال آتا ہے بھولا سا ۔۔ سنی تھی ہمنے بھی کچھ دن کہانی عیش و راحت کی
پھٹا جب جی کسی سے اس سے پھر ملنا کہاں ممکن ۔۔ نہیں اصلاح ہو سکتی ہے آزردہ طبیعت کی
مسافر کب ٹھہرتے ہیں ہوا جب نور کا تڑکا ۔۔ سفیدی میرے بالوں کی خبر دیتی ہے رحلت کی
ہوا صحرا نوردی کی مرے سر میں سمائی ہے ۔۔ خبر دستِ جنوں لینے کو ہے دامانِ عزلت کی
تری رحمت سے کیوں ناکام ہوں اے ساقیِ قاتل ۔۔ ادھر بھی چار بوندیں آبِ شمشیرِ شہادت کی
نقابِ سرخ میں وہ چہرۂ گلرنگ یاد آیا ۔۔ شفق پھولی ہوئی دیکھی جو اپنی شامِ غربت کی
برس پڑتا ہے مجھ پر وہ ستمگر بے سبب اکثر ۔۔ گھٹا چھائی ہوئی ہے میرے سر پر بے نکبت کی
مرے اعمالِ بد دھل جائینگے آبِ ترحم سے ۔۔ بہیں گی ندیاں آنکھوں سے جب اشکِ ندامت کی
کسی کے سامنے دستِ طلب ہمنے نہ پھیلایا ۔۔ فقیری میں بھی سچ پوچھو تو گویا بادشاہت کی
کوئی حیوان کی صورت رہا زندا تو کیا حاصل ۔۔ بشر کے واسطے لازم ہے خوبو آدمیت کی

بگولا بنکے میں اُڑتا پھرونگا کوے جاناں میں
دکھا دونگا فنا ہو کر بھی یوں تاثیر وحشت کی

اُٹھائے زحمتِ دنیا کوئی کس واسطے ناحق
بہت ہی مختصر ہے زندگانی جاہ و دولت کی

چڑھا رہتا ہے کیوں نشہ مے عرفان و وحدت کا
کہو اے قیس کس پیرِ مغاں سے تم نے بیعت کی

رہے گی حشر میں بھی اک نئی شان اس جماعت کی
صفیں سب سے الگ ہوں گی اسیرانِ محبت کی

خبر دینے لگے مرغِ سحر خواں صبح آفت کی
سیاہی پھٹیگی جب ظلمتِ شبہائے فرقت کی

مجھے تم قتل کر کے اب کہاں دفنانے جاؤگے
یہیں دیدو جگہ اپنی گلی میں ایک تربت کی

نزولِ آفتِ تازہ کی آخر انتہا بھی ہے
چڑھائی ایک مشتِ خاک پر اتنی مصیبت کی

ترا دستِ تعدی کیوں ابھی کوتاہ ہوتا ہے
ترقی دیکھنا ہے اے غمِ جاناں نخافت کی

بجائے گل ہماری قبر پر ڈھیلے برستے ہیں
الٰہی خیر کرنا عشق نے کیا ہی بُری گت کی

تصور میں بھی ہر دم جھٹکے دینا یوں نہیں اچھا
کلائی دیکھیے مڑ جائیگی دستِ نزاکت کی

لبوں کو دے کے جنبش رہ گیا میں رعب کے باعث
نہ نکلا صاف حرفِ مدعا ہر چند جرأت کی

خبردار اے دلِ مضطر کہیں جلدی نہ کر جانا
بڑی مشکل سے طے ہوتی ہے منزل عشق و الفت کی

زمینِ قبر سے بیتاب ہو ہو کر لپٹتا ہوں
پسِ مردن جو یاد آتی ہے لذت تیری صحبت کی

ہجومِ بیخودی میں بھی رہا پاسِ ادب مجھ کو
لیئے بوسے مگر پہلے طلب اُن سے اجازت کی

کوئی ذی حسن کیسا ہی نہ ہو میں دیکھ سکتا ہوں
کھنچی آنکھوں میں جب تصویر تیری پیاری صورت کی

حصولِ دولتِ دیدار کی امید کیونکر ہو
بھلا آئی ہوئی گھڑیاں ٹلیں گی میری شامت کی

گلے میں شرم سے اقرار کے الفاظ دبتے ہیں
مکرّر کہنے میں بھی شکل بنجاتی ہے لکنت کی

کسی کو ہم نے دیکھا تھا اُسی پر جان جاتی ہے
مگر یہ کہہ نہیں سکتے ہیں کس نے ایسی حالت کی

مناسب ہے غم و رنج والم کی بھیڑ چھٹ جائے
ہے آمد دل میں اک جانِ حیا و نیک سیرت کی

تجھے اے شوق وصل اُنسے سنبھل کر چھیڑ کرنا تھی
بگڑ کر اُٹھ گئے پہلو سے ناحق تو نے عجلت کی

بچایا داغ ناکامی سے وقتِ واپسیں آکر
بڑا احسان ہے مجھ پر جو مرتے دم عیادت کی

کوئی اس طرح بھی افشائے رازِ عشق کرتا ہے
مرے پہلو میں رہ کر تونے ای دل میری ذلت کی

تم ایسے بے وفا کو دل کسی صورت نہ دینا تھا
ہمیں چوکے جو یوں برباد ہمنے ایسی دولت کی

یہ غفلت تابکجا اے قیس کچھ تجھ کو خبر بھی ہے
صدائیں ہر طرف سے آرہی ہیں کوس رحلت کی

یہ گت کی ٹھنڈی سانسوں نے مرے دل کی حرارت کی
قمر تصویر کا مل بنگیا ہے داغ حسرت کی

جھکا کر گردنِ تسلیم برسوں میں نے طاعت کی
پھر اس پر بھی نہ سمجھو تم تو خوبی میری قسمت کی

حیا تھی مانعِ دیدار لیکن صبر کس کو تھا
نگاہِ شوق نے چھپ چھپ کے اُس گل کی زیارت کی

پھنکا جاتا ہوں سوزِ آتشِ غم کی فزونی سے
رکھو تم ہاتھ سینے پر کمی ہو کچھ حرارت کی

فضول انکار کیا کرتے ہو تم غم کی سمائی پر
درازی دیکھ لو آکر ہمارے دل کی وسعت کی

لیئے ہیں بوسۂ لب بیخودی سے عین غصے میں
پڑی ہی چاٹ مجھ کو بے طرح ذوقِ حلاوت کی

نگاہوں کو سرشکِ چشمِ تر سے ہم نے دھو دھو کر
مہینوں مصحفِ رخسار کی تیرے تلاوت کی

نہ دیکھی جائیں گی گستاخیاں زلفِ حسیناں سے
ذرا رہنے دے اے بادِ صبا باتیں شرارت کی

کسی نے کچھ کہا تم سے نہ خود میری خطا دیکھی
پھر اے جانِ جہاں کیا وجہ ٹھہری مجھ سے نفرت کی

ترس کھانے لگے اغیار بھی شکلِ پریشاں پر
غمِ ہجرِ بتاں نے ہائے میری کیا بُری گت کی

لبِ شیریں و زلفِ یار کی الفت میں مرنے پر
خموش آباد میں فرہاد و مجنوں نے بھی عزت کی

مری جانبازیوں کو تم نے مڑ کر بھی نہیں دیکھا
ادا سیکھی ہے کب سے یہ غرور و کبر و نخوت کی

خوشامد پر رقیبوں کی انھیں خوش ہوتے جب دیکھا
سپاسِ بے محل کی جھوٹوں جھوٹوں میں نے عادت کی

عدم کی راہ لی ہے ایک رشکِ حور کے غم میں
کھُلیں گی کھڑکیاں میرے لیے گلزارِ جنت کی

سوالِ وصل پر مجھ کو کبھی بُتّے بتاتے ہیں
کبھی کہتے ہیں لیں گے فصد ہم حضرتِ سلامت کی

عبث عشاق کے مجمع سے تم حیران پھرتے ہو
مرے دل میں چلے آؤ جگہ خالی ہے خلوت کی

نہ چھوڑی اُس ستمگر نے لگاوٹ میرے دشمن سے
ہزاروں التجائیں کیں کروروں بار منت کی

گھسے تھے جس کے سلجھانے میں میری فکر کے ناخن
نکالی پھر وہی اُلجھی ہوئی تقریر حجت کی

نہ آیا ایکدن بھی یہ دلِ شوریدہ قابو میں
ہمیشہ چوٹ ہی کھاتا رہا سنگِ ملامت کی

میں گو ناآشنائے فن ہوں لیکن پھر بھی کہتا ہوں
نظر درکار ہے میری غزل کو اہلِ خبرت کی

کہاں جہال بے مایہ کہاں قیس سخن آرا
عدوِ بے زباں لیتے ہیں کیا ہم سے مشیخت کی

یہ تو مانا مجھ کو ضبطِ رنجِ فرقت چاہیے
کچھ تمھارے دل میں بھی پاسِ مروت چاہیے

بارِ غم سر پر اُٹھا لینے کو جرأت چاہیے
دل مرا سا چاہیے میری سی ہمت چاہیے

کشتۂ تیغِ ادا کیا خون کا دعویٰ کرے
جرم پوشیدہ نہیں لیکن شہادت چاہیے

اور کچھ سامان عشرت ہو میسر یا نہ ہو
جی بہلنے کے لیے ایک اچھی صورت چاہیے

درد بھی دل میں اگر اُٹھے تو کچھ لذت کے ساتھ
جس مصیبت میں مزا ہو وہ مصیبت چاہیے

فصد لیلےٰ کی ہوئی تھی خون مجنوں کا بہا
محویت سے عاشقی میں ایسی وحدت چاہیے

تجھ کو اپنی گرمیِ بازاری اگر منظور ہے
یار کی چالیں اُڑانا اے قیامت چاہیے

قید تنہائی ہو جس میں ایسی جنت کو سلام
چاہے دوزخ ہی نہ کیوں ہو تیری صحبت چاہیے

مر گیا ہوں میں کسی کے انتظارِ دید میں
نرگسی چادر کوئی بالائے تربت چاہیے

ہے جگہ تنگ اتنے غم کی ہو سمائی کس طرح
دامنِ محشر سے بڑھ کر دل کی وسعت چاہیے

مر مٹے پھر بھی ہجومِ نامرادی ساتھ ہے
عاشقوں کو اور کیا اب شان و شوکت چاہیے

خانۂ ویراں ہیں وہ جن میں نہیں جلتے چراغ
دل کی آبادی کو دل میں داغ الفت چاہیے

وصل کا ارماں اٹھا رکھوں میں کیونکر حشر پر
صبر ہی اول تو کم پھر ایک مدت چاہیے

مال چوکھا ہے اگر تو گاہکوں کی کیا کمی
قدر داں لاکھوں ملینگے دل سلامت چاہیے

اتنی بھی افسردگی اے قلیسؔ کچھ اچھی نہیں
چلتی پھرتی منچلوں کی سی طبیعت چاہیے

مرنے پر آئے گی جب یاد رفاقت میری
چٹکیاں لے گی ترے دل میں محبت میری

دشمنوں کی بھی نہ ہو جیسی ہے قسمت میری
کام آئی کوئی منت نہ سماجت میری

بڑھتی ہی جاتی ہے رہ رہ کے مصیبت میری
اے اجل دوڑ خبر لے شب فرقت میری

دونوں کو دونوں نے رکھا محروم وصال
تمکنت اُن کی اُنھیں مجھ کو یہ حسرت میری

اپنی توبہ کی حقیقت مجھے معلوم ہے سب
آنکھ پڑتے ہی بدل جائے گی نیت میری

گردشِ دورِ فلک سے نہ ڈروں میں کیونکر
اس کی چالیں ہیں مرے حق میں قیامت میری

سر بکف دیکھ کے مقتل میں شہیدانِ وفا
مرحبا کہکے بڑھا دیتے ہیں ہمت میری

یہ نئی طرز کی ہے داد مرے شعروں کی
کہتے ہیں سن کے یہ ان میں بھی نزاکت میری

میرے ہی سر جو بلائیں ہیں چلی آتی ہیں
آسمانوں میں بھی قسمت سے ہے شہرت میری

قتل کر کے مجھے بے وجہ پشیماں ہے کیوں
تیرے ہی ہاتھوں سے لکھی تھی شہادت میری

کیا یہی شرطِ وفا ہے جو عدو کے آگے
آپ بیٹھے ہوئے کرتے ہیں شکایت میری

بس کر اے پیرِ فلک اس قدر آنسو نہ بہا
بیٹھی جاتی ہے ترے رونے سے تربت میری

وصل میں بھی یہ ستم ہے کہ صفائی نہ ہوئی
بن گئی سینے میں دیوار کدورت میری

ہوش کے ساتھ حسینوں سے مجھے ملنا تھا
چھن گیا دل ہی ذرا دیکھیے غفلت میری

تم تو کہتے تھے کہ ہرگز کوئی آزار نہیں
ہاتھ کیوں ملنے لگے دیکھ کے حالت میری

سر جھکانا ہی پڑے گا تجھیں نادم ہو کر
منکشف ہو گی کسی دن جو حقیقت میری

یہ سمجھکر کہ خدا سے یہ کرے گا فریاد
دیکھ کر ڈرنے لگے حشر میں صورت میری

تیرے پہلو میں سرِ بزم عدو کو دیکھوں
کس طرح اس کو روا رکھے گی غیرت میری

اے خدا فاش نہ ہو پردہ سیہ کاری کا
مجمعِ حشر میں رکھ لیجیے عزت میری

کعبۂ دل جسے کہتے ہیں خدا کا گھر ہے
تم پر اس پردے میں واجب ہے زیارت میری

لاکھ چاہا کہ میں ربابِ سخن میں نہ کھلوں
رو کے رکتی نہیں اے قلیس طبیعت میری

فتنۂ حشر مرے حق میں محبت ہوگی
تم سلامت ہو تو ہر روز قیامت ہوگی

وجہ تسکین دلِ زار عیادت ہوگی
مرتے دم مجھ پر اگر چشم عنایت ہوگی

ہوں سرتا بقدم غرق محبت جس کا
کب میسر مجھے اُس گل کی زیارت ہوگی

تم نے آتے ہی نکالے ہیں عدو کے جھگڑے
خاک اِن باتوں سے خوش میری طبیعت ہوگی

دل لگانے کے مزے خوب اُٹھائے ہم نے
زندہ ہیں تو نہ پھر اس کی کبھی جرأت ہوگی

وصل کی رات ہے للہ اٹھا دو گھونگٹ
دل کے ارمان نہ نکلیں گے تو حسرت ہوگی

حشر کے دن بھی مجھے لب نہ ہلانے دوگے
منتوں سے یہ کہو گے کہ خجالت ہوگی

یونہیں غیروں سے رہے گی جو لگاوٹ ہر دم
دفع کس طرح مرے دل سے کدورت ہوگی

شکل ہی سے مری تم حال مرا پوچھ نہ لو
اپنے منہ سے میں کہونگا تو شکایت ہوگی

مجھسے جب گوشۂ عزلت میں نہیں ملتے ہو
مجمعِ غیر میں کیا ملنے کی صورت ہوگی

میرے آگے نہ کرو وامق و فرہاد کا ذکر
ایسی عزت اُنھیں ہوگی نہ یہ حرمت ہوگی

میں نے پوچھا کوئی محبوب وفادار بھی ہے
ہنسکے بولے کہ اجی موم کی مورت ہوگی

جان پر کھیل کے میں ہی نے بلائیں لی ہیں
بزدلے غیر میں کاہیکو یہ ہمت ہوگی

بے خبر شوخ حسینوں میں نہ بیٹھے کوئی
دل ہی چپکے سے اُڑا لیں گے جو غفلت ہوگی

اُن کو ضد ہے کہ تجھے ذبح کرونگا اے قیس
مجھ کو ڈر ہے کہ چھری بار نزاکت ہوگی

وصل میں بھی جو یہ شرم اور یہ غیرت ہوگی
قہر سا قہر مصیبت سی مصیبت ہوگی

جی بہلنے کی مرے کونسی صورت ہوگی
تو ہی جب مونس غم اے شب فرقت ہوگی

ٹھوکروں سے جسے بے نام و نشاں کرتے ہیں
وہ کسی عاشق جانباز کی تربت ہوگی

جو نہ ثابت رہے دم بھر وہ مری توبہ ہے
بدلے جو لحظہ بلحظہ مری نیت ہوگی

کھینچکر ہاتھ میں تلوار ڈراتے ہو کسے
ہم تو خوش ہیں کہ نصیب آج شہادت ہوگی

کس طرح ہجر کی گھڑیوں کو گزارا ہم نے
گوش دل سے تم اگر سُن لو تو حیرت ہوگی

جس نے لاکر ہمیں گرداب بلا میں ڈالا
گردشِ چشم فسونگر کی شرارت ہوگی

تالبِ گور جو پہنچائیں گے کاندھا دیکر
آپ کی ذرہ نوازی مری عزت ہوگی

جاں نثاری مجھے بخشے گی حیات جاوید
سارے عالم میں یہی باعث شہرت ہوگی

لاابُالی ہے مرے پیر خرابات کی ذات
رحم پر آئی تو رندی بھی عبادت ہوگی

قتل کرکے مجھے دشمن سے بگڑ جائینگے
میرے سر آئی ہوئی غیر کی شامت ہوگی

تم تو جاتے ہو مجھے جھوٹی تسلّی دیکر
میں سمجھتا ہوں جدائی میں جو حالت ہوگی

بزم اغیار میں چھپ چھپ کے تمھیں گھورونگا
عین جلوت ہی میں حاصل مجھے خلوت ہوگی

یاس کہتی ہے کہ ہے غم سے رہائی دشوار
آس کہتی ہے نصیب اب تجھے راحت ہوگی

برسرِ اوج رہے جو وہ عدو کی تقدیر
جو بگڑ کر نہ بنے قیس کی قسمت ہوگی

دے کے دل میری کیا بُری گت ہے
ہر گھڑی نازل ایک آفت ہے

جس طرح یار کی نزاکت ہے
روز افزوں مری نحافت ہے

خوب ہی ثمرۂ محبت ہے
جا بجا میری اُن کی شہرت ہے

دل لگانا ستم شعاروں سے
قہر۔ آفت ۔ بلا مصیبت ہے

نالے ہونٹوں پر آنکھ میں آنسو
تیرے بیمار کی یہ حالت ہے

ہوکے بیتاب غل مچاتے ہیں
درد جانکاہ رنج فرقت ہے

کیوں ہماری خبر نہیں لیتے
کیا یہی مقتضائے الفت ہے

بیٹھے ہو تم تو میں بھی زندہ ہوں
تم ہٹے میری جان رخصت ہے

عمر بھر مبتلائے غم رہنا
عاشقی میں یہ عین راحت ہے

دلبری کیا ہے کچھ نہیں معلوم
خود ہی وہ شوخ محو حیرت ہے

بھول ہی کر سہی تم آئے تو
اوج پر آج میری قسمت ہے

خواہشِ مرگ سُن کے کہتے ہیں
اتنی سی جان پر یہ ہمت ہے

وجہ افسردگی بتاؤں کیا
حضرتِ عشق کی عنایت ہے

اب سنبھلتی نظر نہیں آتی
بے طرح مضمحل طبیعت ہے

مر مٹونگا میں نیک نامی سے
سرفروشی دلیل عزت ہے

پوچھتے کیا ہو خیریت میری
گل کے کانٹا ہوا یہ صورت ہے

ہاتھ اٹھا کر ذرا دعا کر لو
کشتۂ بے گنہ کی تربت ہے

باتیں کرتے نہیں صفائی کی
میری جانب سے کیوں کدورت ہے

تم پر اے جان لاکھ دل قرباں
ایک دل کی کوئی حقیقت ہے

یہ نصیبوں کی سب شکایت ہے	اے جفا جو ترا گِلا کیسا

جس کو دیکھا پھسل پڑا ظالم
قیسؔ کی بھی عجیب نیت ہے

خدا سے ڈر تو اے ظالم یہ کیا بیداد کرتا ہے
کہ رہ کر میرے ہی دل میں مجھے برباد کرتا ہے

عدو کی پٹیاں ہیں کون کس کو یاد کرتا ہے
اسی پردے میں وہ لاکھوں ستم ایجاد کرتا ہے

ہمارے قتل کرنے کا سمجھ کر حکم دینا تھا
گراں جانی کے شکوے بازو جلاد کرتا ہے

بہارِ موسمِ گل ہے چمن کی سیر چھوٹے گی
قفس میں بند کیوں مجھ کو تو اے صیاد کرتا ہے

لہو کا ایک قطرہ ابھی نہیں ہے جسم لاغر میں
مجھے شرمندۂ نشتر عبث فصّاد کرتا ہے

وہ سنکر میرے نالے یوں تنک کر غیر سے بولے
ذرا پوچھو تو یہ کمبخت کیوں فریاد کرتا ہے

عدم میں بھی نہ نکلی شکل کچھ آرام کرنے کی
اِدھر نالاں ہے مجنوں شور اُدھر فرہاد کرتا ہے

سرِ مقتل تمھاری تیغ کی جھنکار سُن سُنکر
اَدا زخمِ جگر رسمِ مبارکباد کرتا ہے

ہزاروں مخمصوں کے ساتھ ساتھ اتنی رضا جوئی
فرشتوں سے نہ ہو جو کام آدم زاد کرتا ہے

نکل کر دل سے عاشق نے جگہ لی تیری آنکھوں میں
صنم خانا چھٹا اب میکدا آباد کرتا ہے

ترے کوچے میں رہ کر پہلے طرزِ جور سیکھے تو
ابھی سے حوصلا کیا چرخ بے بنیاد کرتا ہے

جو محرومِ ازل ہو عشق سے کہیے وہ کیا جانے
کہ قیدِ غم سے کون انسان کو آزاد کرتا ہے

نہ یوں جوشِ جنوں میں بیڑیاں ہردم پہناؤ
چھُری کا کام مجھ پر طعنۂ حدا دکرتا ہے

حیاتِ جاودانی کی جھلک آنکھوں میں آتی ہے
مرے سر پر جو سایا خنجرِ فولاد کرتا ہے

تعجب ہے کہ تم پر ہیں تو مرمٹنے کو حاضر ہوں | تمھیں افسردہ پاسِ خاطرِ ناشاد کرتا ہے
یہاں تو سیکڑوں تھے بھرنے والے دم محبت کے | کوئی جا کر عدم میں بھی کسی کو یاد کرتا ہے
ہوا ہے بعد مدت اب مجھے یہ مرتبا حاصل | کہ پیدا شعر لطفِ بندشِ استاد کرتا ہے
وہ یوں محشر میں مجھ کو دھمکیاں دیدیکے کہتے ہیں | ذرا دیکھیں تو کیونکر تو یہاں فریاد کرتا ہے
سنیں گے ہائے کیونکر نغمہ سنجی ہمصفیروں کی | اسیرِ کنجِ تنہائی ہمیں صیاد کرتا ہے

نکالو دل سے جلد اے قلقؔ تم الفت حسینوں کی
خدا کا گھر بتوں سے بھی کوئی آباد کرتا ہے

فصلِ گل کی آمد آمد مژدۂ بیداد ہے | بچھ رہے ہیں جال بیٹھا گھات میں صیاد ہے
آہ وزاری ہے نہ شورِ نالہ و فریاد ہے | کوچۂ سفاک ان روزوں خموش آباد ہے
اسقدر راحت فزا دل میں کسی کی یاد ہے | طعنۂ احباب بھی شورِ مبارکباد ہے
اُن سے مجھ کو پوچھ دیکھو کون یہ ناشاد ہے | سنکے کہدینگے کہ یہ اک خانماں برباد ہے
فکرِ مشقِ ناز ہے یا خواہشِ بیداد ہے | یہ نہیں معلوم کیوں خنجر بکف جلاد ہے
پھر کسی کے تیرِ مژگاں نوک کی لینے لگے | تشنۂ خونِ جگر پھر نشترِ فصاد ہے
دردِ فرقت ہے کبھی دل میں کبھی غم کا ہجوم | گھر ترا ویران ہونے پر بھی یوں آباد ہے
جس گلے پر مدتوں بارِ محبت جبر تھا | طوقِ آہن میں وہ اب منت کشِ حداد ہے
غیر کی الفت کا دم بھر کر جلاتا ہے مجھے | اُس ستم ایجاد کا سب سے الگ ایجاد ہے
تیرے آنیکے بھروسے پر تو میں زندا رہا | تو نے کیا وعدا کیا تھا کچھ تجھے بھی یاد ہے

داستانِ غم ہماری وہ سنیں تو کیا سنیں
قصۂ مجنوں نہ وہ افسانۂ فرہاد ہے

ہیں اصولِ عشق سے ناآشنائے محض ہوں
المدد اے شوقِ صادق یہ نئی افتاد ہے

سننے والوں کے جگر شق ہونگے روزِ حشر بھی
مجھ سیہ نامے کی وہ حسرت بھری روداد ہے

ضبط نالہ تا کجا اے پاس ننگ و آبرو
اب لبوں کو میرے شوقِ بوسۂ فریاد ہے

سنکے میری بیقراری ہنسکے کہتا ہے وہ شوخ
تیری باتیں میں سمجھتا ہوں بڑا استاد ہے

طایرِ جاں میرے جسمِ زار سے ہو کر جدا
صورتِ رنگِ پریدہ آشیاں برباد ہے

راستی قامتِ موزوں دکھانے کے لیے
عازمِ سیرِ چمن وہ غیرتِ شمشاد ہے

دل ہی قابو میں نہ ہو تو کہئیے کوئی کیا کرے
یوں تو اے ناصح بجا سب آپکا ارشاد ہے

تیری صورت پر ہے خود ہی تیرے صورت گر کو ناز
ہر عذارِ آتشیں پر دیکھ اک اک صاد ہے

چاہوں تو اے چرخ آہِ پُر شرر سے پھونکدوں
میرے آگے تجھ ستم پیشہ کی کیا بنیاد ہے

اُس سے کیونکر کھنچ سکے گی تیری تصویر اے پری
شکل ہی جب دیکھ کر حیرت زدہ بہزاد ہے

ایک ادا میں اُس کی کٹکر سیکڑوں سر گر گئے
تیغِ ابرو ہے کہ رشکِ خنجرِ فولاد ہے

سخت جاں میں ورنہ زنگ آلودہ اُس قاتل کی تیغ
دیکھ اے شوقِ شہادت اب دمِ امداد ہے

چھوڑ کر تیری گلی جنت میں کیوں جانے لگا
کیا نصیبِ دشمناں کچھ قیس بھی آزاد ہے

شبِ ہجر رو رو کے ہم نے سحر کی
کہانی یہ ہے مختصر رات بھر کی

مری جانب اُس نے جو مڑ کر نظر کی
خبر لے لی تیرِ نگہ نے جگر کی

حسینوں نے سرما لگایا ہے جس کا — وہ ہے خاک شاید ترے سنگ در کی

رکھا بند قسمت نے بابِ اجابت — دعاؤں نے صورت نہ دیکھی اثر کی

لگے آتے ہی آپ زانو بدلنے — کشش ہو گئی دل میں پیدا کدھر کی

درازی شبِ درد و غم کی نہ پوچھو — یہ مشکل بُری طرح میں نے بسر کی

نہ ہے دل مرا سا کسی مدعی کا — نہ صورت تری سی کسی فتنہ گر کی

جوابِ خطِ شوق میں رات دن ہم — کھڑے راہ دیکھا کیے نامہ بر کی

رہی وصل میں گفتگو ہم سے اُن سے — کبھی کچھ ادھر کی کبھی کچھ اُدھر کی

پھنسانے کو دل اپنی زلفیں نہ کھولو — نکل جائے گی سب نزاکت کمر کی

ترے حسن کے عکس کی اک جھلک تھی — تجلی جو مشہور ہے طور پر کی

ابھی ساری دنیا ہو غرقاب طوفاں — اگر میں لگا دوں جھڑی چشم تر کی

مرا دل ہی خود خضرِ راہِ وفا ہے — ضرورت نہیں عشق میں راہ بر کی

قیامت ہے من موہنی شکل صورت — مرے شاہدِ حُسن رشکِ قمر کی

جسے رعد کہتا ہے سارا زمانا — کڑک ہے مرے نالۂ پُر شرر کی

اجل بھی مجھے ہائے لینے نہ آئی — کہ راس آتی فرقت میں نیت سفر کی

بنا دیتے ہم فرشِ پا اپنی آنکھیں — اگر پاتے قسمت تری رہگذر کی

ادھر بھی ذرا فاتحہ پڑھتے جانا — ہے تربت یہی تیرے شوریدہ سر کی

ہوا غم اُنھیں ترکِ مشقِ ستم کا — مرے مرنے کی جو کسی نے خبر کی

قضا رہ گئی میرے سر آتے آتے
بنی جا کے مہمان دشمن کے گھر کی

ترنگیں جوانی کی اے قیس کب تک
ڈھلی دھوپ گرمی گئی دوپہر کی

غیر پر ظلم تم اے رشکِ قمر کیا کرتے
میری جانب کو محبت کی نظر کیا کرتے

نالہ و آہ و فغاں کو ہے عداوت ہم سے
ہجر کی شب ترے دل میں وہ اثر کیا کرتے

تھے تلاشِ دہنِ تنگ کے اوصاف میں محو
ایسی حالت میں بھلا فکرِ کمر کیا کرتے

جا گزیں تھا دلِ جاناں میں خیالِ اغیار
وہ توجہ کی نظر کیسے اِدھر کیا کرتے

زاہدِ خشک کو کیا بادہ و ساغر کی خبر
سوئے میخانہ تم اے شیخ نظر کیا کرتے

غیر کے دل میں کھٹک ہوتی کہاں سے ظاہر
زخم پتھر میں ترے تیر نظر کیا کرتے

تیری الفت سے ہیں مجبور نہیں تو اے گل
دامِ صیاد میں ہم عمر بسر کیا کرتے

مانعِ دشت نوردی نہ ہوئی تیغ جہاں
نشترِ خار سے ہم خوف و خطر کیا کرتے

لذتِ دردِ محبت میں تھے محوِ خندہ
فکرِ مرہم کی مرے زخمِ جگر کیا کرتے

آبِ اشکِ جگرِ گرم سے جب سینچا ہے
نخلِ الفت سے ہم امیدِ ثمر کیا کرتے

سرخ روئی اُنھیں حاصل تھی برنگِ فرہاد
عاشقِ زار ترے چھوڑ کے سر کیا کرتے

خوف یہ تھا کہ نہ دکھ جائے ترا نازک دل
میرے مرنے کی تجھے غیر خبر کیا کرتے

بے ہنر رکھتے ہیں جب دہر میں دعویٰ کمال
گوشہ گیری کے سوا اہلِ ہنر کیا کرتے

حضرتِ عشق کی یہ سب ہے عنایت ہم پر
ورنہ یوں رنج میں ہم عمر بسر کیا کرتے

سرخیِ لب ہے غضب قہر ہے دانتوں کی چمک
ہمسری ان سے تم اے لعل و گہر کیا کرتے

آتشِ ہجر بجھاتا نہیں طوفان سرشک
اشک آنکھوں سے رواں دیدۂ تر کیا کرتے

جامۂ صبر جب اے قیس پہن کر بیٹھے
دشت و کہسار میں پھر سیر و سفر کیا کرتے

تیغِ نگہ سے تیری خوف و خطر نہیں ہے
حاشا ذرا بھی مجھ کو پروائے سر نہیں ہے

میری بغل میں جب سے وہ سیمبر نہیں ہے
کچھ اختیار دل پر اے چارہ گر نہیں ہے

میری طرف تمھاری اب وہ نظر نہیں ہے
اگلی سی چشم الفت کچھ بھی ادھر نہیں ہے

فکرِ علاج مجھ کو اے چارہ گر نہیں ہے
صحت پذیر میرا دردِ جگر نہیں ہے

عیشِ دو روزہ مجھ کو مدِ نظر نہیں ہے
فکرِ حصول دنیا کارِ بشر نہیں ہے

اے دوستو نہ پوچھو حالِ تباہ میرا
میں کون ہوں کہاں ہوں کچھ بھی خبر نہیں ہے

اشکوں سے سینچوں کیونکر میں کشت آرزو کو
اس فایدے کے قابل آبِ گہر نہیں ہے

دنیا میں جو شجر ہیں سب پھلتے پھولتے ہیں
اِک نخلِ آرزو میں پیدا ثمر نہیں ہے

اب میری آہ تھک کر جاتی ہے لامکاں کو
باقی زمین پر کچھ نامِ اثر نہیں ہے

غیروں کے شعبدوں نے پھیر اٹھا دے دل کو
یا میری حالتوں کی تم کو خبر نہیں ہے

حالِ فراق اس کو کس طرح خط میں لکھوں
قابو ذرا بھی دل پر اے نامہ بر نہیں ہے

غیروں کا نقش الفت دم میں مٹا ہی دیتا
میرا بتوں کے دل میں افسوس گھر نہیں ہے

رازِ نہفتہ میرا کیونکر چھپائے چھپتا
تیرا دہن نہیں ہے تیری کمر نہیں ہے

اوروں کی غم کی راتیں باتوں میں کٹتے دیکھیں
میری شبِ الم کی شاید سحر نہیں ہے

ارض و سما تو کیا ہیں عرشِ بریں ہلا دوں
آہوں سے میری کیا کیا زیر و زبر نہیں ہے

کنجِ قفس میں ناحق کرتا ہے قید مجھ کو
اڑنے کی تاب سُن لے بیداد گر نہیں ہے

جورِ صنم کا شکوا جا کر کروں میں کس سے
سب ہیں اسی کی جانب کوئی اِدھر نہیں ہے

دنیا کی خواہشوں نے قیدِ ہوس میں ڈالا
آؤں الٰہی کیونکر زادِ سفر نہیں ہے

عشرت کدا بنا ہے ماتم کدے کی صورت
جب سے ہمارے گھر وہ رشکِ قمر نہیں ہے

ہوتی ہے میرے دل کو کیوں بار بار اُلجھن
زلفِ بتاں کا سودا مجھ کو اگر نہیں ہے

تم کو گلے لگائیں سب عید کے بہانے
میں کچھ بڑھوں تو کہدو تیرا گزر نہیں ہے

اس شوخ مہ جبیں کو دیکھیں نظر جما کر
جن و بشر تو کیا ہیں تابِ قمر نہیں ہے

اُن سے کسی نے جا کر میرا جو حال پوچھا
تیوری چڑھا کے بولے مجھکو خبر نہیں ہے

نالوں کو بیخودی میں روکوں میں ہائے روکوں
قابو میں دل نہیں ہے اتنا جگر نہیں ہے

قیدیِ زلف ہو دل کس طرح اس سے نکلوں
شکلِ خلاص یارب پیشِ نظر نہیں ہے

حور و پری کو دیتا دل میں مقام کیونکر
تیرے سوا کسی کا اس میں گزر نہیں ہے

میرا رقیب تجھ پر کیا اپنی جان دے گا
اُس کا یہ دل نہیں ہے اس کا جگر نہیں ہے

اس دہرِ پُر فتن میں کچھ باعثِ تفاخر
حق پوچھئے تو مجھ کو اپنا ہنر نہیں ہے

بزمِ بتاں سے اُٹھ کر اے قیسؔ لاکھ ڈھونڈا
سب چیزیں ہم نے پائیں اک دل مگر نہیں ہے

نظر سے کس کو گراتے ہو عمر بھر کے لیئے / یہی جگر ہے کہ روتے تھے جس جگر کے لیئے

زمانے بھر میں ہے پھل پھول ہر شجر کے لیئے / نہیں ہے شاخ تمنا گل و ثمر کے لیئے

نہ پوچھو ہم سے مصیبت شبِ جدائی کی / دعائیں کرتے رہے رات بھر سحر کے لیئے

فقیر بنکے ہم آئے ہیں در پہ اے ساقی / بچی کھچی ہمیں دیدے نظر گزر کے لیئے

ہمیشہ غیر کے گھر بن سنور کے جاتے ہو / کبھی اِدھر بھی چلے آؤ دوپہر کے لیئے

نگاہ کر کے نہ آنکھیں تجھے چرانا تھیں / یہ کیا ستم ہے ترستے ہیں اک نظر کے لیئے

چھپا کے راز محبت عجیب کام کیا / پھرتے تمام اُنھیں سے اِدھر اُدھر کے لیئے

نہ پاس وضع رہا کچھ نہ آبرو کا خیال / خوشی میں ہم نے قدم آج نامہ بر کے لیئے

کہیں درازیِ گیسو سے بل نہ کھا جائے / دھڑک رہا ہے کلیجا تری کمر کے لیئے

ہے دُور فصل بہار اور ابھی سے اے صیّاد / یہ اہتمام قفس ایک مشت پر کے لیئے

ہمارے حال سے آگاہ کوئی ہو نہ سکا / تڑپ کے رہ گئے معشوق بے خبر کے لیئے

مجھے ہے خوف یہاں تک ترے بگڑنے کا / کہ نقش پا کے بھی بوسے لیے تو ڈر کے لیئے

ابھی تو شام ہوئی ہے جمائیاں کیسی / بہانے ڈھونڈ رہے ہو یہ درد سر کے لیئے

ہزار حیف کہ سامان زادِ راہ نہیں / کمر کسے ہوئے طیار ہوں سفر کے لیئے

وہ رات کہنے لگے سُنکے قیسؔ کی فریاد
ابھی دعائیں کرے آہ میں اثر کے لیئے

پہلو میں نہیں ہے جو وہ دلبر کئی دن سے / بے جان پڑا ہوں سر بستر کئی دن سے

بگڑے ہوئے اُس شوخ کے تیور کئی دن سے
مجھ پر ہیں سنبھالے ہوئے خنجر کئی دن سے

کس خانہ برانداز نے یہ آگ لگائی
بے وجہ وہ ہم سے ہیں مکدر کئی دن سے

معلوم نہیں بیٹھے ہیں وہ سوگ میں کسکے
بکھرائے ہوئے زلف معنبر کئی دن سے

کیونکر روشِ ضبط فغاں اِسکو سکھاؤں
قابو میں نہیں ہو دل مضطر کئی دن سے

اس ضد میں کہ ارمان نہ پورا ہو کسی کا
وہ گھر سے نکلتے نہیں باہر کئی دن سے

کس طرح مٹیں گی خلشیں نوک مژہ کی
ڈوبے ہیں رگ و پے میں یہ نشتر کئی دن سے

آیا ہوں مگر یاد حسینان جہاں کو
ہے قبر پر اک شورش محشر کئی دن سے

للہ ذرا جلوۂ رخسار دکھا دو
ہنگامۂ عشاق ہے در پر کئی دن سے

قینچی کی طرح شاخ تمنا کو نہ کترے
چلتی ہے زباں آپکی فر فر کئی دن سے

کیا ہے کہ اِدھر چشم عنایت نہیں ہوتی
کیوں بھر کے پلاتے نہیں ساغر کئی دن سے

دیکھے سر تربت کوئی سرمایۂ سودا
پھولوں کے عوض جمع ہیں پتھر کئی دن سے

اُس گل کو منا لینے کی صورت نہیں بنتی
برگشتہ ہے بے طرح مقدر کئی دن سے

الفت کی بدولت ہوئے دونوں ہی پریشاں
ہے ذکر مرا آپ کا گھر گھر کئی دن سے

اے قیس لبوں تک ستم یار کے شکوے
آ آکے پلٹ جاتے ہیں اکثر کئی دن سے

کچھ غرض رکھتے نہیں ہم جامۂ زرتار سے
ڈھانک لیتے ہیں بدن کو زخم دامندار سے

دل لگایا میں نے ناحق اُس بتِ عیار سے
ناک میں دم آگیا ہر روز کی تکرار سے

مار ڈالا تم نے مجھ کو ابروِ خمدار سے
ملک دل ہی لے لیا اس خنجرِ خونخوار سے

میں چلا جب سوئے مقتل کوچۂ دلدار سے
شورِ ماتم ہو گیا برپا در و دیوار سے

گھل کے لاغر ہو گیا ہوں میں زیادا خار سے
بارِ الفت دیکھیے کیونکر اُٹھے مجھ زار سے

سرد مہری عاشقوں سے اسقدر اچھی نہیں
التہابِ دل بجھا دو شربتِ دیدار سے

کٹ مرے لاکھوں مگر اسپر بھی یہ اندھیر ہے
خون کا لپکا نہیں جاتا تری تلوار سے

کیوں نہ کھلتا مجھ پر اے ظالم فریبِ دوستی
رنگ تھا انکار کا ظاہر ترے اقرار سے

اُس میں ہے نورِ دو ہفتہ اس میں نورِ دائمی
ماہِ تاباں کیا مقابل ہو ترے رخسار سے

خط میں حالِ سوزِ دل اُس شعلہ رو کو لکھ کے میں
چاہتا ہوں اب رسالت مرغِ آتشخوار سے

اب بتانِ سنگدل بھی سنکے غش کھانے لگے
چھیڑ سیکھی ہے مرے نالوں نے موسیقار سے

لذتِ دیدارِ جاناں ہم سے پوچھا چاہیئے
دیکھتے ہیں اُن کو ہم کس شان سے کس پیار سے

زاہدانِ ظاہری پر کیا کھلیں میرے رموز
محو سیرِ لم یزل واقف نہیں اسرار سے

ہم گئے تھے صرف بھر سیر اے یوسف مگر
لے کے آئے عشق کا سودا ترے بازار سے

میکدے میں شیخ کو رندوں نے چھیڑا ہی ضرور
مُنہ بنائے وہ چلے آتے ہیں کچھ بیزار سے

قمریاں اُس پر فدا ہیں اسپر اک عالم تباہ
سرو کو نسبت نہیں ہے کچھ بھی قدِ یار سے

آتشِ الفت سے میں اندر ہی اندر پھنک گیا
دیکھو اُٹھتا ہے دھواں سا میرے جسمِ زار سے

آؤں رونے پر جو اُس شیریں ادا کی یاد میں
خون کی ندی بہا دوں چشمِ دریا بار سے

بے حجابانہ جو بیٹھا ہے وہ چلمن چھوڑ کر
نور چھن چھن کر نکلتا ہے درِ دلدار سے

پھونک ڈالا کس گلِ تر کی محبت نے تجھے
شعلے کیوں اڑتے ہیں اے بلبل ترے منقار سے

اور پڑھ دے اک غزل اے قیس ہم کہتے ہیں صاف
رونق اب بزمِ سخن کو ہے ترے اشعار سے

جب کہ میں ہونے لگا تھا قتل دستِ یار سے
تھا مبارکباد کا غل تیغ کی جھنکار سے

ہاتھ اُٹھا اے چارہ گر تو کوششِ بیکار سے
زخمِ دل اچھا نہ ہوگا مرہمِ زنگار سے

چھپ کے بیٹھو گے کہاں مجھ طالبِ دیدار سے
ذرہ بنکر دیکھ لونگا روزنِ دیوار سے

مر رہا ہوں میں طبیبو عشق کے آزار سے
ہے عبث تدبیر صحت شربتِ دینار سے

میری آنکھیں لڑ رہی ہیں ابروِ خمدار سے
قتل وہ کرتے ہیں مجھ کو دو رُخی تلوار سے

سبزۂ رُخ سے گزر کر ہم نے چوسے ہیں وہ لب
چشمۂ حیواں پر آئے وادیِ پُرخار سے

مجھ سے اے واعظ تو اتنی پارسائی کی نہ لے
بارہا دیکھا ہے آتے خانۂ خمار سے

کفر و دیں کے قید سے مطلب نہیں عشاق کو
رہتے ہیں آزاد ہردم سبحہ و زنار سے

مہوشوں کو دیکھے دل ہو وصل یہ ممکن نہیں
ہے درختِ آرزو محروم برگ و بار سے

شاید اب صیاد کا دستِ تعدی بڑھ گیا
بلبلیں اُڑنے لگیں حسرت زدہ گلزار سے

دیکھکر غافل ہمیں کیوں چپکے اُٹھ کر چل دیئے
ہم تو لائے تھے یہاں اُنکو بڑے اصرار سے

سیرِ گلشن میں ہمارے ساتھ اُنھیں آتی ہے شرم
جب سے آنکھیں لڑ گئی ہیں نرگسِ بیمار سے

صاعقہ بن بن کے گر جاتے ہیں سُکّانِ فلک
ٹھوکریں کھا کھا کے میری آہِ آتشبار سے

کمسنی کیا چیز ہے کچھ بھی خبر اُن کو نہیں
رال ٹپکی پڑتی ہے شیرینیِ گفتار سے

آسیا کی طرح مجھ کو پیستا ہے رات دن
اس نے سیکھا ہے چلن کچھ چرخ کجرفتار سے

ہوں وہ رشکِ کوہکن سر پھوڑنا چاہوں اگر
خون کے فوارے چھوٹیں دامنِ کہسار سے

اپنے مجنوں میں کیونکر ہیں نہ ہوتا سرفراز
خلعتِ وحشت ملا ہے عشق کی سرکار سے

پلٹنیں مژگاں کی صف باندھے ہوئیں تیار ہیں
اے خدا دل کو بچانا لشکرِ جرّار سے

ظاہری بخیا سے میرے چاکِ دل کو واسطا
چاہیئے کرنا رفو اس کو کرم کی تار سے

کیا شبِ فرقت میں تھا اختر شماری کا مزا
کوئی پوچھے آکے میرے دیدۂ بیدار سے

بادۂ شعر و سخن کی چھائی ہیں کیا مستیاں
رات دن اب قلیسؔ بھی رہنے لگے سرشار سے

مرے دل دینے پر ناصح کی یہ تکرار کیا معنی
مرے کوئی کسی پر ہو کوئی بیزار کیا معنی

رہے باقی تمھاری آن اے دلدار کیا معنی
مجھے افسردہ دیکھو پھر نہ آئے پیار کیا معنی

بڑے جلاد بنکر تم تو اپنے گھر سے نکلے ہو
ہمارے قتل پر اُٹھّے مگر تلوار کیا معنی

غزل پڑھنے کے حیلے سے میں اپنا حال کہتا ہوں
بھلا اُن کو پسند آئیں مرے اشعار کیا معنی

یہ کیا عادت ہے تم اک بات پر قایم نہیں رہتے
ابھی تھا وصل کا اقرار ابھی انکار کیا معنی

ہم اپنا دل نہیں دینگے تمھارا کچھ اجارا ہے
عبث بے فائدہ ناحق فضول اصرار کیا معنی

اسے تم وصف سمجھے تو غلط سمجھے بُرا سمجھے
کسی کی دل لگی پر روٹھنا ہر بار کیا معنی

مرا دل لے لیا تو نے تو بہتر مال تیرا تھا
مگر سب سے یہ لپ جھپ اے بتِ طرّار کیا معنی

چلے تو ناز سے پھر دیکھنے والے رہیں سالم
نہ کچھ فتنے جگائے یہ تری رفتار کیا معنی

ترے گھر تو خدا رکھے خوشی کی خوب جلسے ہوں
کھڑے رویا کریں ہم یوں پسِ دیوار کیا معنی

نہ اٹکی ہو کسی سے آنکھ تو چہرے کی زردی کیا
کوئی دل میں نہ ہو تو پھر گریباں تار کیا معنی

کہو تو سب کی نظروں سے چھپا کر تم کو لیجائیں
رہیں ہم ساتھ جب بھی دیکھ لیں اغیار کیا معنی

پھنسا کر اپنی الفت میں جی چاہے وہ کر اے بت
نہیں تو رنج ہو میرے گلے کا ہار کیا معنی

خدا کی شان ہے بالکل سمجھ ہی میں نہیں آتا
ترا کلما پڑھیں سب کافر و دیندار کیا معنی

تمھیں سوچو ذرا دل میں کہ جھوٹے دم دلاسوں سے
شفا پا جائے تجھ سا عاشقِ بیمار کیا معنی

جو چاہو قتل ہی کرنا تو بسم اللہ حاضر ہوں
ڈرانے کو یہ ناحق تیغ کی جھنکار کیا معنی

پڑے سسکا کریں ہم تو ترے کوچے میں او ظالم
گریں کٹ کٹ کے سر ہر روز یوں دو چار کیا معنی

تمھارے ایک ہی بوسے سے ہی میں بدمست ہو جاؤں
بنا دو ایک چلو میں مجھے سرشار کیا معنی

اگر دھوکا نہ کھا جاؤ تو ہم کچھ شرط بدتے ہیں
تمھیں چکما دے کوئی تم رہو ہشیار کیا معنی

بتا اے قیس مجھ کو کیا یہی پاسِ حمیت ہو
ہر اک سے دل لگانا یوں سرِ بازار کیا معنی

رہ گیا یوں ہی اگر عشق کا آزار مجھے
مار ڈالے گی تری حسرت دیدار مجھے

کس کی چالوں نے کیا جان سے بیزار مجھے
لے اڑی سوے عدم کونسی رفتار مجھے

دل شکستہ ہوں جگر چور طبیعت پُر غم
دیں جگہ آنکھوں میں کس طرح خریدار مجھے

جان جانے کے ہیں ساماں خدا خیر کرے
ناوکِ ناز دکھاتے ہیں وہ ہر بار مجھے

روز اک طرز ستم کرتے ہیں ایجاد نئی
جان کر دام محبت میں گرفتار مجھے

نقد دل دیکے ہیں سودائے محبت لے لوں
کوئی معشوق جو مل جائے طرحدار مجھے

پاک طینت ہوں نہیں زہد ریائی سے غرض
بے خطا سمجھے کوئی خواہ خطاوار مجھے

عمر بھر کے لیئے قسمت میں لکھی ہے گردش
چین سے رہنے دے کیوں طلب یار مجھے

لے لیئے بیخودیِ شوق میں بوسے لب کے
کر دیا جوشش الفت نے گنہگار مجھے

ہو وفا یا نہ ہو امید بندھی رہنے دو
جھوٹ سچ کچھ تو دیئے جاؤ تم اقرار مجھے

مشغلے جامہ دری کے ہیں یہاں گھر بیٹھے
لوگ کیا ڈھونڈتے ہیں جانب کہسار مجھے

دوڑ کر جھٹ خم ابرو کی بلائیں لے لیں
وہ ڈراتے ہی رہے کھینچ کے تلوار مجھے

آکے بیٹھا ہوں سر بزم ترے پہلو میں
کیوں نہ گھوریں نگہ رشک سے اغیار مجھے

شرم عصیاں سے اب آنکھیں نہیں اوپر اٹھتیں
ڈھانک لے آکے تو اے رحمت غفار مجھے

صبر میں سہل جسے سمجھے ہوا تھا اے قیس
ہو گیا اپنے سر آتے ہی وہ دشوار مجھے

چاہتے ہیں توڑنا دل پند بے تاثیر سے
لڑ رہے ہیں ناصحِ مشفق مری تقدیر سے

پیچ گیسو کے نہ کھولو عاشقِ دلگیر سے
اپنے دیوانے کو تم باندھے رہو زنجیر سے

چل رہی ہیں ابروِ پرخم کی چھریاں حلق پر
موئے مژگاں کھب رہے ہیں میرے دل میں تیر سے

کیا ہوا قاصد کو یارب وہ کہاں مر کھپ گیا
جا رہی ہے میری جاں اس بے محل تاخیر سے

ہو گئے مجھ سے مخاطب غیر کے دھوکے میں وہ
جب بدل کر بھیس میں پہنچا کسی تدبیر سے

شمع رویوں کی محبت کا نتیجا دیکھئے
جل مرے پروانے ہیں سرگوشیاں گلگیر سے

لکھتے لکھتے حال دل مضمون اُلجھ کر رہ گیا ॥ کھل پڑی سب بیخودی بگڑی ہوئی تحریر سے

ابروؤں میں ڈال کر بل مجھ سے برہم کیوں ہوئے ॥ رشتۂ الفت نہ کاٹو تم دمِ شمشیر سے

کیا چھپائے چھپتی اے ظالم محبت غیر کی ॥ پا گئے سب راز ہم اُلجھی ہوئی تقریر سے

کر دیا روشن مرا دل عکس روئے یار نے ॥ چاندنی اس گھر میں چھٹکی حُسن کی تنویر سے

تشنگانِ آبِ خنجر سب تڑپ کر جی اُٹھے ॥ قُم باذنی کی صدا پیدا ہوئی تکبیر سے

ہنس پڑے زخمِ جگر مُنہ چوم کر سوفار کا ॥ جب قضا آئی گلے ملنے ترے نخچیر سے

اُس فسونگر سے مرا دل کاش لا دیتا کوئی ॥ سحر سے - جادو سے - منتر سے - فنِ تسخیر سے

خاکساری وجہِ رفعت ہے بشر کے واسطے ॥ کام لینا ہو تو لے انسان اسی اکسیر سے

پاتے بے فہموں سے کیا اے قیسؔ ہم دادِ سخن ॥ شورِ تحسیں کب ہوا ظاہر لبِ تصویر سے

اسی شوخی سے کھنچنے کی جو کچھ تدبیر ہو جاتی ॥ تری ہر بیت ابرو حُسن کی تصویر ہو جاتی

اگر تھوڑی بہت اُس کی صفت تحریر ہو جاتی ॥ ہماری نغمہ سنجی باعثِ تشہیر ہو جاتی

حیاتِ جاوداں لیتے تمھارے تیز خنجر سے ॥ صدائے قُم باذنی ذبح کی تکبیر ہو جاتی

عیادت کے لیے تیرا نہ آنا ہی مناسب تھا ॥ نصیبِ دشمناں اک فکر دامنگیر ہو جاتی

کہاں تک رازِ الفت ہم چھپاتے بات کرنی تھی ॥ بیانِ حال دل اُلجھی ہوئی تقریر ہو جاتی

جگر تھامے ہوئے ہاتھوں سے وہ باہر نکل آتی ॥ کبھی آہِ رسا میری جو پُر تاثیر ہو جاتی

متاعِ نقدِ دل لے کر چلا ہوں نذر دینے کو ॥ وہ کر لیتے قبول اس کو تو کچھ توقیر ہو جاتی

کیا تھا وار تو نے اے ستمگر کس بھروسے پر
ابھی تو ٹکڑے ٹکڑے ٹوٹ کر شمشیر ہو جاتی

اگر ہم دل چھڑاتے قید سے چاہِ زنخداں کی
تری زلفِ مسلسل پاؤں کی زنجیر ہو جاتی

نظر آئی تھی مجھ کو نیند میں اک چاند سی صورت
تم آجاتے تو خاصی خواب کی تعبیر ہو جاتی

دکھا دیتے تماشا تم کو اپنی یاس و حسرت کا
ذرا بھی قتل کرنے میں اگر تاخیر ہو جاتی

کیا صبر اے فلک ورنہ تجھے برباد کرنے کو
مری فریاد و رنج و غم بلا کا تیر ہو جاتی

اُڑا کر اے صبا تو کیوں نہ لائی صحنِ گلشن سے
کہ اُس کی خاک پا میرے لیئے اکسیر ہو جاتی

مدد ملتی مجھے روح القدس سے فکرِ معنی میں
تو اقلیمِ سخن میں کچھ مری جاگیر ہو جاتی

کسی شب بے حجابانہ وہ آجاتے جو کوٹھے پر
قمر کی شکل بھی غیرت سے بے تنویر ہو جاتی

نہ باقی رہنے پاتی وصل سے انکار کی صورت
اگر سیدھی کسی دن قیس کی تقدیر ہو جاتی

کب کدھر آپ کی نظر نہ ہوئی
ہاں مگر میرے حال پر نہ ہوئی

طے رہِ عشق عمر بھر نہ ہوئی
ہم ہوئے ختم وہ مگر نہ ہوئی

نخلِ الفت کو سو طرح سینچا
شاخِ اُمید بار ور نہ ہوئی

اُن کے وزدِ نگاہ کے صدقے
لے لیا دل مجھے خبر نہ ہوئی

خیر گزری کہ رہ گیا پردا
راز کی بات اِدھر اُدھر نہ ہوئی

کس کا غصہ کدھر نہیں نکلا
کس کی آئی ہمارے سر نہ ہوئی

نیم بسمل وہ مجھ کو چھوڑ چلے
یہ قیامت ہوئی سحر نہ ہوئی

آتشِ غم ہمیشہ تیز رہی
کم کبھی سوزشِ جگر نہ ہوئی

کس کو تم نے لہو نہ رُلوایا
خوں فشاں کس کی چشمِ تر نہ ہوئی

وہ رہے محوِ جشن غیروں میں
یہ خوشی ہائے میرے گھر نہ ہوئی

رنجِ فرقت سے موت بہتر تھی
روح کیوں مائلِ سفر نہ ہوئی

اس سے ملنے کی لاکھ فکریں کیں
ایک بھی اُن میں کارگر نہ ہوئی

حال میرا اُسے سُناتا کون
آہ تک جب پیامبر نہ ہوئی

سربکف میں تو سامنے ہی تھا
کیوں نگاہِ کرم اِدھر نہ ہوئی

گھر سے وہ چل چکے تھے ملنے کو
میری قسمت ہی راہبر نہ ہوئی

ہجر کا ڈر کبھی فراق کا غم
چین سے زندگی بسر نہ ہوئی

وعدہ کرتے تو ہو قیامت کا
وہ بھی تقدیر سے اگر نہ ہوئی

آپ کے آنے کی توقع پر
آنکھ کب فرشِ رہگزر نہ ہوئی

قیسؔ چیخا کیا شبِ فرقت
کوئی فریاد باثر نہ ہوئی

دینے کو تو ہم دیدیں ابھی دل بھی جگر بھی
کیا اس کی توقع ہے کہ تم لوگے خبر بھی

آنکھوں میں حیا جی میں ہے اغیار کا ڈر بھی
درپردہ وہ چھُپ چھُپ کے لڑاتے ہیں نظر بھی

ہم ڈھونڈتے پھرتے تھے خریدارِ محبت
قسمت کی رسائی ہے کہ آنکلے ادھر بھی

دیکھے کوئی فیضِ رخِ پُر نور کسی کا
خورشید بھی شرمندۂ احساں ہے قمر بھی

جھگڑوں میں تو سب رات بسر ہو ہی چکی ہے
لو دیکھو ہوا چاک گریبان سحر بھی

کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو کہتے ہیں وہ ہنسکر
اس کی مجھے پروا نہیں چل دور ہو مر بھی

کیوں مجھ کو دکھاتے نہیں ہاتھوں کی صفائی
دونوں ہی تو موجود ہیں تلوار بھی سر بھی

کچھ جن و ملک ہی نہیں مصروف عبادت
تسبیح میں سرگرم شجر بھی ہیں حجر بھی

بل دیدیکے زلفوں کو عبث دیتے ہو جھٹکے
ایسا نہ ہو دھوکے میں لچک جائے کمر بھی

حوروں میں جو ہو حور تو پریوں میں پری ہو
انسانوں میں تم سا ہے کوئی اور بشر بھی

اے قاصد انھیں ہجر کا افسانہ سُناکر
چہرے سے کیا تو نے کچھ انداز اثر بھی

کس شکل سے ہیں آہ جگرسوز کو روکوں
بھڑکیں گے جو شعلے تو اڑیں گے شرر بھی

دل عرش سے رکھتا ہے مساوات کی نسبت
ہے ایک تجلی جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی

ہر شب ہے شبِ ماہ عدو ہی کیلئے کیوں
یارب کبھی یہ چاندنی چھٹکے مرے گھر بھی

اک دل ہی فقط مائل فریاد نہیں ہے
آمادۂ گریہ ہیں مرے دیدۂ تر بھی

گلزار محبت کو خدا رکھے سلامت
چلتے ہیں تو ہم پھول بھی توڑینگے ثمر بھی

تم لاکھ چھپو ہم سے مگر چھپ نہیں سکتے
پہنچے گی نظر پھاند کے دیوار بھی در بھی

سمجھے تھے شبِ وصل موذن ہی کو دشمن
اب جان کے لاگو ہوئے مرغان سحر بھی

اللہ رے فرقت میں جو میرا دل غمگیں
رہنے دے ذرا چین سے دو چار پہر بھی

مقتل میں نہ معلوم کسے ڈھونڈ رہے ہو
اک لاش تڑپتی ہے سرِ راہ گزر بھی

آسان کر اے بار خدا قیس کی مشکل
فکریں بھی ہیں گھیرے ہوئے درپیش سفر بھی

کیوں نہ خیرہ ہوں نگاہیں نرگسِ بیمار کی
ہے جھلک ہر برگ گل میں حسنِ روئے یار کی

ذبح کرنے کو مرے حاجت نہیں تلوار کی
حلق پر چلتی ہیں چھریاں ابروِ خمدار کی

دے رہی ہیں غیر کے گھر چھپ کے جانے کا پتا
نکہتیں پھیلی ہوئیں تیرے گلے کے ہار کی

چھلنی چھلنی کر دیا دل کو نگاہِ ناز نے
خون تھکوائے گی اب سرخی لبِ سوفار کی

جسکے دن ہوں جسکی راتیں واہ رے اسکا نصیب
کھایئے قسمیں عدو کے طالعِ بیدار کی

دیکھنے ہی کے بہانے سے چلے آتے کبھی
کیا نہ تھی تم پر عیادت فرض مجھ بیمار کی

شب جو واعظ نے نکالی ترکِ مے کی گفتگو
بات بڑھتے بڑھتے نوبت آ گئی تکرار کی

ہوں وہ سرمستِ ازل آیا جو بزمِ دہر میں
سب سے پہلے راہ پوچھی خانۂ خمار کی

اے ستمگر سچ بتا یہ بھی کوئی انصاف ہے
قہر کی مجھ پر نظر غیروں سے باتیں پیار کی

نقدِ جاں دیکر متاعِ عشق کا سودا لیا
ہے مرے ہی دم سے گرمی حسن کے بازار کی

کھینچ لائی ہے یہانتک جوششِ دیوانگی
ورنہ کب مرغوب مجھ کو سیر تھی کہسار کی

تھا مسِ خام اک نظر نے مجھ کو کندن کر دیا
کیمیا تاثیر ہے صحبت ترے میخوار کی

خوف مرنے کا نہیں لیکن ہے اتنی آرزو
ہو میسّر مجھ کو مٹی کوچۂ دلدار کی

کر کے بیخود ہوش میں لانا کبھی ممکن نہیں
پھونک دے گی مجھ کو تابش آتشِ رخسار کی

بختِ برگشتہ کسی دن بھی نہ آیا راہ پر
مرتے دم تک دل میں حسرت رہ گئی دیدار کی

ہو چکا مجھ کو ترے ایفائے وعدہ کا یقیں
رکھتی ہے انکار کا پہلو ادا اقرار کی

بیخودیِ عشق میں ترکِ ادب کو کیا کہوں
ناصحِ مشفق نے مجھ سے چھیڑ ہی بیکار کی

ہو رہا تھا کل سرِ منبر جہاں ذکرِ شراب — تھی وہ مسجد یا کوئی دکّان تھی خمار کی

قیس کو سب سے الگ محفل میں بیٹھا دیکھکر
دل کیے دیتی ہیں چھلنی چشمکیں اغیار کی

جو یکدانہ گوہر ہے وہ دل یہی ہے — تجھے نذر دینے کے قابل یہی ہے
سرِ خاک میں نے تڑپ کر دکھایا — ترا کشتۂ نیم بسمل یہی ہے
نہ پھر دشت و کہسار میں شکل مجنوں — سمجھ دل کو لیلےٰ کا محمل یہی ہے
بتاؤ تمھیں کس طرح میں جیونگا — اگر صحبتِ غیر و محفل یہی ہے
اشارے سے محشر میں تجھ کو دکھا کر — کہونگا میں خالق سے قاتل یہی ہے
لحد میں لٹا کر کہا بیکسی نے — ترے کوچ کی پہلی منزل یہی ہے
تڑپتا مجھے اپنے کوچے میں پا کر — یہ گھبرا کے پوچھا کہ بسمل یہی ہے
کوئی صورتِ وصل کیونکر نکالوں — کبھی جو نہو حل وہ مشکل یہی ہے
نجا کوچۂ زلفِ جاناں سے باہر — مری آرزو سُن لے اے دل یہی ہے
نگاہِ کرم سے ادھر دیکھتا جا — کہ ترچھی نگاہونکا بسمل یہی ہے
جو ہے شعلہ رو زیبِ آغوشِ عاشق — چراغِ جہاں ماہ کامل یہی ہے
گرا جب سے دل اُس کے چاہِ ذقن میں — سمجھتا ہوں میں چاہِ بابل یہی ہے
جسے ہجر کہتا ہے سارا زمانا — رہِ عشق کی سخت منزل یہی ہے
مرے صبر کا حال مجنوں نے سنکر — کہا عشق میں مرد کامل یہی ہے

کرونگا میں آباد کوہ و بیاباں
اگر آج کل وحشتِ دل یہی ہے

جسے مدتوں تم نے اے قیس ڈھونڈا
وہ رشکِ بتاں شمع محفل یہی ہے

گرم اُس رشکِ گل کی محفل ہے
ہر طرف نغمۂ عنادل ہے

خون کی پھلجھڑی سرِ مقتل
تار تارِ گلوے بسمل ہے

اس طرح اس کو پائمال نہ کر
لاکھ میں یہ اک دل ہے

مر چکیں گے عدو تو آؤ گے
کیا سراسر خیال باطل ہے

قبر تاریک نام ہے جس کا
عاشقوں کی وہ پہلی منزل ہے

خانۂ دل نہ کیوں ہو شیش محل
جاگزیں اک پری شمائل ہے

بحرِ غم سے نجات کب ہوگی
میں بھنور میں ہوں دور ساحل ہے

چھپ کے بیٹھا ہے کوئی پردہ نشیں
دل سمجھتے ہیں جس کو محمل ہے

ضبط فریاد تیری فرقت میں
سخت مشکل ہے سخت مشکل ہے

خود وہ شیدا ہیں اپنی صورت کے
رات دن آئینا مقابل ہے

ختم مجھ پر ہوئی وفاداری
سرفروشی دلیل کامل ہے

ہو نہ ہو کوئی سرخ رو ہوگا
آج خنجر بکف وہ قاتل ہے

میں ہوں دیوانہ چشم میگوں کا
لطف کیفِ شراب حاصل ہے

عشق بازی میں جان ہار گئے
ساری دنیا ہماری قائل ہے

وہ گھر اپنا خراب کرتے ہیں
یہ سمجھکر کہ قیس کا دل ہے

تو غلط سمجھا ہے لیلیٰ کو کہ وہ محمل میں ہے
جو تری لیلیٰ ہے اے مجنوں وہ تیرے دل میں ہے

درد ہے غم ہے الم ہے داغ حسرت دل میں ہے
دیکھ تیرا عاشقِ بیمار کس مشکل میں ہے

مضطرب کیوں خنجرِ قاتل کفِ قاتل میں ہے
کیا تڑپ اس میں وہی ہے جو تڑپ بسمل میں ہے

ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر تم آپ ہی دیکھ لو
کس قیامت کی تپش سوزِ دلِ بسمل میں ہے

ڈر مجھے اُس بے وفا کا ہے اسے اغیار کا
میں جو اُس مشکل میں ہوں تو وہ بھی اِس مشکل میں ہے

مدعا تو ایک ہی ہے طالب و مطلوب کا
فرق کہنے کو ہمارے یا تمھارے دل میں ہے

ہو رہی ہے دونوں جانب سے محبت کی کشش
فاصلا تھوڑا ہی باقی میرے اُنکے دل میں ہے

جمع ہیں سب لوگ مجھ کو یوں تڑپتا دیکھکر
اک تماشا رقصِ بسمل کا تری محفل میں ہے

شمع کے آنسو بہے پروانے جل جل کر بجھے
بن سنور کر یار کا آنا غضب محفل میں ہے

ہم ہوں یا وہ دونوں ہیں شمع و چراغِ انجمن
سوز کی مجلس میں ہم وہ جشن کی محفل میں ہے

دل لگاتے ہی ہوئے ہم موردِ صد رنج و غم
یہ ستم اللہ اکبر پہلی ہی منزل میں ہے

چار دیوار عناصر پھاند کر نکلے تو پھر
طے عدم کا راستا صرف ایک ہی منزل میں ہے

کیا لگی ہے آب شمشیرِ شہادت کی سبیل
بھیڑ پیاسوں کی جو یارب کوچۂ قاتل میں ہے

آج پھیلایا ہے میں نے دامنِ سیلِ سرشک
راز میری کامیابی کا لبِ ساحل میں ہے

قتل کرنے کو تو وہ نکلا ہے خنجر کھینچکر
یا الٰہی زور بھی کچھ بازوِ قاتل میں ہے

گو تمہاری بات کا ہوتا نہیں ہم کو یقیں
کچھ نہ کچھ تسکین پھر بھی وعدۂ باطل میں ہے

دل میں تم گردن جھکا کر دیکھ لیتے کیوں نہیں
قیس سرگرداں ہو کیوں لیلیٰ اسی محمل میں ہے

دل لے کے مرے پاس سے ٹل کیوں نہیں جاتی
معشوق ہو تم آنکھ بدل کیوں نہیں جاتے

یہ چال حسینوں کی ہے چل کیوں نہیں جاتے
پہلو میں ہے کلیجے کو مسل کیوں نہیں جاتے

وعدے ہیں قیامت کے پھر اس پر یہ ستم ہے
مرتا ہوں تو کہتے ہیں سنبھل کیوں نہیں جاتے

ہاتھ آئی ہے مشکل سے مجھے وصل کی دولت
جلد اے مرے ارمان نکل کیوں نہیں جاتے

فردوس ہے دل آنکھیں ہیں تسنیم کی نہریں
اس باغ میں تم آ کے ٹہل کیوں نہیں جاتے

وہ دل کی لگی آگ تو بجھنے ہی نہ دیں گے
پھر ہم بھی اسی آنچ میں جل کیوں نہیں جاتے

فرماتے ہیں سن کر وہ غم ہجر کے صدمے
تصویر خیالی سے بہل کیوں نہیں جاتے

آئے ہو ابھی آتے ہی جانے کی سنائی
کیا آج ہی کچھ فرض ہے کل کیوں نہیں جاتے

کیوں آنکھوں سے مطلب کے اشارے نہیں ہوتے
دو جام مئے ناب کے ڈھل کیوں نہیں جاتے

ہر بات میں آنکھیں نہ دکھایا کرو مجھ کو
ہاں شیر کوئی ہو تو نکل کیوں نہیں جاتے

پہنچی نظر یار مرے قلب و جگر تک
دو ہاتھ خوشی سے یہ اچھل کیوں نہیں جاتے

مانا کہ ہے دل سوز مری شعلہ بیانی
تم موم کی مورت ہو پگھل کیوں نہیں جاتے

کیا کیا نہ ہمیں سوز محبت نے جلایا
الفت کی یہ تاثیر ہے گل کیوں نہیں جاتے

شعروں میں حسینوں ہی کے اوصاف لکھے ہیں
جلسوں میں یہ پڑھ دینے سے پھل کیوں نہیں جاتے

تھمتے ہی نہیں دیدۂ غمناک آنسو
لبریز یہ چشمے ہیں اُبل کیوں نہیں جاتے

چہرے کی صفائی جو یہی ہے تو بتاؤ
نظروں کی طرح ہم بھی پھسل کیوں نہیں جاتے

بے فائدہ اس وعدۂ فردا کا نتیجا
دیکر مجھے پیغام اجل کیوں نہیں جاتے

اُلجھن کا سبب تم کو بتا دینگے کسی دن
یہ تم تو کہو زلفوں کے بل کیوں نہیں جاتے

رخسار کے تل کا رہوں دیوانہ میں کبتک
سر سے اثرِ دورِ زُحل کیوں نہیں جاتے

ہے اس کی طلب سچی تو اے حضرت زاہد
میرے سرِ شوریدہ کے کھل کیوں نہیں جاتے

عاشق کی یہ تربت ہے کوئی کھیل نہیں ہے
غم ہے کفِ افسوس وہ مل کیوں نہیں جاتے

غصّا ہے تو کس دن کے لیئے رکھے ہو خنجر
دل کھول کے سب زہر اُگل کیوں نہیں جاتے

اے جان مری یاد کی صورت تو نکلتی
گانے کو یہی لے کے غزل کیوں نہیں جاتے

بیٹھے ہیں وہ اِس دُھن میں کہ دل لیکے اُٹھینگے
اے قیس ذرا تم بھی مچل کیوں نہیں جاتے

مشکل ہے عرضِ حال میں خوفِ ملال ہے
چپکا اگر رہوں میں تو جینا محال ہے

لحظہ بلحظہ غم سے عجب غیر حال ہے
لب خشک رنگ زرد طبیعت نڈھال ہے

فریاد کرکے حشر میں اُن کو خجل کروں
شرطِ وفا ادا نہ کروں یہ مجال ہے

شرمندہ کس لیئے ہو دکھا کر عدم کی راہ
چہرے پر آج کیوں عرقِ انفعال ہے

مشتاق دید ہوں مجھے جلوا دکھایئے
للہ رد نہ کیجیئے پہلا سوال ہے

تیغِ نگاہ ناز سے ٹکڑے ہوا جگر
رفتار فتنہ خیز سے دل پائمال ہے

اے جوش بیخودی تو کدھر لے چلا مجھے
رسوا کہیں نہ ہو کوئی اس کا خیال ہے

چہرا ہے چاند ابروِ باریک موجِ حسن
ہر ناخنِ بریدہ تمھارا ہلال ہے

اپنے ہی جی میں سوچ نہ لوں میں بتاؤں کیا
جو دل میں جاگزیں ہے وہ کس کا جمال ہے

جب تک نہ وصل تھا تو رہی وصل کی ہوس
حاصل ہوا جو وصل تو فکرِ مآل ہے

پہلو میں دل ہے دل میں ہیں ارمان سیکڑوں
اس دل کو کیا کروں کہ یہ دل ہی وبال ہے

شوقِ وصال سنکے کہا مرتے کیوں نہیں
کہتے ہیں جس کو موت وہی تو وصال ہے

حد ادب سے بڑھ کے تو اپنا قدم نہ رکھ
اے قیسؔ دیکھ مجمع اہلِ کمال ہے

انجم افشاں کی چمک گیسوئے پرخم میں رہے
عالمِ نورِ قمر سایۂ محرم میں رہے

نیشِ عقرب جو ترے ابروئے پرخم میں رہے
زہر اثر ور عرقِ گیسوِ برہم میں رہے

تیری فرقت میں شبِ غم نئے عالم میں رہے
دور ساغر کے عوض حلقۂ ماتم میں رہے

کوئی جنت میں رہے کوئی جہنم میں رہے
ہم تو گھر بیٹھے ہوئے سیرِ دو عالم میں رہے

ایک دن بھی تو ذرا وصل سے دل شاد ہوئیں
ایک شب بھی تو بھلا غیر ترے غم میں رہے

طور کی سیر تو خلوت ہی میں حاصل ہو مجھے
جلوۂ یار اگر خاطرِ پرغم میں رہے

دیکھ اے جوششِ گریہ نہ ہو میری خفت
عالمِ سیلِ رواں دیدۂ پرنم میں رہے

وصل میں خوف جدائی تو جدائی میں قلق
عمر بھر گردشِ قسمت سے ہم اک غم میں رہے

برسوں دیکھا کئے لطفِ عرقِ روئے بتاں
مدتوں سیرِ بہارِ گل و شبنم میں رہے

خوب لوٹا کئے ہم وصل میں جنت کے مزے
آتشِ رشک سے اغیار جہنم میں رہے

سرعتِ نبض ہمارے لیئے تھی شاہد حال
سوز فرقت سے گرفتار تبِ غم میں رہے

کیا تجھے حال شبِ ہجر سناؤں اے یار
کبھی گریاں کبھی نالاں کبھی ماتم میں رہے

سو کمالوں سے یہ بڑھ کر ہے سن اے طفل سرشک
راز پوشیدہ اگر خاطر محرم میں رہے

کس طرح موت ترے ہجر میں آتی ہم تک
ہم تو محصور الم تیری شبِ غم میں رہے

صحتِ زخم جگر سے تھی ہمیں یاس تو پھر
کیا یہ بے سود نہ تھا کوششِ مرہم میں رہے

رنج سے ہم کو پسِ مرگ بھی راحت نہ ملی
زیر مدفن بھی غمِ خلوتِ ہمدم میں رہے

میری آغوش میں رہ کر نہ کرو یاد رقیب
کیا مزا وصل کا اے یار جو تم غم میں رہے

دیکھو واژونیِ قسمت کہ شبِ وصل بھی وہ
تھے مرے گھر میں مگر غیر کے ماتم میں رہے

ہمصفیروں کی زیارت ہمیں ہوتی کیونکر
قیدیِ کنج قفس لطف کے موسم میں رہے

اپنی فرقت میں تم اے یار سمجھنا ہم کو
خلد میں بھی جو رہے ہم تو جہنم میں رہے

وصل میں بھی نہ دلِ زار کی حسرت نکلی
تا دمِ صبح ہم اے جان ترے دم میں رہے

ایزدِ پاک نے کیا کیا انھیں عزت بخشی
جس سے جنات بھی رشکِ بنی آدم میں رہے

مرگ دشمن سے بھی مجھکو نہ ہوا عیش نصیب
رات دن وہ اسی کمبخت کے ماتم میں رہے

چھوڑ کر یادِ خدا ہائے ہماری شامت
رات دن فکر حصولِ زر و درہم میں رہے

ہمنے پوچھا کہ جدائی میں کہو کیا گزری
مسکرا کر یہ کہا قیس کے ماتم میں رہے

فیضِ ازل سے لطف کچھ ایسا سخن میں ہے — شہرا مرے کلام کا ہر انجمن میں ہے

زلفوں میں رُخ نہیں ہے یہ سورج گہن میں ہے — غربت کی شام رونقِ صبحِ وطن میں ہے

چھل بل جو اُس سمند بتِ سیمتن میں ہے — عشرِ عشیر بھی نہیں اُس کا ہرن میں ہے

دنیا سے میں چلا ہوں پشیمان و منفعل — لپٹا اسی سبب سے مرا مُنہ کفن میں ہے

نزہت فزائے گلشن ایجاد ہے وہ گل — مانند اس کے کوئی کہاں اس چمن میں ہے

میٹھی چھُری سے یار نے گھائل کیا ہمیں — خنداں ہر ایک زخم ہمارے بدن میں ہے

تیری شعاعِ رخ سے منور ہے آفتاب — جلوا شمیم زلف کا مشکِ ختن میں ہے

الفت میں مہوشوں کی لٹے دن دھاڑے ہم — افسوس دل کشاکشِ رنج و محن میں ہے

ڈورے رگوں کے میرے بدن پر نہیں نمود — جکڑا ہوا یہ عشق کے تارِ رسن میں ہے

مرنے کے بعد بھی تو ہیں بیتابیاں وہی — مضطر ہماری لاش مزارِ کہن میں ہے

ابتک کسی سے حل یہ معمّا نہ ہو سکا — حیران فلسفی بھی وجودِ دہن میں ہے

ٹپکے جو اشک آنکھوں سے دامن میں آ رہے — یہ راز تیری بزم کی شمع ولگن میں ہے

جو میرے آگے صورتِ اصلی میں ہے عیاں — بُت بن کے کیوں مقیم دلِ برہمن میں ہے

ہونٹھوں کی سرخی اور یہ دانتوں کی آب و تاب — درِّ عدن میں ہے نہ عقیقِ یمن میں ہے

سینے میں شعلۂ غمِ فرقت ہے مشتعل — داغِ جگر کی چاندنی بیت الحزن میں ہے

دو ایک گھونٹ مجھ کو بھی شاید نصیب ہو — جامِ شہادت آج کفِ تیغزن میں ہے

گھاتیں ہیں دلربائیوں کی بات بات میں — یکتائے روزگار وہ بت اپنے فن میں ہے

آئی ہے یاد ساقی بادہ پرست کی
بوئے کباب اسلیئے دل کی جلن میں ہے

اے دل نہ نکلے گی کوئی حسرت تو دیکھنا
ناحق فریب وعدۂ پیمان شکن میں ہے

مجھ کو یقین ہے کہ جہنم میں بھی نہیں
شعلا جو میرے نالۂ آتش فگن میں ہے

گلزار رُخ سے تیرے ہی پھیلی ہے چارسو
وہ بوئے جانفزا جو گلِ یاسمن میں ہے

بوسے لیئے جو ہم نے تو بس آنکھیں کھل گئیں
فرحت غضب کی شربتِ سیبِ ذقن میں ہے

تھا ناز پہلے قیس کو جس دل پر آج وہ
صد چاک عشق دلبر گل پیرہن میں ہے

محوِ خرام ناز جو وہ گل چمن میں ہے
جوشِ ترانہ بلبل غنچہ دہن میں ہے

رُخ پُر نمود خط سے خلل بانکپن میں ہے
چہرا تو چاند سا ہے مگر اب گہن میں ہے

کس طرح کر رہی ہے معطر مشام روح
یہ بھینی بھینی بو جو ترے پیرہن میں ہے

میں مر گیا مگر اُسے آتا نہیں یقیں
کہتا ہے دم چرائے ہوئے یہ کفن میں ہے

اے غیرتِ غزال تری زلف کی مہک
موجِ ہوائے نافۂ مشکِ ختن میں ہے

پھولوں سے کس نے باس دیا ہی شبِ وصال
خوشبو جو اس قدر عرقِ سیمتن میں ہے

صد حیف مر کے بھی ہوں میں وجہ ترددات
فکرِ لحد میں ہے کوئی فکرِ کفن میں ہے

پیکاں کی طرح آکے کلیجے میں چبھ گئی
ایسی نگاہ دیدۂ ناوک فگن میں ہے

وہ کاش میرے رونے پر اتنا ہی پوچھتا
گریاں بشکل شمع تو کیوں انجمن میں ہے

زلفیں ہٹیں جو رُخ سے تو اک نور چھا گیا
خورشید کی چمک ترے کالے کے من میں ہے

صحرا نوردیوں ہی میں راحت رہی مجھے
غربت کی سختیوں سے فزوں غم وطن میں ہے

دندان یار پر جو ہے عکس مسی عیاں
نیلم کی آب دیکھیئے دُرِّ عدن میں ہے

دیر و حرم میں صورت آوارہ کیوں پھروں
مطلب ہے جس سے وہ دل و جان کی رہن میں ہے

مجھ کو نبات و قند کی خواہش نہیں ہے اب
لذت کچھ ایسی دردِ دلِ پُر محن میں ہے

گھیرے ہوئے ہے سبزۂ بیگانہ کیوں اسے
آبِ حیات کیا ترے چاہِ ذقن میں ہے

خورشید حشر کو بھی نہ ہوگی کبھی نصیب
سوزش جو آج کل مرے دل کی جلن میں ہے

پامال گردشوں سے دمِ رقص میں ہوا
پیرِ فلک کی طرز تمھارے چلن میں ہے

لاکھوں بناوٹیں ہیں مگر پھر بھی کچھ نہیں
آفت کی سادگی ترے اس بانکپن میں ہے

اے جان تیری جوشش حسن ملیح سے
چھڑکاؤ اب نمک کا مرے زخم تن میں ہے

نالوں میں عاشقوں کے ہے ناقوس کی صدا
عالم ہے تجھ میں وہ جو بتِ برہمن میں ہے

بیفائدہ ہے شمع خراشیِ دوستاں
اے قلیسؔ لطف کچھ نہیں ترے سخن میں ہے

بلا ہے درد ہے رنج و محن ہے
تری الفت عدوِ جان و تن ہے

نہاں اس میں جو کوئی گلبدن ہے
بہارِ داغ دل رشکِ چمن ہے

سنبھل کر اے فلک تو چال چلنا
شرارِ آہ سوزاں شعلہ زن ہے

کمالِ عشق نے کی پردہ پوشی
غبارِ دشت وحشت پیرہن ہے

کہوں کیا میں ہجومِ شوق و ارماں
مرا سینہ نہیں ہے انجمن ہے

پھنکا جاتا ہے سارا باغ ہستی
نگاہِ ناز یار آتش فگن ہے

تری آنکھوں کی مستانہ روش سے
خجل چشم غزالانِ ختن ہے

کچھ ایسی عشق کی پھانسیں چبھی ہیں
کہ ہر تارِ گلو تارِ رسن ہے

نہ جانوں کیوں مری بربادیوں کو
ہمیشا گردشِ چرخِ کہن ہے

ہیں لاکھوں فتنے تیری سادگی ہیں
قیامت خیز تیرا بانکپن ہے

زسرتاپا وہ ہے کانِ ملاحت
حلاوت بخش اندازِ سخن ہے

سرِ محفل حریفوں سے لگاوٹ
یہ کیسی چال ہے کیسا چلن ہے

بھرا ہے سحر چشم سرگیں ہیں
تمھاری ہر ادا توبہ شکن ہے

بتوں سے ہو چکی مطلب برآری
ہمیشا مکر ہے حیلا ہے فن ہے

جو سچ پوچھو تو کوچے ہیں انھیں کے
مناسب قیس کا گور و کفن ہے

دل ہی رہبر ہے دل ہی رہزن ہے
کیا کہوں دوست ہے کہ دشمن ہے

رنگ نکھرا ہے کیا جوانی کا
سادگی پر بھی لاکھ جوبن ہے

دیکھ کر اُن کے لب مسی آلود
شرم سے پانی پانی سوسن ہے

گیسوؤں میں جسے چھپائے ہو
دل مرا ہے کہ سانپ کا من ہے

آپ نازاں ہے اپنی صورت پر
خود صنم خود ہی وہ برہمن ہے

کیوں نہ وہ بات بات پر روٹھیں
سن ہی کیا ہے ابھی تو بچپن ہے

پیش رخ حسن کی شعاعوں سے
نور افشاں کسی کی چلمن ہے

یوں نہ ٹھکرائیے مری تربت
کشتۂ ناز کا یہ مدفن ہے

چھوتے ہی زہر چڑھ گیا مجھ پر
زلف شبگوں بھی کالی ناگن ہے

نالوں سے کیوں شرارے اڑتے ہیں
دل ہے پہلو میں یا یہ گلخن ہے

سوز داغِ فراق کیا کہیے
سینے میں اک چراغ روشن ہے

نقش ہستی مٹا ہی ڈالیں گے
اُن کی تلوار میری گردن ہے

خانۂ دل مرا خراب نہ کر
اے ستمگر ترا ہی مسکن ہے

لب ہے جاں بخش آنکھ سحر آگیں
وہ مسیحا یہ سامری فن ہے

جادۂ عشق میں رفیق سفر
آہ و نالہ ہے شور و شیون ہے

تیرے حسن شباب کے صدقے
کیا ہی پھولا پھلا یہ گلشن ہے

حسرتیں جس جگہ برستی ہیں
بلبلوں کا وہیں نشیمن ہے

رنگ بے رنگ ہے خدا حافظ
چڑھ گئیں آنکھیں تیکھی چتون ہے

لے اڑی زندگی کہاں سے کہاں
کس قدر تیز رو یہ توسن ہے

ایک ادا پر ہزار ادائیں لوٹ
ہر نظر اُن کی برق خرمن ہے

ضبط فریاد کیوں کیا اے قیس
اس خطا پر وہ ہم سے بدظن ہے

مجھے آرام سے رہنے دے یہ قسمت کہاں میری
بنی ہے دشمنِ جاں گردشِ ہفت آسماں میری

خطا کیا تم نے کی تجویز اے جانِ جہاں میری
اُڑا لی بلبلوں نے کچھ اگر طرزِ فغاں میری

مصیبت عشق کی بھی کس قیامت کی مصیبت ہے
کہ لاکھوں رنج و غم ہیں ایک جانِ ناتواں میری

تڑپ کر صحنِ گلشن میں کبھی گرتی نہیں بجلی
مگر پہلے جلا لیتی ہے شاخِ آشیاں میری

نہ تنہا میں ہی شکلِ نیم بسمل مضطرب ہونگا
تمھیں بھی ہجر میں تڑپائینگی بیتابیاں میری

دلِ پُر داغ میں حورِ بہشتی بنکے آ بیٹھو
اگر تم دیکھنا چاہو بہارِ گلستاں میری

ترے در تک بمشکل ٹھوکریں کھا کھا کے پہنچا ہوں
مگر ڈر ہے کہیں محنت نہ جائے رائیگاں میری

کوئی مجلس ہو یا محفل کوئی خلوت ہو یا جلوت
جہاں ہے تذکرہ اُن کا حکایت ہے وہاں میری

ذرا اُٹھنے تو دیں پامالِ حسرت مجھ کو دنیا سے
بتوں کو خون رُلوائیگی مرگِ ناگہاں میری

کیا تھا قتل تو گور و کفن بھی آپ کر دیتے
کہ غربت میں پڑی ہو لاش بے نام و نشاں میری

ہزاروں سامری فن کٹ مرے ہیں دیکھ کر جوہر
چلی ہے برق دم یاروں میں جب تیغِ زباں میری

وہاں کیونکر کہے گا جا کے قاصد غیر کی بیتی
مزے کی ہے کہانی تم سنو آ کر بیاں میری

رہو گے خلد میں بھی تم اگر مجھ سے جدا ہو کر
مبدّل موت سے ہو گی حیاتِ جاوداں میری

نکل کر مُنہ سے نالے مجھ کو یوں تسکین دیتے ہیں
اثر پیدا کرے گی آج سیرِ لامکاں میری

شبِ غم سر چڑھا تھا دیو بنکر غیر کا جادو
خبر کس طرح لیتا وہ بتِ نامہرباں میری

کسی کا بھی کوئی جب ماجرائے غم سناتا ہے
برس پڑتی ہے مثلِ ابر چشمِ خونفشاں میری

مرا قصّہ مرے مُنہ سے اگر وہ بے وفا سُن لے
عجب کیا دل میں گھر کر جائے خوبیِ بیاں میری

نہ آنا تھی نہ آئی کچھ سمجھ میں اُس ستمگر کی
بنی بگڑی ہزاروں طرح شکلِ داستاں میری

عبث مجھ کو نہ دے چھلکے شرابِ حورِ جنت کے
یہ سب دیکھی سنی باتیں ہیں اے پیرِ مغاں میری
پیامِ مرگ بنکر موجِ بحرِ غم نے آگھیرا
تباہی میں پڑی ہے کشتیِ عمرِ رواں میری

رہوں گا سر بلند اے قلقؔ اربابِ معانی میں
خدا چاہے تو مانیں گے سند سب نکتہ داں میری

ترے تیرِ نظر کا توڑ اگر ہفت آسماں تک ہے
رسائی میرے نالوں کی مکینِ لامکاں تک ہے

نہایت ہر بلا کی گردشِ دورِ زماں تک ہے
ہماری انتہائے غم خدا جانے کہاں تک ہے

گرا کر بجلیاں صحنِ چمن ہی کو نہیں پھونکا
کرم پیرِ فلک کا بلبلوں کے آشیاں تک ہے

جوانی کی ترنگیں آ نہیں سکتی ہیں پیری میں
بہارِ فصلِ گل کی سیرِ باغِ بے خزاں تک ہے

عدو کے بھیس میں بھی یا الٰہی چھپ نہیں سکتا
یہ اتنی تیز مجھ پر کیوں نگاہِ پاسباں تک ہے

کرشما ذرّے ذرّے میں ہے تیری ہی تجلی کا
تجھی کو دیکھتا ہوں میں نظر اپنی جہاں تک ہے

جو ہو مستِ شبابِ کیف وہ بنت العنب دینا
کہ لطفِ وصل اے ساقی عروسِ نوجواں تک ہے

مجھے ٹھنڈا کیا اتنا بتوں کی سرد مہری نے
شرارِ آہ کیا سرد آتشِ سوزِ نہاں تک ہے

نظر نیچی کیئے دل کی خبر لے لی انکھیوں سے
تمھاری شرمگیں آنکھوں میں شوخی بھی یہاں تک ہے

زمانا مجھ سے بگڑا ہے تو بگڑے غم نہیں کوئی
غضب یہ ہے کشیدہ وہ بتِ نامہرباں تک ہے

پیامِ مرگ مژدہ وصل کا ہے تیرے عاشق کو
مصیبت رنجِ فرقت کی فقط عمرِ رواں تک ہے

ظہورِ بے وفائی حسن کی قیمت گھٹا دے گا
تمھاری گرم بازاری مری ضبطِ فغاں تک ہے

جنوں انگیز نالے بلبلِ بیکس کے سن سن کر
نہ پوچھو اوروں کو برہم مزاجِ باغباں تک ہے

میں اپنی منزلِ مقصود پر کس طرح پہنچوں گا
مری آنکھوں سے پنہاں جب غبارِ کارواں تک ہے

چلا ہے لے کے خطِ شوق صدقے تیری ہمت کے
مگر اے نامہ بر سچ کہہ رسائی بھی وہاں تک ہے

رہے رندوں کے ہتھے چڑھ کی با عصمت نہیں ممکن
اچھوتی دخترِ رز خانۂ پیرِ مغاں تک ہے

بشر عاجز نہ ہو کیوں درکِ اسرارِ حقیقت سے
تگ و دو ہر کسی کی اپنی ہی وہم و گماں تک ہے

کبھی غیروں کے آگے میری گردن جھک نہیں سکتی
ہجومِ شوق سجدہ تیرے سنگِ آستاں تک ہے

جب آنکھیں بند کر لیں مٹ گئے جھگڑے زمانے کے
بکھیڑا جس قدر ہے اتصالِ جسم و جاں تک ہے

مرے اشعار میں وصفِ دہن پڑھ کر وہ کہتے ہیں
کلامِ عاشقانہ ختم قیس نکتہ داں تک ہے

ہوا میں خاک جل کر سوزشِ قلبِ پُر ارماں سے
پُھنکا قصرِ بدن میرا چراغِ زیرِ داماں سے

عیاں ہی بر ہی دیکھ اے صبا رخسارِ جاناں سے
نہ کر گستاخیاں او بے ادب اوراقِ قرآں سے

فلک پر تارے چھٹکے ہیں شرارِ آہِ سوزاں سے
قمر ہے کاسبِ نور آفتابِ داغِ ہجراں سے

خلش جب بڑھ گئی دل کی خیالِ نوکِ مژگاں سے
گلے مل مل کے روئے آبلے خارِ بیاباں سے

رخِ شفاف پر یہ سبزۂ نوخیز کیا معنی
لکھا ہے کاتبِ قدرت نے مصحف خطِ ریحاں سے

تصور میں لبِ رنگیں کے لختِ دل لہو ہو کر
بجائے اشک بہتے ہیں ہماری چشمِ گریاں سے

تپش سینے کی مجھ کو مژدۂ صحت سناتی ہے
پھپھولے دل کے پھوٹیں گے کسی کی نوکِ مژگاں سے

پہنچ جائیں گے رفتہ رفتہ ہم بامِ حقیقت پر
دکھا دینگے عروج اک دن گزر کر حدِ امکاں سے

مرے اعمالِ بد کیوں حشر میں تلتے ہیں حاصل کیا
میں خود غرقِ ندامت ہو رہا ہوں بارِ عصیاں سے

بہت کچھ آتشِ الفت دبائی ہم نے سینے میں
مگر کھُلتا ہے دل کا راز دودِ آہ سوزاں سے

پسِ مردن بھی ہیں وحشت دکھائی پر جو آجاؤں
تو میری خاک کے ذرے اُڑیں گردِ بیاباں سے

نہ چھیڑو حد سے بڑھ کر ہے برس پڑنیکی خو ہم کو
بھرے بیٹھے ہیں مدت کی شکایتہائے پنہاں سے

جہاں اچھوں کی بو پائی وہاں دو لحظہ جا بیٹھے
غرض کیا ہم ہوا خواہانِ گل کو قصر و ایواں سے

جوانی وہ بلائے بد ہے جس کی جوش مستی میں
نہ ہو جو کچھ تعجب ہے طبیعت دار انساں سے

نہیں ٹلنے کے یوں تو ہم قیامت ہی نہ آجائے
مٹا کر نقشِ ہستی ہی اُٹھینگے کوے جاناں سے

کسی دن تم ہمارے گھر قدم رنجہ جو فرماؤ
یقیناً منزلت بڑھ جائے اُسکی باغِ رضواں سے

خدا جانے لبِ خنجر میں لذت کس غضب کی ہے
کہ رالیں ٹپکی پڑتی ہیں دہانِ زخمِ خنداں سے

مجھے دم بھر کہیں آرام سے رہنے نہیں دیتا
نکل جاؤں میں کیونکر حیطۂ گردوں گرداں سے

اُسے کیا حال دل لکھوں یہی کافی ہے اے قاصد
سنا دے جا کے دو بیتیں مرے اشعار دیواں سے

اسیری مانعِ لطفِ نظارہ ہو نہیں سکتی
تمھیں ہم جھانک لینگے روزنِ دیوارِ زنداں سے

دکھا دیتی ہے وحشت سینۂ صد چاک کا عالم
اُلجھ پڑتے ہیں جب خارِ جنوں تارِ گریباں سے

ابھی تو آپ ہی تم اپنی پرچھائیں سے ڈرتے تھے
ابھی مشقِ ستم کرنے لگے شمشیرِ براں سے

حنائی انگلیوں میں دیکھ کر چھلا یہ ہم سمجھے
کرن سورج کی حلقہ بنکے لپٹی شاخِ مرجاں سے

مرے دل میں جو پہلو چیر کر تیرِ نظر پہنچا
قدم مہمان کے چومے لبِ زخمِ نمایاں سے

خطِ شوق آج اک رشکِ پری کو ہم نے لکھا ہے
کرے گا ہمسری پیغامبر مرغِ سلیماں سے

ظرافت ہے جو ہنسکر سب کی باتیں ٹال جاتا ہوں
نہیں تو ہے کسے ہم پنجگی شیرِ نیستاں سے

ابھی تو مر چکے تھے تم نے آکر زندگی بخشی
پھرے آتے ہیں الٹے پاؤں ہم شہر خموشاں سے

ہنسا دیتے ہو مثل گل رلا کر صورت شبنم
شب وصل اک عجب اعجاز کرتی تو نہیں ہاں سے

خدا کے سامنے جاتا ہوں ارمانوں کی جھرمٹ میں
میں خون آلودہ اٹھ کر سر بکف گنج شہیداں سے

جلا کر مار ڈالا شعلۂ برق تبسم نے
اٹھا جل بجھ کے مثل شمع میں بزم حسیناں سے

الٹ کر صفحۂ ہستی جو دیکھا غور سے ہم نے
کہیں صبح وطن ٹھہری بتر شام غریباں سے

مرے مر کر جلے جل کر ہوئے ہم خاک اس پر بھی
لپٹ جاتے ہیں اکثر ذرہ بنکر جسم جاناں سے

رہی چندے یہی نغمہ سرائی تو عجب کیا ہے
سبق لیں آکے مرغان چمن قیسؔ غزلخواں سے

جب میں کہتا ہوں کہ اے شوخ تو ہرجائی ہے
ہنس کے وہ مجھ سے یہ کہتا ہے تو سودائی ہے

کچھ قرینے کی محبت ہے نہ رسوائی ہے
عشق کرنے کی مگر ہم نے سزا پائی ہے

کیا ارادہ ہے کدھر آنکھ بچا کر نکلے
کل ہی تو غیر سے ملنے کی قسم کھائی ہے

پوچھتے کیا ہو مرے جوش جنوں کا عالم
رات دن مشغلۂ بادیہ پیمائی ہے

ہم ہیں ایک اور تری یاد بس اللہ اللہ
کنج مرقد میں یہ کیا خوب ہی تنہائی ہے

پھوٹی نظروں سے بھی مڑ کر نہ کسی نے دیکھا
اے اجل کس کی گلی میں تو مجھے لائی ہے

دل بھی آمادہ ہے قابو سے نکل جانے کو
کس قیامت کی ستمگر تری انگڑائی ہے

سچ کہو غیروں پر اس طرح جو تم مرتے ہو
کب کے وہ دوست ہیں کس دن کی شناسائی ہے

اب تو اظہار محبت کا بھی موقع نہ رہا
صاف کہتے ہیں کہ تیری سخن آرائی ہے

جلد تر بادۂ گلرنگ پلا اے ساقی
قسمتوں سے طرب انگیز گھٹا چھائی ہے

غنچۂ دل کبھی کھلتے ہوئے دیکھا نہ سُنا
جو کلی ہے چمنِ سینہ میں مرجھائی ہے

ذرّے ذرّے میں نظر آئی تجلی تیری
خاکِ نقشِ کفِ پا سرمۂ بینائی ہے

سخت جانی سے نہ کچھ میں ہی پشیمان ہوا
اُن کی تلوار بھی مُنہ پھیر کے شرمائی ہے

جان کیا مال ہے جس کو نہ کروں میں قرباں
دل بھی میرا نہیں تیرا ہی تمنائی ہے

آنکھوں سے مار کے ہونٹوں سے جلا دیتے ہو
سحر کے ساتھ عجب لطف مسیحائی ہے

حشر میں بھی تو دکھا دے رخِ روشن کی بہا
وقف نظارہ مری چشم تماشائی ہے

وعدۂ وصل سے ہرگز نہ مکرنے دوں گا
یہ رہے یاد جو بات آپ نے فرمائی ہے

ہے مرے سینے میں داغِ شرر افشاں کوئی
دامنِ دشت میں یا لالۂ صحرائی ہے

میرے رہتے ہوئے اغیار کی الفت توبا
ایسی کیا بات ہے اُس میں جو پسند آئی ہے

چھین کر دل کو نہ پامال جفا کرنا تھا
آپ ہی کا تو یہ دیوانہ ہے شیدائی ہے

حرفِ تقدیر مٹائے نہ مٹیں گے اے قیسؔ
اس قدر کس لیے تکلیف جبیں سائی ہے

تجھے اصرار عرضِ حال پر اے جنگ جو کیا ہے
سمجھ لے میری حالت سے کہ دل کی آرزو کیا ہے

ذرا میں بھی تو سُن لوں تم کو آخر جستجو کیا ہے
یہ ہر دم بے سبب آنکھوں کی گردش چار سو کیا ہے

ضرورت غیر کے احسان کی اے خوبرو کیا ہے
میں اپنا دل دیئے دیتا ہوں لے لو گفتگو کیا ہے

خدا جانے کہ پنپوں یا نہ پنپوں باغِ عالم میں
ہوں مثلِ سبزۂ بیگانہ امیدِ نمو کیا ہے

جفائیں جتنی کرنا ہوں تمھیں اک بار سب کر لو
یہ رہ رہ کر ہمارے سامنے ذکرِ عدو کیا ہے

اگر بس کر نہیں آتی تمھارے باسی پھولوں سی
نسیمِ روح پرور ہیں یہ بھینی بھینی بو کیا ہے

ذلیل و خوار ہونے سے کہیں عاشق بھی ڈرتے ہیں
جب اپنا دل ہی کھو بیٹھے تو پاسِ آبرو کیا ہے

جو محرومِ ازل ہو شادمانی سے وہ کیا جانے
کہ مینا کیا ہے ساغر کیا ہے مے کیا ہے سبو کیا ہے

محبت کون کرتا ہے کسی سفاک ظالم سے
تمھاری تیغ جوہر دار مشتاقِ گلو کیا ہے

اگر اشکِ ندامت ہی کا قطرہ پاک کر دیگا
تو قیدِ ظاہری غسل و تکلیفِ وضو کیا ہے

پسِ قتل آکے میرا سر اٹھا کر اپنے ہاتھوں میں
وہ کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کے کوئی سرخرو کیا ہے

خفا ہوں گالیاں دیں قید رکھیں ذبح کر ڈالیں
میں انکا ہو چکا جب اسمیں مجھ کو گفتگو کیا ہے

کبھی لیٹے کبھی بیٹھے کبھی اُٹھے کبھی ٹہلے
شبِ غم کی مصیبت کچھ نہ پوچھو اے یار تو کیا ہے

ارے یہ دن دھاڑے ڈھلنیگا مشتی راہ چلتوں سے
خدائی کیا کہے گی سوچ تو یہ تیری خو کیا ہے

مرے چاکِ جگر کی راہ دودِ غم نکلتا ہے
تجھے اے چارہ گر بے فائدہ فکرِ رفو کیا ہے

بھلا کیونکر بجھے گی پیاس تیغِ تیز قاتل کی
میں ہوں بیمار لاغر مجھ میں باقی اب لہو کیا ہے

میں تیرے واسطے جلتا ہوں ہر دم مثل پروانہ
محبت بلبل و گل کی بتا اے شمع رو کیا ہے

مرے الفت جتانے پر وہ تیکھے ہو کے کہتے ہیں
ہزاروں مر چکے مرتے ہیں لاکھوں ایک تو کیا ہے

چلا تھا مجھ سے ملنے کو رہا غیروں کے گھر جا کر
یہ وعدے کر کے جل دینا بتا اے حیلہ جو کیا ہے

وہ دل اے قیس جو پہلو میں کانٹا سا کھٹکتا تھا
اگر جاتا رہا جانے دو اس کی جستجو کیا ہے

توڑ تیروں کا نگاہِ نرگسِ جادو میں ہے
باڑھ خنجر کی کسی کی جنبشِ ابرو میں ہے

صبر ہم کیونکر کریں دل ہی نہیں قابو میں ہے
جان کا دشمن ہے جو بیٹھا ہوا پہلو میں ہے

شکل و صورت ناز و غمزہ یوں تو رکھتے ہیں سبھی
بانکپن جو تجھ میں ہے وہ کب کسی خوشرو میں ہے

عاشقوں کے قتل میں اللہ یہ سرگرمیاں
کس بلا کا زور اے ظالم ترے بازو میں ہے

فی الحقیقۃ تو نے غش میں سر اُٹھا کر رکھ لیا
یا مری جھوٹی شبیہ آئینۂ زانو میں ہے

سرگیں آنکھوں کا اُس کو بھی مگر سودا ہوا
عالمِ دیوانگی گردِ رمِ آہو میں ہے

دل مرا لے کر مکر جانے سے کچھ حاصل نہیں
جانتا ہوں میں جہاں ہے تیرے ہی گیسو میں ہے

ایک قطرے سے بدن پر سیکڑوں چھالے پڑے
گرمیِ سوزِ جگر کا وہ اثر آنسو میں ہے

اور تو کچھ بھی نہیں کھوٹا کھرا تم دیکھ لو
ہاں مچل جانے کی اک عادت اِن بلخو میں ہے

آنکھ پڑتے ہی بدل جاتی ہیں سب کی حالتیں
کیا اثر یارب حسینوں کے رُخِ نیکو میں ہے

مختلف لفظوں میں تیرا تذکرہ کس میں نہیں
دہریوں میں ہے مسلمانوں میں ہے ہندو میں ہے

رات پہنائے تھے ہم نے پھول کے گہنے تمھیں
بھینی بھینی بو ابھی تک جسم کی خوشبو میں ہے

اس طرح آنچل کے گوشے میں مرا دل باندھتے
کھیل لڑکوں کا ہے ورنہ اور کیا جگنو میں ہے

جل نہ جائے جاتے جاتے اس بتِ بے مہر تک
میرے سوزِ ہجر کا پرچا پرِ یاہو میں ہے

جلد اے ساقی پلا تھوڑی بہت جو کچھ کہ ہو
قیس کا تو فیصلا دو ایک ہی چلو میں ہے

تم نے جو آج لطف کی مجھ پر نگاہ کی
یہ نالوں کا اثر ہے کہ تاثیر آہ کی

دل خود ہے سوے کوچۂ دلدار رہنما
کیا مجھ کو احتیاج کسی خضر راہ کی

اصرار کچھ نہیں ہے مجھے اپنے فعل پر
میں تم سے چاہتا ہوں معافی گناہ کی

دھبے لہو کے دامن قاتل میں ہیں عیاں
کب ہے شہید ناز کو حاجت گواہ کی

تیغِ دودم سے صاف میں چور نگ ہو گیا
تو نے مری طرف نہیں ترچھی نگاہ کی

سامان عیش تیری جدائی میں لٹ گیا
تسلیط قلب پر ہوئی غم کی سپاہ کی

ٹوٹا ضرور دل کسی عاشق مزاج کا
کانوں میں آرہی ہے صدا آہ آہ کی

نالوں نے بیخودی میں کیا فاش رازِ عشق
شہرت ہوئی تمام مری اُن کی چاہ کی

بھولے سے خواب میں بھی نہ آیا وہ ماہرو
تاثیر دیکھیے مرے بختِ سیاہ کی

مدِّ نظر تو ہے کہ نہ چھوٹے عنان صبر
طاقت مگر نہیں ہے مجھے ضبط آہ کی

اے بیخودیِ عشق مدد تیری چاہیے
منزل ہے سخت کوچۂ جاناں کی راہ کی

کچھ خوف بازپرس قیامت نہیں مجھے
الفت ہے میرے دل میں رسالت پناہ کی

اہلِ سخن سے داد کی خواہش میں کیا کروں
دل ہی میں جب نہیں ہے ہوس واہ واہ کی

میں خود ہوں فن عشق میں اے قیس مجتہد
تقلید کیوں کروں میں کسی رسم و راہ کی

نصیبوں سے کبھی گردش میں جب پیمانہ آتا ہے
دعا بنکر لبوں پر نعرۂ مستانہ آتا ہے

ہمیشا یار آتا ہے تو بیباکانہ آتا ہے
کسی سے آج بگڑی ہے جو محجوبانہ آتا ہے

ذرا گور و کفن کا بھی رہے سامان مقتل میں
کہ مشتاقِ شہادت سربکف دیوانہ آتا ہے

مرے دل میں کسی کا غیر حق رہنا نہیں اچھا
بتو اب جلد نکلو صاحبِ کاشانہ آتا ہے

نہ جانوں اوروں پر ایسی عنایت کیوں نہیں ہوتی
مجھی سے تم کو ملنا صورتِ بیگانہ آتا ہے

جسے ہم بانیِ ظلم و جفا و جور سمجھے تھے
تعجب ہے وہی محشر میں آزادانہ آتا ہے

لہو رُلواتی ہے یادِ جوانی مجھ کو پیری میں
کسی دن جب خیالِ صحبتِ یارانہ آتا ہے

نہ گھبرا آمد آمد سے کسی میکش کی اے ساقی
ادا کرنے کو فرضِ سجدۂ شکرانہ آتا ہے

خدا رکھے سلامت قافلہ صہبا پرستوں کا
قدم لینے ہمارا تا درِ میخانہ آتا ہے

مرے آگے عدو ہی کا جو ہر دم ذکر کرتے ہو
تمھیں شاید یہی اک نازِ معشوقانہ آتا ہے

بچا کر آنکھیں محفل سے کبھی اُٹھنے نہیں دیگا
سنبھل بیٹھو تمھارا عاشقِ فرزانہ آتا ہے

کروں صیّاد سے میں شکوۂ جورِ اسیری کیا
قفس میں ہر کسی کو بیکہے آب و دانہ آتا ہے

عجب جانسوز شمعِ عشق روشن کی ہے ظالم نے
جسے دیکھو ادھر ہی صورتِ پروانہ آتا ہے

جھلک جاتے ہیں نقشے ساغر و مینا کی آنکھوں میں
جہاں کچھ ذکرِ کیفِ مجلسِ رندانہ آتا ہے

نہیں ہے بے سبب سر در گریباں یار کا ہونا
کوئی پڑھ کر سنانے مخلص کا افسانہ آتا ہے

غیرتِ گلزارِ رضواں دل ہی کا کاشانہ ہے
شاہدِ خلوت نشیں جب سے چراغِ خانہ ہے

بے سبب کب چشمِ جاناں نرگسِ مستانہ ہے
مردمِ دیدہ کے ہاتھوں میں مگر پیمانہ ہے

جو تری محفل سے اُٹھا اے پری دیوانہ ہے
جو یہاں لے شمع رو آیا ترا پروانہ ہے

مرنے پر بھی جو روش دل کی ہے بیتابانہ ہے
میری تربت پر ہجومِ آہ مظلومانہ ہے

واہ مجھ میں بھی عجب کچھ ہمتِ مردانہ ہے
دوستوں سے دوستی دشمن سے بھی یارانہ ہے

اس میں کوئی رمز ہے یا ناز معشوقانہ ہے
کیوں نگاہِ یار ہم سے آج مجوبانہ ہے

ہو گرفتارِ بلا میرا دلِ دیوانہ ہے
اور رمزِ عاشقی سے یک قلم بیگانہ ہے

پھر وہی جوشِ جوانی کی ترنگیں چھا گئیں
پھر وہی ہر ہر قدم پر لغزشِ مستانہ ہے

ہم نہ تھے طفلی میں بھی پابند راہ و رسم کے
ابتدا ہی سے ہماری وضع آزادانہ ہے

طائرِ روحِ رواں کی کیا بتاؤں میں غذا
رنگ رُخ ہے آب خالِ روئے زیبا دانہ ہے

میرے نیک و بد سے اے واعظ نہ کر تو چھیڑ چھاڑ
مسلک آزادانہ ہے مذہب رندانہ ہے

اُس سے آنکھیں ملتے ہی کیوں بیخودی سی چھا گئی
گردشِ چشمِ پری کیا گردشِ پیمانہ ہے

سُن کے سوزِ غم سے مضطر ہوتے ہیں اغیار بھی
اس قدر پُر درد میرے ہجر کا افسانہ ہے

زاہدوں کو ہو مبارک کعبہ و مسجد کی سیر
ہم سے رندوں کے لیئے کافی درِ میخانہ ہے

تھے کبھی فرہاد و مجنوں رونقِ کہسار و دشت
اب ہمارے نالوں سے آباد ہر ویرانہ ہے

دیکھ اے ناصح تو میرے دل کی بربادی نہ کر
در حقیقت کعبہ ہے ظاہر میں گو بتخانہ ہے

وہ سراپا ناز ہیں ہم پاؤں سے سر تک نیاز
اس لیئے طرزِ کلامِ یار بیباکانہ ہے

آنسوؤں سے دونوں آنکھوں میں ہے اک طوفانِ نوح
کثرتِ سوزِ محبت سے دلِ آتش خانہ ہے

اُس بُتِ بے مہر کے مانند کروٹ تک نہ لی
میری قسمت میں بھی گویا ناز معشوقانہ ہے

خانۂ دل جس میں تھا پرتو فگن اک رشکِ حور
حسرتوں سے آج کل معمور وہ کاشانہ ہے

کہدو اب شرم و حیا کو بھی کہ ٹل جائیں ذرا
کیونکہ اس دم ہم سے تم سے ربطِ گستاخانہ ہے

اس قدر اے بلبلِ نالاں تو اب زاری نہ کر
کچھ دنوں کنجِ قفس کا اور آب و دانہ ہے

ہائے کس شوخی سے اُس نے دل ہمارا لے لیا
جس کو ہم ناداں سمجھے تھے بڑا فرزانہ ہے

میں ہوں نازک طبع یارب دیکھیے کیونکر نبھے
لوگ کہتے ہیں مزاجِ یار بھی شاہانہ ہے

شمع فانوسی سے مجھ حسرت زدے کو کام کیا
شعلۂ داغِ جگر میرا چراغِ خانہ ہے

دیکھ اے جراح تو بہر خدا ٹانکے نہ دے
یہ دلِ صد چاک زلفِ دلربا کا شانہ ہے

خشمگیں پا کر تجھے میں نیم بسمل کیوں ہوا
ابروؤں میں بل ہے یا تلوار کا دندانہ ہے

ہے ہجومِ یاس و حسرت اس دلِ پُر داغ میں
کچھ دنوں عشرت کدا تھا اب تو ماتم خانہ ہے

تم کو آنا ہے تو آؤ سر کے بھل اے واعظو
یہ رہِ کعبہ نہیں ہے کوچۂ جانانہ ہے

چلبلی صورت کوئی تم نے کہیں دیکھی ہے کیا
کیوں تمہارا شوق دل اے قیسؔ بیتابانہ ہے

تیغ آہن اور لوہے کی کٹاری اور ہے
خنجرِ ابرو میں تیرے آبداری اور ہے

ہجر کی شب گو بلائے دم شماری اور ہے
جان کی دشمن تو یہ اُمیدواری اور ہے

غش میں آنا ہی مرا ہے اک تعجب خیز امر
حیرت افزا اس پہ اتنی ہوشیاری اور ہے

دل ہی پہلو میں چھپا رکھنا ہے جب دشوار کام
اور باتوں میں تو پھر بے اختیاری اور ہے

عرصۂ محشر میں تم پہنچو نظر نیچی کیے
ہم کہیں خالق سے وجہِ شرمساری اور ہے

ہوں وہ لاغر قبر تک دوشِ صبا پر جاؤنگا
سب کے تابوت اور ہیں میری سواری اور ہے

جان کر میں نے خطا کی ہو تو پھانسی دیجیے
ورنہ ہوں مجبورِ فعلِ اضطراری اور ہے

یوں تو گرما گرم آہیں کس کی کیا کرتیں نہیں
تیرے بیماروں کی لیکن آہ وزاری اور ہے

دیکھیے کیا ہو منجم تو ستارے دیکھ کر
کہتے ہیں تھوڑے دنوں گردش تمھاری اور ہے

کون گلزارِ جہاں میں پھولتا پھلتا نہیں
ہاں مری تقدیر کمبختی کی ماری اور ہے

سب نے اے پیرِ فلک تیری عنایت دیکھ لی
ہو چکی یا کچھ سزا باقی ہماری اور ہے

پانی پانی ہو کے غم سے دل جگر بہنے لگے
ان دنوں آنکھوں کو شغلِ اشکباری اور ہے

آرزو یہ ہے کہ میں ساری مصیبت جھیل لوں
اے شبِ فرقت کوئی شب تجھ سے بھاری اور ہے

عشق میں مرنے کو تو فرہاد و مجنوں بھی مرے
بات اتنی ہے کہ میری جاں نثاری اور ہے

وہ سرِ بالیں خدا جانے کہ یہ کیا کہہ گئے
صبر کر دو چار ساعت بیقراری اور ہے

بے محل ناصح سے کچھ باتیں نہ ہوں تکرار کی
آج کل سنتے ہیں رسمِ پند جاری اور ہے

تم میں ہیں جتنی ادائیں سب کی سب مقبول ہیں
جو ادا ہے دل چرانے کی وہ پیاری اور ہے

اس قدر غافل ہے کیوں تو او وفا نا آشنا
روز افزوں دیکھ میری دلفگاری اور ہے

ایک تو مرتا ہوں خود ہی رنجِ ہجرِ یار میں
باعثِ اندوہ و غم بادِ بہاری اور ہے

کل ہی روزِ حشر ان سب کی جزا مل جائیگی
آج ہی بھر لے ستمگر تیری باری اور ہے

سنکے ذکرِ جام و مے احباب ہنس دیتے ہیں کیا
قیس سرمستِ ازل کی بادہ خواری اور ہے

قیامت ہے مصیبت ہے بلائے ناگہانی ہے
مرے حق میں ستم اے بت تری اٹھتی جوانی ہے

یہاں تو درد ہے غم ہے الم ہے ناتوانی ہے
وہاں جلسے ہیں محفل ہے خوشی ہے قصہ خوانی ہے

کسی سے دھول دھپا ہے کسی سے بد زبانی ہے
خدا سے ڈر یہ کیا عادت تری اے یار جانی ہے

بتاؤں کیا کہ تجھ میں حسن کی کیا کیا نشانی ہے
پری کا جسم نقشا حور کا صورت سہانی ہے

تجھے مرغوب او کافر اگر نا مہربانی ہے
تو بہتر زہر ہی کھا لینے کی ہمنے بھی ٹھانی ہے

ہنسی کی باتوں میں کیوں ہو گئے تم روکھے پھیکے سے
اِدھر دیکھو یہی کیا دل جلوں کی قدردانی ہے

لڑا کر اُن سے آنکھیں شکل بسمل ہم تڑپتے ہیں
نگاہِ ناز میں شمشیرِ بّراں کی روانی ہے

کسی کے آڑے آتا ہے کوئی کب اس زمانے میں
کہاں کے دوست کیسے آشنا یہ سب کہانی ہے

چڑھا کر آستینیں آج غصّے میں وہ نکلے ہیں
دلوں پر خوف چھایا ہے لہو ہر اک کا پانی ہے

ہمیشہ بات پیچھے ڈھب کڈھب تلوار چلنا کیا
ذرا کچھ سوچ تو دل میں یہ کیسی خونفشانی ہے

میں اس قابل نہ تھا لیکن تم آئے تو زہے قسمت
عنایت ہے نوازش ہے کرم ہے مہربانی ہے

اِدھر دیکھا اُدھر جھانکا اِسے بھانپا اُسے تاکا
یہی دنیا کی لذت ہے یہی لطفِ جوانی ہے

مجھے کیا پوچھتے ہو میں نے اپنی جان تک دے دی
بھلا تم نے کبھی میری بات کوئی دل سے مانی ہے

کفن باندھے ہوئے سر سے کھڑے ہیں ہم بھی مقتل میں
خبر لے جلد اے قاتل بڑی تشنہ دہانی ہے

عدو نے لاگ باندھی مجھ سے تو کوئی سبب ہوگا
غضب ہے یہ کہ تو بھی درپئے ایذا رسانی ہے

رہونگا تیرے ہی کوچے میں پیوندِ زمیں ہو کر
اسی دن کے لیے برسوں یہاں کی خاک چھانی ہے

وہ میرا حال پوچھیں تو یہ کہدینا تو اے قاصد
جگر میں درد آہیں سرد چہرا زعفرانی ہے

جو آئے ہو تو وہ باتیں کرو جس سے کہ دل بہلے
نہ پوچھو سرگزشتِ ہجر آفت کی کہانی ہے

گلے شکووں سے مطلب کیا غرض کیا سر کو دھننے سے
رکھے جس حال میں چاہے خدا کی مہربانی ہے

ہمیں تم خوب سمجھے ہم نے مانا پھر غرض مطلب
بتاؤ تو حقیقت اپنی بھی کچھ تم نے جانی ہے

بلا کر اپنے گھر کیوں مجھ کو صلواتیں سناتے ہو
اسی کا نام خاطر ہے یہی کیا میہمانی ہے

کسی کو پھوٹی آنکھوں بھی جو دیکھا ہو قسم لیلو
یہ کیوں روٹھے ہوئے بیٹھے ہو کیسی بدگمانی ہے

مجھے کچھ حال کہنا ہے ابھی کسطرح جاؤ گے
ذرا ٹھہرو سنو تو کس مزے کی یہ کہانی ہے

نہ اُس کو پاس الفت ہے نہ تم کو صبر کی طاقت
پھر ابتک کس لیئے اے قیس اتنی جانفشانی ہے

مجھے دل کی تپک ہی میں ہے لذت زندگانی کی
خلش رہنے دو اے چارہ گر دردِ نہانی کی

کھلی تلوار کی دھاروں جو قدر اس دارفانی کی
گلا دے کر نکالی راہ عمرِ جاودانی کی

تم آ کر آپ ہی میرے دلِ مضطر کو سمجھاؤ
تمنّا اس کو ہے اے یار تم سے ہم زبانی کی

کبھی آہِ شرر افشاں کبھی ہے سیل اشکِ غم
کبھی ہیں آگ کے شعلے کبھی موجیں ہیں پانی کی

خدارا اب نگاہِ لطف ہو اے گردشِ دوراں
میں کب تک آفتیں جھیلوں بلائے آسمانی کی

جگر جب بہہ چکا تھا خون ہو ہو کر تو کیا کرتے
کِھلا کر لختِ دل تیرِ نظر کی میہمانی کی

ترے ہوتے جگہ دونگا میں کس کو اپنے پہلو میں
قیامت ہے یہ تو نے کس غضب کی بدگمانی کی

کسی کی چشمِ میگوں کی نظر کا مجھ کو نشہ ہے
ہوس اے مغبچو کیا ہو شرابِ ارغوانی کی

تری چالوں سے جب پامال ہی ہونا مقدر تھا
کروں کیا تجھ سے فریاد اے فلک نامہربانی کی

نہ اترا حلق سے آبِ دمِ شمشیر قاتل بھی
مصیبت مرتے دم تک رہ گئی تشنہ دہانی کی

سرِ محفل عدو کے سامنے آنکھیں دکھاتے ہو
یہ اچھی قدر کی تم نے ہماری جانفشانی کی

نیاز و ناز کے صدقے مچی ہے دھوم عالم میں
تری آتش زبانی کی مری شیریں بیانی کی

تجلی جس نے شمعِ طورِ سینا کی نہ دیکھی ہو
حقیقت کیا وہ سمجھے گا تمھاری لن ترانی کی

پسِ مردن جو مرقد میں لٹایا اپنے ہاتھوں سے
بڑی تم نے عنایت کی نہایت قدردانی کی

نہ پوچھ اے قیس کیونکر درد سے دل تھام لیتا ہوں
کبھی جب یاد آجاتی ہیں باتیں نوجوانی کی

وصل میں ناز سے مُنہ پھیر کے سونے والے
کچھ نہ سمجھے ہمیں یہ کون ہیں رونے والے

رخصت اب تجھ سے کوئی دم میں ہیں ہونیوالے
تیرے عاشق دل و جاں ساتھ ہی کھونے والے

آبروریزیِ محشر سے بچانا مجھ کو
اے مجھے بحرِ محبت میں ڈبونے والے

حشر میں کہتے ہوئے اُٹھیں گے یوں تیرے شہید
ہیں کہاں خون سے دامن کو بھگونے والے

کہتے ہیں ناز سے ٹھکرا کے مری تربت وہ
جاگ اے ہجر میں آرام سے سونے والے

میری فریاد و فغاں سُن کے وہ فرماتے ہیں
کب فنا ہونگے زمانے سے یہ رونے والے

پھر دبے پاؤں وہی فتنۂ حشر آتا ہے
کہدو ہشیار رہیں قبروں کے سونے والے

طاقتِ صبر نہیں جوش میں ہیں دیدۂ تر
اب غضب ڈھائینگے ظالم ترے رونے والے

کہتے ہیں خون جگر دیکھ کے آنکھوں سے رواں
لعل و گوہر ہیں یہ ڈوروں میں پرونے والے

غیروں میں کرتے ہیں اظہارِ محبت کیا خوب
زہر ہیں آپ مرے واسطے بونے والے

مدد اے ضعف کوئی نالہ تو مُنہ سے نکلے
کسطرح سوتے ہیں دیکھیں تو یہ سونے والے

دل کو تھامے ہوئے ہاتھوں سے چلے آتے ہیں
ہچکیاں لے کے سرِ قبر وہ رونے والے

میری جانب نگہِ لطف سے دیکھیں تو ذرا
آب رحمت سے سیہ نامے کے دھونے والے

ندیاں خون کی بہتی ہیں مگر یاد رہے
حشر کے دن ہیں یہ سب فیصلے ہونے والے

مجھ کو پرویز کی لینا بھی خبر اے فرہاد
جان کھوتے نہیں یوں جان کے کھونے والے

قیس کی لاش چلی کوئی یہ کہدے کہ چلیں
زلف بکھرا کے جگر تھام کے رونے والے

لی تم نے مری جان اگر کم سخنی سے
زندہ بھی تو کر دو کبھی شیریں دہنی سے

عاشق ہوں غرض کچھ نہیں دنیائے دنی سے
کیا مانگوں بجز تیرے میں تجھ ایسے غنی سے

شاید نظرِ چشم محبت بھی گراں ہے
مرجھائے چلے جاتے ہو نازک بدنی سے

مجھ کو نہ کہیں پھونک دے یہ برقِ تبسم
کوندا اُٹھتی ہے بجلی سی تری خندہ زنی سے

تم قتل کرو پھر سببِ قتل کی پرسش
محشر میں ہوا اُلٹے مجھی گردن زدنی سے

شکوا مجھے کرنا ہی نہ تھا درد جگر کا
زخموں کو لگے چھیڑنے برچھی کی انی سے

جانا ہے سوئے خلد ہی بھیس بدل کر
اچھی کوئی پوشاک نہیں ہے کفنی سے

ہے سخت خمار آج وہ شئے چاہیئے مجھ کو
بیچین نہ ہونے دے جو اعضا شکنی سے

حاصل نہ ہوا وصل تو ہوتا ہے وصال اب
جھگڑا ہی چکاتا ہوں میں ہیرے کی کنی سے

کیا پوچھتے ہو مجھ کو ٹھکانا نہیں معلوم
بے نام و نشاں ہوں میں غریب الوطنی سے

اب تو مری فریاد خدا بھی نہیں سنتا
مشکل ہے کہ چلنے کوئی قسمت کے دھنی سے

دو لاکھ حسین ایسے زمانے میں پڑے ہیں
تم پھولے سماتے نہیں گل پیرہنی سے

اور ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھنے والے
چھلنی ہے کلیجا تری ناوک فگنی سے

ہونٹوں کو ترے سنگ محقر سے ملانا
لعلوں کی ہے تشبیہ عقیقِ یمنی سے

اے قیس کوئی بات بنائے نہیں بنتی
مجبور ہوں کمبخت دلِ ناشدنی سے

آپ کی ایسی نظر ہم پر کبھی کاہیکو تھی
یہ محبت یہ ہنسی یہ دل لگی کاہیکو تھی

رات دن یہ بے سبب آزردگی کاہیکو تھی
بے وفائی کج ادائی بے رُخی کاہیکو تھی

مجھ سے فرقت میں نہ پوچھو دم شماری کا مزا
اک بلا تھی میرے سر پر زندگی کاہیکو تھی

دیکھتے ہیں ہم جو اپنے دور ہیں اے بے وفا
عاشقوں پر یہ جفا پہلے کبھی کاہیکو تھی

میرے رونے سے نہ پڑتی کس طرح ہلچل تمام
تھا بپا طوفان اشکوں کی جھڑی کاہیکو تھی

تم کو خود منظور تھی مقصد برآری میں درنگ
خاطرِ اغیار سے پہلو تہی کاہیکو تھی

خرمنِ ہوش و خرد برقِ تبسم سے پھنکا
باعثِ بربادیِ دل تھی ہنسی کاہیکو تھی

مائلِ حسنِ بتاں جب تک نہ تھا میں نیم جاں
میرے ہر ہر کام میں یہ بے بسی کاہیکو تھی

مجھ کو تھا محروم ہی رکھنا جو نقدِ وصل سے
عشق کی سرکار سے خدمت ملی کاہیکو تھی

بے قراریِ شبِ فرقت جو میں سب کہہ چکا
ہنس کے بولے سب بجا سب کچھ سہی کاہیکو تھی

آج میری قبر پر آیا ہے وہ رشکِ قمر
تجھ سے یہ اُمید اے جذبِ دلی کاہیکو تھی

تیری گردش نے ستایا کیوں مجھی کو اے فلک
چھوڑ کر غیروں کو مجھ سے کج روی کاہیکو تھی

تم کو آنے میں اگر حیلا نہیں منظور تھا
وصل کی شب پاؤں میں مہندی لگی کاہیکو تھی

ہو نہ ہو اے جان اس میں کچھ نہ کچھ اسرار تھا
میرے مرنے کی تجھے اتنی خوشی کاہیکو تھی

مجھ کو حاصل تھا وہیں لطفِ بہارِ زندگی
جنۃ الفردوس تھی تیری گلی کاہیکو تھی

غیر سے ملنا اگر تھا آپ کو مدِ نظر
چار دن کو مجھ سے اتنی دوستی کاہیکو تھی

رات درد انگیز باتیں جو سنائی تھیں تمہیں
وہ بیانِ حالِ دل تھا شاعری کاہیکو تھی

آ کے میری لاش پر مجھ سے کہا با چشمِ تر
کیوں جی ایسی بے کسی پہلے کبھی کاہیکو تھی

رات جلوا اُس مہِ نو کا جو میرے گھر نہ تھا
بام و در پر چاندنی چھٹکی ہوئی کاہیکو تھی

تیری الفت نے کیا ہے اس طرح خانہ خراب
مجھ کو از خود رفتگی ایسی کبھی کاہیکو تھی

سچ بتا اے رشکِ گل مجھ سے ہوئی تھی کیا خطا
اِس قدر بے فائدہ افسردگی کاہیکو تھی

وصل میں تم نے ہنسا کر جو مرا دل لے لیا
یہ بھی اک طرزِ ادا تھی گدگدی کاہیکو تھی

گھات میں بیٹھے ہوئے کرتے تھے صیدِ دل کی فکر
دھوکے کی ٹٹی تھی چلمن آپ کی کاہیکو تھی

تھی کسی کی یاد یا تھا میری آہوں کا اثر
رات بھر اے جان اتنی بیکلی کاہیکو تھی

دل لگا کر تجھ سے ہر جائی سے ہے خانہ خراب
قیس کو سرگشتگی ایسی کبھی کاہیکو تھی

رُباعیات

حُسنِ مہ و مہر پُرضیا کو دیکھا
ہر نقش و نگار خوشنما کو دیکھا
مصنوع میں صانع کی تجلی ہے ضرور
پھر کیوں نہ کہیں ہم کہ خدا کو دیکھا

دریا - جنگل - پہاڑ - صحرا دیکھا
یا دیر و حرم ہو یا کلیسا دیکھا
دوڑائیں تمام ہم نے آنکھیں اے قیس
جز قدرت حق نہ کچھ تماشا دیکھا

مشکل ہے سخن سنجوں میں داخل ہونا
آسان نہیں کسی کا کامل ہونا
میں ننگ فنِ نظم ہوں بیشک اے قیس
ہے اِس کی دلیل صاف جاہل ہونا

بلبل کو چمن میں غل مچاتے دیکھا
سنبل کو بھی پیچ و تاب کھاتے دیکھا
گلزار جہاں میں خوب دیکھا اے قیس
ہر طائر دل کو پھڑ پھڑاتے دیکھا

دُنیا میں بدل بدل کے سو سو قالب
بنتے ہیں بہت لوگ خدا کے طالب
لیکن جو بچشم غور دیکھا اے قیس
ہے حرص و ہوا کا رنگ سب پر غالب

اسلام ہی بہتر سے ہے بہتر مذہب
توحید ہے جس میں اصل و اعلیٰ منصب
ہم غیر کے آگے نہیں جھکنے والے
کافر ہے جو رکھے ماسوا سے مطلب

ہے عجز و نیاز وہ مبارک خصلت
ہوتی ہے بشر کو جس سے حاصل رفعت
موسیٰ نے پیمبری اسی سے پائی
فرعون نے کبر سے دوامی لعنت

دنیا میں ہزار کوئی پائے عزت
عقبیٰ میں نہ ہوگی لیکن اس کی وقعت
ہے دونوں جگہ میں کامرانی اس کو
ہاتھ آئی ہو جس کو دین حق کی دولت

اے قیس میں کیا بتاؤں اپنی حالت
استاد کے غم نے سب بگاڑی صورت
بخشی تھی عجیب سربلندی مجھ کو
شمشاد کی روح پر خدا کی رحمت

ان ماہوشوں سے دل لگانا ہے عبث
بارِ غم و درد و رنج اُٹھانا ہے عبث
گھُل گھُل کو مثال شمع سوزاں اے قیس
اشک آنکھوں سے رات دن بہانا ہی عبث

ایسے نہ تھے ہم کبھی کہ ہیں جیسے آج
بے نام و نشاں کر کے گھر اپنا تاراج
تعبیر مگر یہ خواب غفلت کی ہے
پھرتے ہیں جو دربدر ذلیل و محتاج

کیا پوچھتے ہیں لوگ ترقی کی صلاح
پیدا کریں پہلے علم و فن کی مفتاح
پھر کسب ہنر میں مرد کامل بنکر
کھولیں درِ سعی تا کہ حاصل ہو فلاح

باتوں میں ہو لاکھ رنگ ندرت کا شوخ
انداز بیاں میں لطف شوکت کا شوخ
سچ پوچھو تو میں یہی کہونگا اے قیسؔ
شاعر ہے وہی جو ہو طبیعت کا شوخ

کیونکر نہ دکھاؤں رنگ وروی ایجاد
ہوں آئینۂ جمال فیضِ اُستاد
اے قیسؔ مری نظم میں جو کچھ ہے ضیا
ہے نور افادات جنابِ شمشادؔ

دنیا سے جب اُٹھ گئے جنابِ شمشادؔ
رُو رُو کے کہا قیسؔ نے ہے ہے اُستاد
گلزار سخن کو اب خزاں نے لوٹا
ہر تختۂ گل کی ہو گی مٹی برباد

ہے تیرے گلے میں یار اچھا تعویذ
آنکھیں نہیں ٹھہریں جس پر ایسا تعویذ
چشم بد اغیار سے بچنے کے لیئے
بہتر ہے رہے ردِ بلا کا تعویذ

دنیا میں اگرچہ عیش و عشرت ہے لذیذ
خواب و خور و دورِ جام صحت ہے لذیذ
عشاق کے حق میں سب سے بڑھ کر لیکن
افسانۂ سوزشِ محبت ہے لذیذ

یہ زہد یہ ورع یہ بلا کی تقریر
اُس پر ہے عجیب تر لباسِ تزویر
اے قیسؔ یہ کیا ستم ہے توبا توبا
لب پر تو خدا دل میں بتوں کی تصویر

رہتا ہوں شب و روز بحالِ مضطر
دل آتشِ غم سے بنگیا ہے مجمر
کس طرح چھپاؤں رازِ الفت اے قیسؔ
آنکھوں سے ٹپک پڑتے ہیں آنسو اکثر

در مجلسے از مجالس مشاعرہ رفتہ بعالم دل گرفتگی گفتہ شد

بزمِ شعرا میں لب ہلائیں کیونکر
افسردہ ہیں شعر ہم سُنائیں کیونکر
لیکن ہے یہ صحبتِ احبا اے قیسؔ
آئے ہیں تو خالی جائیں کیونکر

وصفِ رُخِ یار میں قلم ہے گلریز
ہے رنگِ گلِ تازہ مہک عنبر بیز
اِن باتوں کی کیا کوئی حقیقت سمجھے
قدرت کے کرشمے ہیں تعجب انگیز

جس روز کہ ہوگی سب کی حالت معکوس
بن جائیں گے عضوِ تن تمامی جاسوس
یارب مجھے آس تیری رحمت کی ہے
تو بندہ نواز ہے نہ کرنا مایوس

دنیائے دنی کی حرص بیجا کب تک
دولت کی ہوس اور تمنا کب تک
اس گلشنِ پُرخار جہاں میں اے قیسؔ
بے یادِ خدا سیر و تماشا کب تک

فرقت میں رُلا رہا ہے کیا کیا بادل
پانی کی جھڑی پھر اُس پر ایسا بادل
سب محوِ طرب و فرحتی میں ہیں
میرے لیے ہے مگر یہ غم کا بادل

جب سے کہ ہوا ہے یار جانی برہم
کھاتے ہیں غم و رنج کلیجا ہر دم
آنکھوں سے ٹپکتے ہیں بسانِ شبنم
قطرے آنسو کے تا بدامن پیہم

کیونکر نہ ظرافت ہو ہماری مذموم
جب راحت و عیش یکقلم ہے معدوم
اب جودتِ طبع کیا دکھائیں اے قیسؔ
فکرِ سخن و تلاشِ مضموں معلوم

ہمت ہے نہ دولت نہ علوم اور فنون
فیشن کی وبا میں ہیں مگر سب مفتون
ابنائے زمانہ کی روش کیا کہیئے
صاحب بنے بس پہن کے جاکٹ پتلون

بے سود بنا رہے ہو مہمل باتیں
دن سیکڑوں گزرے آئیں صد ہا راتیں
منظور جو تم کو ہم سے ملنا ہوتا
آجاتے نکال کر ہزاروں گھاتیں

آزردہ جو ہو کے وہ چلے جاتے ہیں
کہنے سے کسی کے پھر کہاں آتے ہیں
ہیں قیسؔ مگر کچھ ایسے کامل استاد
باتوں باتوں ہی میں منا لاتے ہیں

وہ حُسن خداداد وہ صورت دلخواہ با اینہمہ یہ غرور خالق کی پناہ
ایسوں سے کبھی نبھے گی الفت اے قیسؔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ

ہاں تیرے سوا یہ لطف پایا کس نے جینے کا مزا یہاں اُٹھایا کس نے
پریوں کو کیا جو تونے تابع اے قیسؔ سچ کہہ یہ عمل تجھے سکھایا کس نے

در ۱۸۹۶ء طرح مشاعرہ داده خوانده شده بود

اللہ نے کس طرح کی دولت بخشی قطرے کو ہے عمان کی قسمت بخشی
اس بزم مشاعرہ میں آکر اے قیسؔ ارباب سخن نے مجھ کو عزت بخشی

کامل ہے وہ بیشک جو سلاست دیکھے قابل ہے یقیناً جو متانت دیکھے
اکمل ہے وہی جو بے تعصب اے قیسؔ ہر رنگ میں شاعر کی طبیعت دیکھے

ہمسے تو بتوں کی بے وفائی ٹھہری نالوں سے اثر کی کج ادائی ٹھہری
اے قیسؔ ہوا ہے سخت مشکل جینا اب موت کی روح سے لڑائی ٹھہری

مدت ہوئی ہم کو آہ وزاری کرتے گزرا ہے زمانہ اشکباری کرتے
آگے سے خبر جو اس ستم کی ہوتی بھولے سے بھی ہم نہ جاں نثاری کرتے

خمسجات

خمسہ بر غزل مرزا اصغر علی خان نسیم دہلوی

رنگ چہرے کا اُڑے گا غم کلیجا کھائیگا
درد دل اُٹھ اُٹھ کے بسمل کی طرح تڑپائیگا
یوں تو کیا سمجھیں گے حضرت کیا کوئی سمجھائیگا
ہم پہ جو جو کچھ ہوا سب آپ پر کھل جائیگا
بندہ پرور دیکھنا جب دل کسی پر آئیگا

وصل کی شب کٹتے ہی جب مجھسے وہ ہونگے جدا
کیا کرونگا بیکسی میں جان دینے کے سوا
کوئی بھی ایسا نہیں جس کا ہو مجھ کو آسرا
بخت بد دشمن فلک بیزار خویش و اقربا
کس کو رحم آئے گا مجھپر کون اُنھیں سمجھائیگا

فرط سوز رنج و غم نے کر دیا ہے نیمجاں
لاغری سے ہے مرا سر دوش پر بار گراں
سخت مشکل ہے کہ اب میں کیا کروں جاؤں کہاں
تیغ زنگ آلودہ خنجر کند بازو ناتواں
مجھ کو مرنے کے لیئے جلاد بھی ترسائیگا

گریہ و زاری سے مجھ کو کام ہے شام و پگاہ
شکل جینے کی نہیں اللہ ہے اس کا گواہ
دل ہی چھلنی ہو گیا کیونکر نہ آئے لب پر آہ
فاتحہ پڑھیئے کہ رکنے کا نہیں تیر نگاہ
اُن کو اس سے کیا غرض کوئی اگر مر جائیگا

آج اُنھوں نے لام باندھے پہلے مجھپر تیر کے
پھر کیئے خود ظالمانہ وار بھی شمشیر کے

ہوں یہ سب احسان شاید خوبیِ تقدیر کے
کیوں نہ صدقے ہوں میں اپنے جرم بے تقصیر کے
قتل کے بعد ایک مدت تک اُنھیں شرمائیگا

خوف کس کا ہے مجھے جامِ شہادت بھر کے دے
غیر ممکن ہے جو کوئی خون کا دعوی کرے
ہاں اگر ڈر ہے تو یہ اے قاتل اسکو سوچ لے
مُنہ پہ گلگو نہ لہو کا میرے ملکر شرم سے
دیدۂ جوہر نیامِ تیغ میں چھپ جائیگا

حشر کے دن روبروے صاحبِ عرشِ بریں
شرم سے نیچی رہینگی اُس کی چشمِ سرمگیں
جرم قتلِ بے گنہ بھی کوئی چھپتا ہے کہیں
پاکدامن فیضِ ابرِ تیغ کر سکتا نہیں
رنگ خون قاتل کے پیراہن سے کیونکر جائیگا

نفی و اثباتِ دہن میں ہیں ہزاروں مجھسے
توڑ دو مُہر خموشی تا کہ یہ جھگڑا چکے
بد زبانی میں بھی لاکھوں طرح کے ہونگے مزے
صدقے اُس دشنام کے جو آپکے مُنہ میں رہے
ایسی جاے مختصر کوئی کہاں سے پائیگا

مجھکو سر کا کچھ نہیں خوف و خطر راضی ہوئیں
شوق سے وہ باندھ لیں اپنی کمر راضی ہوئیں
کر دیں میرا فیصلا اب جلد تر راضی ہوئیں
جان جائیگی بلا سے ذبح پر راضی ہوئیں
اُنکا زانو تو بھلا سینے پہ میرے آئیگا

مائلِ پرواز دم ہے جسم لاغر خاک پر
ضعف سے آنکھیں رہا کرتی ہیں بند آٹھوں پہر
لیکن اس پر بھی کہے دیتے ہیں اے رشکِ قمر
گو تقاضاے اجل سے جان لب پر ہے مگر
اور بھی کچھ دن نہیں وعدا ترا ٹھہرائیگا

جوشِ وحشت نے چھڑوائی جو راہِ مستقیم — قیس کی صورت رہے جنگل میں ہم بے خوف و بیم
شوق عریانی میں پھینکا جامۂ عقلِ سلیم — تار تک رکھتے نہیں دامن کہاں ہے لے نسیم
اشک آکر آنکھ میں کیا کیا ہمیں شرمائیگا

خمسہ بر غزل خواجہ حیدر علی آتش

قمر کو رشک ہے جوشِ صفائے یار پر کیا کیا — جلی ہے شمع غیرت سے ضیائے یار پر کیا کیا
فدا ہے عطر بوئے جانفزائے یار پر کیا کیا — گلوں نے کپڑے پھاڑے ہیں قبائے یار پر کیا کیا
حنا پس پس گئی ہے دست و پائے یار پر کیا کیا

مرا ہوں میں لبِ معجز نمائے یار پر کیا کیا — مٹایا عشق نے مجھ کو ادائے یار پر کیا کیا
رکھا ہے جب بھی سر کو نقشِ پائے یار پر کیا کیا — کیئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کیا کیا

ملی جب ہاتھوں میں مہندی کسی رنگیں طبیعت نے — جمایا رنگ اپنا شاخِ مرجاں پر بُری گت نے
نہیں دی ضبط کی طاقت ذرا بھی جوشِ ہمت نے — گلے کو کاٹ کر اپنے شہیدانِ محبت نے
لہو کے گھونٹ گھونٹے ہیں حنائے یار پر کیا کیا

نہ ہو رُخ اُس کی جانب کس طرح ساری خدائی کا — لیا ہو جسکے آگے مہر نے کاسا گدائی کا
یہ ادنیٰ سا ہے مذکور اُس پری کی دلربائی کا — خیال آیا ہے اُس خوش رو کو جو صورت نمائی کا
ہوئے ہیں آئینے حیراں صفائے یار پر کیا کیا

بڑھائی رونقِ روئے حسیں پان اور مسّی نے　　بنا کر لب کو رشکِ مشک چیں پان اور مسّی نے
لیے کیا کیا دلِ ارباب دیں پان اور مسّی نے　　جزائے خیر دے خالق انھیں پان اور مسّی نے

دکھائے رنگ لعلِ بے بہائے یار پر کیا کیا

اگرچہ اپنے پہلو میں رکھا مثلِ جگر ہم نے　　نہ پڑنے دی کسی کی آنکھ تک اُس شوخ پر ہم نے
مگر اس پر بھی غیرت کی ترقی دیکھکر ہم نے　　کیا ہے ٹکڑے ٹکڑے آئینے کو بیشتر ہم نے

ہوا ہے رشکِ صورت آشنائے یار پر کیا کیا

سنبھالا ہجر میں گو لاکھ صورت ہم نے آنکھونکو　　مگر پایا بہت بے صبر و طاقت ہم نے آنکھونکو
دلا کر آخر اُمیدِ زیارت ہم نے آنکھونکو　　سجھا رکھا ہے احوالِ قیامت ہم نے آنکھونکو

بندھے گی ٹکٹکی اپنی لقائے یار پر کیا کیا

بگاڑا گیسوئے پُرپیچ نے نقشا جو سُنبل کا　　تو رُخ نے رنگ پھیکا کر دیا ہے باغ میں گل کا
نتیجا یہ ہوا اے ناصح ان اوصاف کے غل کا　　رہا مجمع ہمیشہ عاشقانِ بے تحمل کا

اڑے مفلس درِ دولتسرائے یار پر کیا کیا

اُڑائی طرزِ معشوقانہ اُس کی جامہ زیبی نے　　لیئے کتنوں کے دل نذرانہ اُسکی جامہ زیبی نے
بنا کر عقل سے بیگانہ اُس کی جامہ زیبی نے　　کیا ہے اک جہاں دیوانہ اُسکی جامہ زیبی نے

گریباں چاک ہوتے ہیں قبائے یار پر کیا کیا

ہمیں مشتاق لطفِ دید بازی سیر میں پا کر　　جِلایا آرزوئے مردہ کو پاؤں سے ٹھکرا کر
سمجھکر عاشقِ صادق وفورِ جوش میں آکر　　کیا ہے خوش خرامِ ناز کا عالم جو دکھلا کر

ملیں ہیں ہم نے آنکھیں پشت پائے یار پر کیا کیا

جہنم سے نہ ڈرتے ہیں نہ کچھ جنت کی پروا ہے
کہاں اب دوسرا کوئی نگاہوں میں سماتا ہے
نہ پریوں سے غرض مطلب نہ حوروں کی تمنا ہے
قبائے تنگ پر رکھے کلاہِ کج جو دیکھا ہے

ہماری جان نکلی ہے ادائے یار پر کیا کیا

یہاں تک شرم نے گھیرا ہے اُس آشفتہ گیسو کو
خدا غارت کرے اس کافر بے دین بدخو کو
کہ مشکل ہو گیا ہے سونگھنا زلفوں کی خوشبو کو
اُٹھانے دی نہ آنکھ اور شبِ وصل اس نے پردہ کو

چڑھا ہے جن مرے ضد سے حیائے یار پر کیا کیا

نہ دیتا کاش وہ مجھ قیس کو رنج و ملال آتش
اِدھر رخصت ہوا میں اور اُدھر سارا جمال آتش
کہ میری زندگی سے ہے یہ سب جاہ و جلال آتش
نہیں آئینہ کا میرے بعد شانے کا خیال آتش

پڑینگے پیچ گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

خمسہ بر غزل اُستاذ الاُستاذ حضرت خواجہ وزیر لکھنوی

دیکھکر سرگرم عشرت مجھ کو اتراتی ہے نیند
ناز سے انداز سے شوخی سے آجاتی ہے نیند
کچھ مزا لینے نہیں دیتی ہے ترساتی ہے نیند
وصل میں رفتار معشوقانہ دکھلاتی ہے نیند

آج کن اٹھکھیلیوں سے آنکھوں میں آتی ہے نیند

مجھ کو میدانِ تصور میں جہاں پاتی ہے نیند
یا الٰہی کیا کہوں کس طرح اٹھلاتی ہے نیند
چین سے رہنے نہیں دیتی ہے چونکاتی ہے نیند
یادِ چشم سرمگیں میں شب کو گراتی ہے نیند

صورتِ مرغِ نگہ آنکھوں سے اُڑ جاتی ہے نیند

ناز کرتی ہے نئے انداز دکھلاتی ہے نیند — پاس کب آتی ہے آٹھ آٹھ آنسو رُلواتی ہے نیند

ہائے قسمت شکلِ بسمل مجھ کو تڑپاتی ہے نیند — فرقتِ دلدار میں سہواً اگر آتی ہے نیند

آنکھ سے باہر ہی باہر آ کے پھر جاتی ہے نیند

عشق کو کچھ عام بیماری نہ سمجھا چاہیئے — جان تک لینے میں بھی عاری نہ سمجھا چاہیئے

بیخودی کو میری مکّاری نہ سمجھا چاہیئے — عین بیہوشی ہے ہشیاری نہ سمجھا چاہیئے

اہلِ غفلت کی تو بیداری بھی کہلاتی ہے نیند

جب سے دل دیگر ہوئے ہیں موردِ رنج والم — جوشِ گریہ سے رہا کرتی ہیں آنکھیں اپنی نم

صدموں پر صدمے جو دیتا ہے ہجومِ درد و غم — کروٹیں لے لے کے کٹتے ہیں شبِ فرقت میں ہم

کس طرح اے خفتگانِ خاک آ جاتی ہے نیند

فرطِ گریہ میں کہوں کیا عالمِ گردابِ چشم — کچھ بھی اب باقی نہیں اگلی سی آب و تابِ چشم

آنسوؤں سے موجزن ہے چشمۂ سیمابِ چشم — اُن کی فرقت میں نہ پوچھو سرگزشتِ خوابِ چشم

آجکل پائے نگہ کی ٹھوکریں کھاتی ہے نیند

دشت کے نزہت فزا جوبن کا جب آتا ہے ذکر — کوہ کی رنگینیِ دامن کا جب آتا ہے ذکر

لالہ و گل سنبل و سوسن کا جب آتا ہے ذکر — سبزۂ خوابیدۂ گلشن کا جب آتا ہے ذکر

تب قفس میں کوئی دم بلبل کو آجاتی ہے نیند

ہجرِ جاناں میں نہ پوچھو کیا مصیبت سہتے ہیں — آنکھوں سے آنسو کے دریا اب برابر بہتے ہیں

رات بھر ہم مثلِ انجم جاگتے ہی رہتے ہیں — فرقتِ دلدار میں سونے کو مرنا کہتے ہیں

عاشقوں میں خوابِ مرگ ایسی ہی کہلاتی ہے نیند

کیا کہوں کیونکر گزرتی ہے غمِ دلدار میں — چٹکیاں لیتا ہے درد اُٹھکر دلِ بیمار میں

آنکھیں جا لگتی ہیں چھت سے حسرتِ دیدار میں — نیند کو بھی نیند آجاتی ہے ہجرِ یار میں

چھوڑ کر بے خواب مجھکو آپ سو جاتی ہے نیند

عشق میں کھو بیٹھے نقدِ دل متاعِ صبر تک — جب بھی کوئی دن نہ پہنچے یار رشکِ بدر تک

حسرت و ارماں لیئے آئے ہم آخر قبر تک — کہتے ہیں سونا اسے چونکا نہ روزِ حشر تک

اس ہمارے بختِ خفتہ کی قسم کھاتی ہے نیند

دل کوئی صدما اُٹھائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ — کچھ جگر بھی چوٹ کھائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ

غم کوئی آکر رلائیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ — کیا غلط سمجھے وہ آئیگا پھڑکتی ہے جو آنکھ

آنکھ میں خوفِ شبِ فرقت سے تھراتی ہے نیند

رنگ کیا کیا ہجر میں مجھ زار سے لائی نہ تھی — میرے سر پر کونسی آفت بھلا ڈھائی نہ تھی

دیدۂ پُرنم سے گویا کچھ شناسائی نہ تھی — فرقتِ دلدار میں جو رات بھر آئی نہ تھی

وصل میں آتے ہوئے آنکھوں میں شرماتی ہے نیند

فرطِ غم سے رات بھر رہتا ہوں میں اندوہگیں — اس تمنا میں کہ بھولے سے بھی آجاتی کہیں

آنکھوں پر ہر چند میں رکھتا ہوں دستِ آستیں — منتظر رکھتی ہے غمزے کرتی ہے آتی نہیں

او بُتِ ترسا تری فرقت میں ترساتی ہے نیند

چلنے پھرنے کی بھلا طاقت کہاں پاتے ہیں پاؤں
شکل تارِ عنکبوت افسوس تھراتے ہیں پاؤں
سیکڑوں رنگ اس ارادے پر مرے لاتے ہیں پاؤں
کوئے جاناں سے جو اُٹھتا ہوں تو سو جاتے ہیں پاؤں
دفعتہً آنکھوں سے پاؤں میں اتر آتی ہے نیند

صدمۂ فرقت سے میں رہتا ہوں ہر دم جاں بلب
اس قدر ہوتا ہے بیشک اے مرے لیلیٰ لقب
عاشقوں کو ہجر میں راحت بھلا ملتی ہے کب
گرمیِ سوزِ جگر بیتاب کر دیتی ہے جب
ٹھنڈی سانسیں ایسی بھرتا ہوں کہ آجاتی ہے نیند

ایک مدت سے اُمید و یاس کے جھگڑے میں تھے
ہاتھ اُدھر اُٹھا اِدھر ہم تلملا کر گر پڑے
کٹ گئی گردن چلو ان سب بکھیڑوں سے چھٹے
تیغ کا پھل کھایا آبِ تیغ پی کر سو رہے
کثرتِ آب و غذا سے واقعی آتی ہے نیند

آرزوئے وصلِ جاناں ہے عبث جانے بھی دو
جو میں کہتا ہوں ذرا سُن لو عمل اُس پر کرو
اپنے سر بیٹھے بٹھائے مفت کی آفت نہ لو
صورتِ زاہد نہ جاگو حضرتِ دل سو رہو
قبلۂ من کعبۂ مقصود کہلاتی ہے نیند

یوں تو آنا ہو نہیں سکتا کہ وہ آکر ملیں
خواب میں بھی آکے دیں تسکین تو کس طرح دیں
سرگزشت اپنی کہیں میری کہانی کچھ سنیں
اس مری دیوانگی پر اے جنوں پتھر پڑیں
آنکھ کے ڈھیلے لگاتا ہوں اگر آتی ہے نیند

عشق نے آخر بنایا اپنے فن کا اوستاد
اس کو سُنکر روحِ مجنوں کیوں نہ دیگی مجھ کو داد
شکر ہے میں رنج میں بھی ہر طرح رہتا ہوں شاد
واہ ری تاثیرِ الفت بل بے فرطِ اتحاد

غش پہ غش آتے ہیں مجھ کو جب انھیں آتی ہے نیند

تم کو ایک انداز پر رہتے نہیں دیکھا کبھی
کوئی حالت ہو نہیں جاتی تمھاری دلگی
طرز ہے سب سے جدا جو بات ہے سب سے نئی
سوتے ہو تو چشم بد دور آنکھیں رہتی ہیں کھلی
فتنۂ بیدار کیا ایسی ہی کہلاتی ہے نیند

جو کوئی اے قیس ہوتا ہے محبت میں اسیر
دیکھو فرماتے ہیں فخر ناسخ روشن ضمیر
عیش کی خاطر ترستا ہے غنی ہو یا فقیر
ہجر میں ایسی ہے سو نیکی تمنا اے وزیر
دیکھتا ہوں اسکو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

خمسہ برغزل بلبل ہندوستان جناب داغ دہلوی

جب سے دل کی خواہشیں نذر حسیناں ہو گئیں
آنسوؤں کی بوندیں مثل سیل باراں ہو گئیں
بدلیں جو جو حالتیں وہ سب نمایاں ہو گئیں
جوش گریہ سے یہ آنکھیں برنیاں ہو گئیں
اب مری بیتابیاں مشہور دوراں ہو گئیں

تھی نہاں سینے میں جس خلوت نشیں کی آرزو
قسمتوں سے ہاتھ آیا جب وہ بعد از جستجو
برسوں سرگرداں رہے اسکی طلب میں چارسو
راز الفت چھپ سکا ہم سے نہ اسکے روبرو
صاف دل کی حسرتیں منہ پر نمایاں ہو گئیں

شوق آزادی میں تنگ آ آ کے قید زیست سے
بخت نے یاری جو کی تو نکلے سارے حوصلے
منتیں کرتے تھے ہم لیکن وہ کچھ سنتے نہ تھے
مر گئے ہم اک اشارے میں نگاہ ناز کے

آج اپنی مشکلیں اک پل میں آساں ہوگئیں

تو ز سر تا پا ہے بالکل قدرتِ پروردگار — کیوں نہ ہو برقِ تجلی سے زمانا بیقرار
دیکھ لے آئینہ لیکر حسن کی اپنے بہار — سیکڑوں دل ہو گئے انداز پر تیرے نثار

سیکڑوں جانیں تری چتون پہ قرباں ہوگئیں

ضبط کی ہر چند سو سو مشکل سے کی روک تھام — دل رہا قابو سے باہر بگڑے سب بن بن کے کام
جان کے لالے پڑے غم موت کا لایا پیام — دن نہ پورا ہو چکا ہم ہوگئے آخر تمام

روز فرقت کی خدا کیا سخت گھڑیاں ہوگئیں

مدتوں سے کھا رہے تھے ہم نہایت پیچ و تاب — چین سے رہنے نہ دیتا تھا غمِ خانہ خراب
لیکن اس پر بھی ذرا دیکھے کوئی یہ انقلاب — جب دیا اس نے دلاسا شب کو وقتِ اضطراب

دل کی وہ بیتابیاں سب راحتِ جاں ہوگئیں

عشق میں تو نے دیئے ہیں جسقدر رنج و ملال — زندگی ہے تو رہے گا عمر بھر اس کا خیال
کون لیگا اپنے سر بیٹھے بٹھائے یہ وبال — اب کسی سے دل لگا کر ہم نہ ہونگے پائمال

جو خطائیں ہوگئیں اے چرخ گرداں ہوگئیں

تو نے بے عقل و خرد جب سے بنایا تھا مجھے — بیخودی میں رہتے تھے جامہ دری کے مشغلے
جی کے بہلانے کی اب صورت بنے تو کیا بنے — واہ اے جوشِ جنوں آخر الجھ کر ضعف سے

انگلیاں ہاتھوں کی بھی تارِ گریباں ہوگئیں

جا گزیں رہتی تھی ہر دم میری آنکھوں میں جو نیند — ہے قسم وہ پاس بھی آ کر اگر ٹھہری ہو نیند

لحظہ ہی بھر کو سہی بھولے سے آجاتی تو نیند　　وہ نہ آئے جب شبِ وعدہ نہ آئی مجھ کو نیند

آرزوئیں دل کی سب خوابِ پریشاں ہوگئیں

میں نے مانا حق بجانب ہے تمھاری برہمی　　جز معافی ہے مگر شکلِ تلافی کونسی

کرچکو بھی درگزر حاجت نہیں تاخیر کی　　شکوے غیروں کے اگر بیجا ہیں بیجا ہی سہی

اب تو یہ گستاخیاں مجھ سے مری جاں ہوگئیں

سخت عبرت خیز ہے اے قیس آئینِ جہاں　　بے خبر ہوکر کبھی اچھا نہیں رہنا یہاں

دہر فانی پر ہے قولِ بلبلِ ہندوستاں　　داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں

جو حسیں شکلیں تھیں زیرِ خاک پنہاں ہوگئیں

خمسہ بر غزل میرزا محمد اصغر علی خان صاحب نسیم دہلویؒ

آتشِ سوزِ دروں آآکے بھڑکانے لگے　　طعنۂ بیجا سے ناحق تیر برسانے لگے

دل جلانے کو ہمارے دو دو وقت آنے لگے　　ناصحِ مشفق یہ مشقِ تازہ فرمانے لگے

دن تو تھا اب رات کو بھی آکے سمجھانے لگے

جنت و دوزخ سے کیا مطلب یہاں فرمائیے　　ہاں جو منکر ہوں انھیں للچائیے دھمکائیے

بیوقوفی پر خدا کے واسطے شرمائیے　　حضرتِ ناصح کہیں دولتسرا کو جائیے

آتے ہی سامانِ محشر آپ دکھلانے لگے

آدمی بے دردوں سے کیا اپنی کچھ حالت کہے　　کون ایسا ہے جو پورا ماجرائے غم سنے

مختصر یہ ہے کہ دم میں سیکڑوں دریا بہے — آ گئے جب یاد کچھ اس ربط باہم کے مزے

دل بھر آیا دیدۂ تر اشک برسانے لگے

کہئے میں کہتا نہیں تھا یہ کہ اے شیخِ انام — ترک مے کی خواہش ان رندوں سے ہے سودائے خام

یا وہ گو سمجھے تھے مجھ کو لیجیئے میرا سلام — پھر سبو انڈلے بھرے شیشے ہوئے لبریز جام

لغزشِ پا اپنی اپنی مست دکھلانے لگے

چند دن میں ہونگے سب سامان راحت درکنار — کچھ نہ آئے گا نظر آنکھوں کو جز گرد و غبار

رو دینگے مرغانِ خوش الحاں چمن میں زار زار — باغباں ہوشیار ہو مشتاقِ رخصت ہے بہار

رنگ بدلا گلستاں کا پھول مرجھانے لگے

عالمِ طفلی میں مجھ سے تھا انھیں وہ اجتناب — پیاری صورت کیا دکھاتے بات کرنا تھا عذاب

سب حیا جاتی رہی جب جوش پر آیا شباب — جلوہائے حسن چمکے اُٹھ گئی مُنہ سے نقاب

طرۂ گیسو کے باہم سانپ لہرانے لگے

وہ کبھی راضی نہیں ہونگے تری تقریر سے — کام کب نکلا ہے گل کا غنچۂ تصویر سے

چھوڑ دے اللہ پر جو کچھ ہو اب تقدیر سے — ہاتھ اٹھا لے چارہ گر درمان بے تاثیر سے

جائے اشک آنکھوں سے اب لختِ جگر آنے لگے

عشق میں کھو بیٹھے سب کو واہ ری مردانگی — صبر و طاقت سے لگا یا رشتۂ بیگانگی

تھا اگر کچھ بھی جو پاسِ صحبتِ فرزانگی — خوب روئے دیکھ کر ہم زیورِ دیوانگی

جب احبّا پاؤں میں زنجیر پہنانے لگے

مفلسی میں آگیا تھا بھول کر عقبیٰ کا ہوش — توڑ کر جام و سبو بیٹھے تھے گھر گھر بادہ نوش

ابر و باراں دیکھکر پھر کا جو میخواری کا جوش — بھٹیاں روشن ہوئیں چمکی دکانِ میفروش

رخصتِ توبہ ہوئی زہاد گھبرانے لگے

بیخودی کی باتیں کرتے پھرتے ہیں سب دل چلے — ہائے دو دن بھی نہیں اچھی طرح پھولے پھلے

باغ سے سر میں ہوائے دشت وحشت لے چلی — فصلِ گل آئی بڑھے جوشِ جنوں کے ولولے

دی صدا زنجیر نے پھر پاؤں کھجلانے لگے

دور ہونے کا نہیں یہ قیس کا غم اے نسیم — حسرتوں کا رات دن رہتا ہے ماتم اے نسیم

وصل کی شب کا کہیں کیا تم سے عالم اے نسیم — مانعِ وصلت ہوئی وہ شرم باہم اے نسیم

وہ رکے اپنی طرف ہم آپ شرمانے لگے
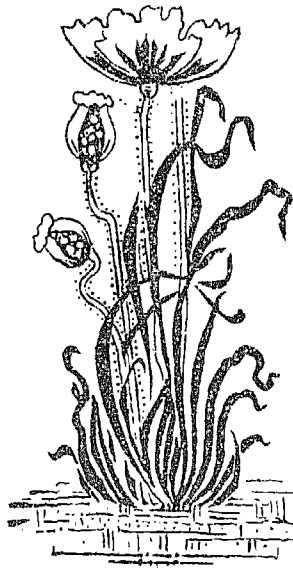
قطعات تواریخ نوشتہ مصنف بمواقع مختلفہ

قطعہ تاریخ تالیف ازاحۃ الاغلاط مؤلفہ مولوی محمد ظہیر احسن شوق مرحوم نیموی عظیم آبادی خواجہ تاش مصنف مدظلہ

چو ایں نامہ را شوق تالیف کرد
کزو حسن تحقیق آمد پدید

ضمیر از پئے سال تاریخ گفت
کلام خجستہ نہالِ اُمید

۱۳۰۰ھ

قطعہ در نوید ولادت عزیزم محمد عبد الحق زاد اللہ عمرہ و علمہ

(۱۸۸۴ء)

للہ الحمد خالقِ اکبر
ایزدِ پاک صاحبِ افضال

بارور کرد نخلِ اُمیدم
دامنِ آرزو ست مالا مال

یعنی وقتِ غلس ز دو شنبہ
داد طفلے سعید فرخ فال

ے یہ قطعہ اُس وقت کا ہے جب مصنف نے التزاماً شاعری کے دائرے میں قدم نہ رکھا تھا اور نہ کسی کو استاد بنایا تھا محض موزونی طبع سے کچھ نظم کر لیا کرتے تھے اسی لیے اس میں ضمیر تخلص رکھا ۱۲ برق سشیر پوری

شد مسمّی بنام عبدالحق — حافظش باد ایزدِ متعال
چارمی از جمادی الاولیٰ است — روز میلاد آن خجستہ خصال
قیس گفت از برای تاریخش — نیک طالع نجیب و خوش اقبال

۱۳۰۱ھ

قطعات سال ترتیب خزانہ خیال دیوان اوّل حضرت مولینا محمد عبدالاحد شمشاد علیہ الرحمۃ والرضوان لکھنوی اُستاد مصنّف مدظلہ

وحیدِ زمان اوستادِ زمن — فصیح اللسان جان ہر علم و فن
کہ عبدالاحد نام نامی اوست — بشمشاد مشہور باغِ سخن
برامثال خود برد گوی سبق — بنظمِ مضامین و فکرِ کہن
چو ترتیب فرمود دیوان خود — شد ایجاب سال آن سوے من
چہ خوش نغمہ زد بلبلِ طبع قیس — گلِ گلشنِ طبع کام سخن

۱۳۰۲ھ

ایضاً

للہ الحمد بحسنِ وافر — شد مرتب چو کلامِ استاد
قیس تاریخ مسیحی گفتم — نغمۂ بلبلِ طبعِ شمشاد

۱۸۸۵ع

قطعہ سال رحلت استاذی

بحر العلوم جناب مولانا حافظ حاجی ابوالحسنات محمد عبد الحی مرحوم لکھنوی

از وفات جناب عبد الحی — زلزلہ در قصور علم افتاد
منطقی فلسفی ریاضی داں — نیک دل نیک نفس نیک نہاد
علم فقہ و اصول راز نیت — حاملان حدیث از دل شاد
ہند را بود فخر بر ذاتش — لکھنؤ از کمال او آباد
تشنگان فنون سیر شدند — چوں در فیض عام خود بکشاد
برمن قیس ہم نظر کردہ — شمۂ از فیوض خویش بداد
ایں خبر چوں بگوش من برسید — برلب آمد ز درد وا استاد
فکر کردم برای سال وفات — تا شوم ساعتے زغم آزاد
ہاتفم گفت از سر بالیں — رحمت حق بروح پاکش باد

۲ ـ ۱۳۰۴ ـ ۲
۱۳۰۴ھ

القصيدة التاريخية في انطباع الادب المفرد للبخاري رحمه الله الباري

لك الحمد يا من من كنوز المواهب — عطاني علوما في دهور الشبائب

نُصَلِّی عَلٰی مَنْ جَآءَ نِیْ مِنْکَ رَحْمَۃً
نَبِیًّا رَسُوْلًا کَاشِفًا لِّلْغَیَاهِبِ
وَبَعْدَهٗ یَا خُلَّانُ اِنِّیْ مُبَشِّرٌ
بِطَبْعِ لِّهٰذَا مِنْ اَجَلِّ الرَّغَائِبِ
کِتَابُ اَدَبٍ مُفْرَدٍ لِمُحَمَّدٍ
اَدِیْبٍ اَرِیْبٍ شَیْخِ اَهْلِ الْمَنَاقِبِ
اَمَامِ الْبُخَارِیْ جَامِعٍ لِّصَحِیْحِهٖ
نَجِیْبٍ شَرِیْفٍ صَادِقٍ غَیْرِ کَاذِبِ
اَفَاضَ عَلَیْهِ اللّٰهُ جَزْلَ عَطَائِهٖ
لَقَدْ بَلَّغَ الْعِلْمَ بِاَقْصَی الْمَرَاتِبِ
قَدِ اهْتَمَّ بِهٖ صَاحِبُ الزُّهْدِ وَالتُّقٰی
مُسَمًّی بِاِدْرِیْسٍ شَهِیْرِ الْجَوَانِبِ
وَجَاهَدْتُّ فِیْ تَصْحِیْحِهٖ قَدْرَ وُسْعَتِیْ
فَکُوْنُوْا خِلَالِیْ لَا طَلُوْبَ الْمَعَائِبِ
فَاِنْ کَانَ فِیْهِ سَهْوُنَا اَوْ خَطَاؤُنَا
فَنَرْجُوْکُمُ الْعَفْوَ لَنَا وَلِکَاتِبِ
هَلُمُّوْا هَلُمُّوْا بَادِرُوْا فِیْ شِرَائِهٖ
فَوَاللّٰهِ هٰذَا مَخْزَنٌ لِّلْعَجَائِبِ
فَقَدْ قَالَ فِیْ تَارِیْخِهِ الْقَیْسُ جَاهِدًا
کِتَابٌ عَجِیْبٌ بَابُ تُثْقِفِ الْمَطَالِبِ

سنہ ۱۳۰۶ ہجری

القصیدۃ لتاریخ طبع القصیدۃ النونیۃ المسماۃ بالکافیۃ الشافیۃ
فی الانتصار للفرقۃ الناجیۃ للامام ابی عبد اللّٰہ محمد بن ابی بکر بن ایوب
المعروف بحافظ ابن القیم الجوزیۃ رحمہ اللّٰہ تعالٰی

حَمْدًا لِرَبِّی الْخَالِقِ الدَّیَّانِ
شُکْرًا لَهٗ فِی السِّرِّ وَالْاِعْلَانِ

حرف حرفش کار جادو میکند	می بر داز سامعین تاب و شکیب
قیس تاریخ مسیحیش نگاشت	گفت تنہا مثنوی دلفریب

سنہ ۱۸۸۸ء

ایضاً فصلی

ہدیۂ احسن از قیس آروی مجمع کمال جناب تنہا

سنہ ۱۲۹۶ ف

خاطرم جست چو سالِ فصلی	بہر این نسخۂ نادر زیبا
نغمہ زد بلبل طبعم اے قیس	منزلِ جودت فکرِ تنہا

سنہ ۱۲۹۶ ف

قطعۂ تاریخ طبع تفسیر سورۂ تحریم مصنفہ جناب قاضی حافظ مولوی محمد کریم محرم آروی

قطعۂ یادگارے از محمد ضمیر الحق قیس

سنہ ۱۸۸۹ء

بحمد اللہ چو این نظمِ خجستہ	مفسر بہر آیاتِ منزّل
ز جرے فاضلے مشہور عالم	محمد با کریم اسمش مسلسل
درین ایام فرخندہ مبارک	بحسنِ طبع گردیدہ مبجّل
چہ خوش اے قیس گفتم سال طبعش	شدہ مطبوع تفسیر مکمل

۱۳۰۶ ہجری

قطعۃ التاریخ لطبع الصحیح للبخاری مع شرح فتح الباری فی مطبع الانصاری

الا یا معشر العشاق ھذا — صحیح جامع الکلم الصواب
وتجری تحتہ انہار شرح — نقیع ماؤھا احلی الشراب
ھلموا فاشتروا من غیر مہل — فھذا مخزن العجب العجاب
جزی اللہ من اھتم بھذا — بجھد بالغ یوم الحساب
لقد قال المؤرخ فیہ قیس — جری النھران من طرز الکتاب

سن ۱۳۱۰ ہجری

قطعہ تاریخ طبع تبیان الشواہد مؤلفہ مولوی حکیم ابویحیی محمد زکریا صاحب مظفرپوری

کتاب شاع فی الافاق من تصنیف ذی علم
وذی فضل ابی یحیی جلیل الشان والقدر
فحینما استسبب لطبع قال القیس مرتجلا
بدا ما کان مخفیا فجاء النجم کالبدر

سن ۱۳۱۶ ہجری

ایضاً

عالم با عمل ابو یحیی — مخزن علم و معدن تدقیق
کرد تالیف در طلاق ثلث — نسخۂ نیک قابل توثیق

مرحبا مرحبا جزاک اللہ | در حق و باطل ایں چنیں تفریق
کار تنقیح از کسے ناید | تا نباشد موفّق از توفیق
قیسؔ تاریخ انطباع نوشت | کوششِ روح مشعلِ تحقیق

۱۸۹۸ء

قطعہ سال انتقال عالم باعمل جناب مولینا حافظ حاجی ابو محمد ابراہیم آروی رحمۃ اللہ علیہ

حیف صد حیف از فراقِ عالمے شیریں بیاں | آنکہ مثلش کس ندیدہ حق پژوہ و حق شناس
بو محمد کنیتش می داشت ابراہیم نام | وصف زہد و ورع او بیروں تر از حدِّ قیاس
در حریم کعبہ جانِ خود بحق تسلیم کرد | بر تنش چیزے نبود آندم جز احرام از لباس
بہر سالِ ارتحالش گفت قیسِؔ دل حزیں | راہیِ ملکِ بقا شد شاہدِ قدسی اساس

۱۳۱۹ھ

قطعہ سال ارتحال

فخر المحدثین شیخ الکل شمس العلماء حضرت مولینا السید محمد نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ و جعل الجنۃ مثواہ

شیخ الحدیث مصنف مدظلہ

باکہ گویم حال زار ابتلاے خویشتن | ہیچکس نبود مرا چوں چارہ ساز و غمگسار

تابکے نالم ازیں بے مہریِ دنیاے دوں
تابکے شور و فغاں اے زندگیِ مستعار

آنکہ از دریاے فیضش بود خلقے مستفیض
آنکہ در علم و عمل می داشت اعلیٰ اقتدار

آنکہ سرتاجش محمد بود مولانا نذیر
آنکہ اسمش بود کامل باحسین ذی وقار

آنکہ شیخ الکل لقب می داشت و شمسِ عالماں
آنکہ از زلہ ربایش ہست قیسِ دلفگار

ہادیِ دینِ مبین و حاملِ شرعِ متین
کَانَ فِی اَوَانِہٖ کَالشَّمْسِ فِیْ نِصْفِ النَّہَار

روز و شب می داد درسِ فقہ و قرآن و حدیث
در اشاعاتِ سنن می داشتش خدمتگذار

وقتِ مغرب روز دوشنبہ بُد از ماہِ رجب
سایہ از فرقم کشید و رفت سوے کردگار

جسم خاکی بود خاکی را بخاک اندر سپرد
جان کہ نورے بود بر جاں آفریں کردش نثار

چوں نگردد ہر دو از قلب و جگرہا پاش پاش
چوں نباشد در غمِ او چشم عالم اشکبار

اللہ اللہ از لبِ ہر کس ہمی آمد صدا
در فراقش چوں زیم زیں گردشِ لیل و نہار

مقتداے قوم بود و پیشوا و رہنما
کز وجودِ ذات پاکش دین حق بود استوار

قدسیاں ترحیب خواندند و بدادندش دعا
کاے خدا بادش فردوسِ بریں دار القرار

شد معطر از شمیمِ روح او ہفت آسماں
شورشے برپا شد آنجا کیست ایں والاتبار

ہاتفِ غیبی جوابش گفت با سالِ وفات
عابد و قدسی نژاد و متقی پرہیزگار

۱۳۲۰ھ

قطعہ تاریخ بنائے مسجد مولوی عبدالعزیز رئیس موضع اسلام پور پرگنہ سورجاپور ضلع پورنیہ

میاں عبدالعزیز اسلام پوری
کہ جن سے اوج پر یہ سرزمین ہے
بنائی ہے اُنھوں نے ایسی مسجد
ثنا خواں جس کا ہر اہلِ یقین ہے
کہی تاریخ قیسِ آروی نے
عبادت خانۂ اقطاب دین ہے

۱۳۲۵ھ

قطعات تاریخ ترتیب و طبع دیوان سید محمد اسمعیل مختار نطق مرحوم ساکن موضع بھداسی ضلع گیا

تاریخ ترتیب

بہ سلکِ بیاں کے تواں آمدن
گہر ہائے اوصاف شایان نطق
حبیبے کہ از مخلصانِ من است
فروزندۂ شمع ایوان نطق
کلامِ شگرفش چو تدوین یافت
تجلی دہِ عزت و شان نطق
بہ دریائے فکر از پے سال آں
شدم غوطہ زن حسب فرمان نطق
چہ خوش ملہمِ غیبم اے قیس گفت
ببیں پاک ترتیب دیوان نطق

۱۳۲۹ھ

تاریخ طبع

یہ دیوان معجز بیاں نطق کا
بصد حسن چھپ کر ہوا جب تمام

کہا میں نے اے قلیسؔ مصرع سال	ہے بہتر یہ بے مثل زیبا کلام

۱۳۳۰ھ

قطعات تواریخ تعمیر مکان مولوی حکیم محمد احسن صاحب ساکن سیوان ضلع سارن

منجانب مسٹر محمود حسن صاحب منصف بیادگار زوجۂ خود بنت حکیم صاحب موصوف

چو محمود منصف دُرِ بحر خلق	شد از فوت بانوے خود دردمند
بنا کرد ایں خانۂ پُرشکوہ	کہ تا یادگارش بود دلپسند
پے سال تاریخ بنوشت قلیسؔ	فلک رتبہ قصر و مکانِ بلند

۱۳۳۰ھ

ایضاً

مجمع اوصاف محمود حسن منصف نے جب	اپنی بی بی عایشہ کے غم سے ہوکر بیقرار
مولوی احسن کا گھر دو منزلہ بنوا دیا	تاکہ اُس مرحومہ کی ہو جائے قایم یادگار
مصرعِ تاریخ قلیسِ آروی نے یوں کہا	کیا بنایا مرحبا یہ پاک قصرِ شاندار

۱۳۳۰ھ

قطعۂ ملال ابن مولوی عبد الغنی صاحب آروی

۱۹۱۵ء

بشش سالگی ابن عبد الغنی	سوے جنتِ جاودانی برفت
پے لوح تربت رقم کرد قلیسؔ	صفی احمد از سیر فانی برفت

۱۳۳۴ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان دوم جناب منشی مولوی محمد نوح صاحب نوح ساکن قصبہ مارہرہ ضلع الہ آباد

شاگرد و جانشین داغ مرحوم دہلوی

مرحبا اے شوخیِ طبعِ رسا صد مرحبا — کس قدر گوہر فشاں ہی خامۂ گلریز نوح
رنگ ہر ہر بیت میں ہے آپکے اُستاد کا — عرش سے لاتا ہی مضمون اوجِ فکرِ تیز نوح
داغ کے داغوں کو سینوں سی مٹانے کیلئے — ہے مشامِ جاں میں عطرِ نظمِ عنبر بیز نوح
مست ہو جاتے ہیں سارے میگسارانِ سخن — جب چھلکتا ہے کہیں پر ساغرِ لبریز نوح
تیر برساتے ہیں گویا عاشقوں کی جان پر — سُنکے رو دیتے ہیں لوگ اشعار دردانگیز نوح
دوسرے دیوان کے چھپنے کا قطعہ لکھنے کو — میری جانب دیکھکر ایماے لطف آمیز نوح
اس طرح اے قیس ہاتف نے کہا مصرع سال — موجزن ہے آج برقِ طبعِ طوفاں خیز نوح

۱۳۳۵ھ

قطعہ تاریخ ارتحال اُستاذی جناب مولانا مولوی محمد عبد الاحد شمشاد لکھنوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تا کجا این سرد مہری ہایت اے پیرِ فلک — حیف در یک دم زدن باغِ سخن برباد شد
از امیرِ نکتہ دان و داغ و تسلیم و جلال — پیش و پس یک یک رواں سوے عدم آباد شد
ہمصفیرانِ سخن سنجان باعز و وقار — بود اُستادم کہ او ہم مورِدِ بیداد شد
ضعف معدہ رو نمودش با سقوطِ اشتہا — وز فواقِ آخرِ تنِ او قصرِ بے بنیاد شد

سرزمینِ مولدش اورا بسوے خود کشید ؎ چوں بغازی پور از بیچارگی ناشاد شد
راست نامد فکر وسعیِ دردمندانِ وطن ؎ ہر کسی در لکھنؤ ہم قاصر از امداد شد
پنجشنبہ بست وپنجم از مہِ ذیقعدہ بود ؎ کز جنابِ حق بوصلِ خویشتن ارشاد شد
عین وقتِ صبح صادق طائرِ روحش پرید ؎ بلبلِ گلزارِ معنی را اجل صیاد شد
محوِ تہلیل از زبان و محوِ تسبیح از نفس ؎ رو بجنت کردہ از قیدِ بدن آزاد شد
از وفاتِ آں چناں فیاض یکتاے زماں ؎ ہر کہ و مہ گرم مشقِ نالہ و فریاد شد
مقتداے قوم عبدالباری از اقران او ؎ مغفرت خواہ از خداے عالمِ ایجاد شد
بعد دو ساعت ز میلِ شمس با جمعے کثیر ؎ کرد ادا بروے نماز و ختم ایں روداد شد
در زمینِ باغ شاہ انوار آں گنجِ علوم ؎ از نظر پنہاں ہم آغوشِ اب و اجداد شد
قیسؔ دلریش و حزیں بنوشت تاریخِ وصال ؎ عازمِ ملکِ بقاے جاوداں شمشاد شد

۱۳۳۵ھ

قطعہ سالِ رحلتِ استاذی و مولائی جناب مولانا حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ غازی پوری

رخت ہستی بست از دنیا سوے دارالبقا ؎ آنکہ اسمش بود عبداللہ ذو فضلِ عجیب
بود استادِ من و استادِ استادانِ دہر ؎ حافظِ قرآن و ہم مفتی و ہم خوشگو خطیب
در علومِ عقلی و نقلی و ہم در شاخہاش ؎ کس نہ دیدہ بود مثلش بدل فاضل ادیب

از فلو انزا بشہرِ لکھنؤ جانش گسست	زیرِ خاکِ خاکداں شد ہمدراں جاآں لبیب
قیس گفتا سالِ رحلت در غم و سوزِ فراق	آہ اے بحرِ جلال و عز و شاں جنت نصیب

۱۳۳۶ ہج

قطعات تواریخ طبع دیوان جناب شاہ حامد حسین صاحب حامد عظیم آبادی

سجادہ نشین تکیہ شاہ ارزاں قدس سرہ

پئے طبع دیوان حامد حسین	فلک رتبہ و نیک و قدسی صفات
رقم کردم اے قیس مصراع سال	کلام سخن سنج آبِ حیات

۱۳۳۶ ہج

عیسوی

جانشینِ شاہ ارزاں اہل دل حامد حسین	آنکہ ہست او مست جامِ بادۂ پُر ذوقِ علم
قیس بہرِ طبع دیوانش مسیحی سال گفت	آب و رنگِ نو گلِ شاخِ نہالِ شوقِ علم

۱۹۱۸ ع

فصلی

سخن سنج و خلیق و صاحبِ سجادہ آں حامد	کہ رونق بخش نامِ شاہ ارزاں است باتمکیں
نوشتم قیس بہرِ طبع دیوانش سنہ فصلی	بیانِ دلکش و شیریں عجب محبوبِ حسن آگیں

۱۳۲۵ ف

قطعہ سالِ طبع خمخانۂ بدرِ دیوان جناب مولوی امیر حسن صاحب آروی مرحوم

شفیق و یار و ہمدم مولوی سیّد امیر احسن
ہے جن کی شاعری پر صاد ہر اُستادِ دوراں کا

تصرف سے حسن پر افضلیت کا الف لانا
عدوِّ سامریِ فن کو عصا ہے ابن عمراں کا

اشاعت سنکر اُن کے شاہدِ افکارِ روشن کی
کہوں کیا حال اپنی شادیِ بیحدّ و پایاں کا

جو حسرت مدّتوں سے گوشۂ خاطر میں مضمر تھی
وہ اب نکلی ہے بنکر عکس نورِ ماہ تاباں کا

مجھے کیوں لذت گریہ نہ ہو ہر شعر میں حاصل
کہ یاد آتا ہے نغمہ ہمصفیرانِ گلستاں کا

نہ ہیں مہر و قمر باقی نہ وجد و حشر و محسن ہیں
جِلا دیتا ہے لیکن ہاں ترانا اس غزلخواں کا

بیاضِ صبح صادق کا اثر ہے صفحے صفحے پر
سوادِ خط سے پیدا اس میں عالم سنبلستاں کا

بلاغت وہ کہ ہیں جس پر بلیغانِ جہاں صدقے
متانت وہ کہ زہرہ آب کر دے ہر سخنداں کا

عطا کر یا الٰہی دولتِ حسن قبول اس کو
قیامت تک رہے یہ سرمۂ چشم اہل عرفاں کا

ہوا میری طرف جب قطعۂ تاریخ کا ایما
سنا کر مژدۂ جاں بخش حسنِ طبع دیواں کا

کہا اے قیسؔ میں نے جذبۂ جوشِ مسرت میں
چھپا گنجینۂ نیرنگ بدرِ رشک سحباں کا

سنہ
۱۳۴۷ھ

تاریخ رحلت خان بہادر جناب حافظ مولوی محمد عبد الغنی مرحوم آروی پنشنر پوسٹ ماسٹر جنرل

قطعہ بنوحہ سرمایۂ اوج مولوی محمد عبد الغنی

۱۹۳۲ء

ہشتم از ماہِ ربیع اولین بود کاندرونِ شب بپا شور و فغاں شد

بر زبانِ ہر کسے بود ایں صدائے آفتابِ عز و جاہ از من نہاں شد

مجمع خلقِ حسن عبد الغنی آہ تن تہی کردہ بملکِ جاوداں شد

فکر کردم چوں برائے سال فوتش باتلاشِ ایں کہ با او شاں چیاں شد

ہاتفِ غیبی بگفت اے قیس بشنو گوہرِ تاباں گلزارِ جناں شد

سنہ ۱۳۵۱ ہجری

قطعہ سال ترتیب دیوان ہذا بشکوۂ دنیائے دوں

بے وفائی تیری اے دنیائے دوں ہے بلائے جانستان خاطر شکن

کیسے کیسوں کو ملا کر خاک میں چھین لیتی ہے تو اے زالِ کہن

ہائے میرے دوستانِ باصفا ہائے میرے ہمصفیرانِ سخن

سب کو پیوندِ زمیں تو نے کیا مل گئے مٹی میں وہ سب گلبدن

اُن کو اپنی ہستیِ موہوم سے کچھ نہ ہاتھ آیا بجز گور و کفن

اے خدا ان کے سروں پر حشر میں رحمتیں تیری رہیں سایہ فگن

کیا ہوئی وہ ضوفشانی بدرؔ کی
جس کے آگے تھے خجل دُرِ عدن

مہرؔ کی وہ خوش مقالی کیا ہوئی
صدقے جس پر ہوتی تھی مشقِ کہن

کیا ہوئی وہ وجدؔ کی فکرِ رسا
جس سے لیتے تھے مزا اہلِ زمن

حشرؔ کی طبعِ رواں وہ کیا ہوئی
جس میں تھی نہرِ فصاحت موجزن

کیا ہوئی محشنؔ کی پڑھنے کی ادا
مست ہو جاتی تھی جس سے انجمن

وہ قمرؔ کی نغز گوئی کیا ہوئی
جس میں رہتا سر سے پا تک بانکپن

کس قدر پھولا پھلا شاداب تھا
مجمعِ اربابِ فن کا وہ چمن

اک طرف تھے نکتہ سنجانِ صفیرؔ
اک طرف الکنؔ زباں میں بے دہن

بے کمالی میری ننگِ شاعری
اور اُن میں کا ہر اک فخرِ زمن

پھر بھی یاروں کی ہمیشا نوک جھونک
مجھ سے رہتی تھی پئے تحقیقِ فن

اس پر اُن کا لطف بیحد کیا کہوں
سب مجھی کو کرتے صدرِ انجمن

سبعہ سیّارہ کی صورت رات دن
رہتے تھے سرگرم سیرِ علم و فن

سب کے سب ایک ایک کرکے چل بسے
رہ گیا رونے کو قیسِ پُرمحن

وہ مٹے کیا مٹ گیا اُن کا کمال
ساتھ ساتھ اُن کے گیا اُن کا سخن

بدرؔ کا خمخانہ صرف اک رہ گیا
جام جم بنکر برائے اہل فن

تا ابد اللہ اسے قایم رکھے
صورتِ چشم و چراغِ انجمن

یونہیں مجھکو بھی ملا کر خاک میں
لے گی آرام ایکدن لے پیرزن

پھر کوئی کاہیکو سمجھے گا مجھے
یادو فا خدمتگزارِ علم و فن

دفعۃً پیدا ہوا سر میں خیال
جا بجا ہوں گے کچھ اوراقِ کہن

دست بردِ دہر سے باقی جو ہوں
جمع کر ڈالوں بعنوانِ حسن

کیا عجب ہے میرے مرجانے کے بعد
دیں دعائے مغفرت اربابِ فن

میں نہ ہونگا تو یہی رکھ لینگے پاس
غم غلط کرنے کو یارانِ وطن

لختِ لختِ دل کو آخر ڈھونڈ کر
جب کیا آراستہ اپنا چمن

لکھدیا ترتیب کا مصراع سال
یادگارِ رونقِ بزمِ سخن

سنہ ۱۳۵۱ ہجری

تواریخ ترتیب دیوان ہذا

از نتائج افکار گہر بار کامل علم و فن ماہر شعر و سخن جناب شاہ ابوالحسن صاحب حسن ساکن چھاتا بجھیار

علاقہ سیوان شاگرد جناب امیر مرحوم لکھنوی

مرے عزیز جو ہیں مولوی ضمیر الحق
وہ اوج عز و عُلا کے ہیں نیّرِ تاباں

کُل اُنکے لکھوں جو اوصاف تو ہو اک دفتر
میں اختصار سے لیتا ہوں کام اس سے یہاں

تمام اُنپہ ہے وصفِ مکارمِ اخلاق
وہ زہد و ورع میں بھی ہیں یگانۂ دوراں

وہ بیہقیِ زمن ہیں علوم نقلی میں
علوم عقلی و طب میں ہیں بوعلی زماں

خصوص اُنکا وہ پایہ سخنوری میں ہے آج ۔۔۔ کہ کہتے ہیں شعرا اُن کو ثانیِ سحباں
کلام اُنھوں نے مرتب کیا ہے سب اپنا ۔۔۔ ثنا و مدح میں جس کی ہے لال میری زباں
خدا کرے کہ اِسے ہو قبول عام حصول ۔۔۔ رہیں وہ تا بہ ابد خود بھی زندہ و شاداں
سُنی جو میں نے حسن یہ نوید فرحت بخش ۔۔۔ تو اس گھڑی کی مسرت کو کیا کروں میں بیاں

معاً اُٹھا کے قلم میں نے لکھدی یہ تاریخ
نفیس و نادر و بہتر ہے قیس کا دیواں

۱۳۵۱ ہجری

ایضاً

کیا کروں میں مدح اس دیوان کی ۔۔۔ خودستائش گر کلام قیس ہے
بر طریقِ داد کہتا ہوں مگر ۔۔۔ واہ کیا بہتر کلامِ قیس ہے
سر پہ سب رکھیں اسے تو ہے بجا ۔۔۔ واقعی افسر کلامِ قیس ہے
ہو گئے شیریں مرے کام و زباں ۔۔۔ شہد یا شکر کلامِ قیس ہے
رہروِ راہِ سخن کے واسطے ۔۔۔ رہنما۔ رہبر کلامِ قیس ہے
ہیں فدا سو جان سے عشاق نظم ۔۔۔ گویا اک دلبر کلامِ قیس ہے
سُنکے کہتے ہیں سخن سنجان دہر ۔۔۔ سب سے اعلیٰ تر کلامِ قیس ہے
پڑھنے والے ہیں تڑپتے لوٹتے ۔۔۔ تیر یا خنجر کلامِ قیس ہے
عاشقوں کو کیوں نہ ہو مطبوع طبع ۔۔۔ حسن کا مظہر کلامِ قیس ہے

مستفیض اس سے ہوں اربابِ سخن — فیض کا مصدر کلامِ قیس ہے
اس کے ہونگے قدرداں جوہر شناس — بے بدل گوہر کلامِ قیس ہے
اے احسن تم کہدو یہ ڈنکے کی چوٹ — ہاں جی ہاں نشتر کلامِ قیس ہے

۱۳۵۱ ہجری

قطعاتِ تواریخ انطباع ایں دیوان از شعرائے عالیمکان

آزاد مخزنِ علوم و فنون جناب مولانا حافظ قاری سید فضل حق صاحب فخر عظیم آبادی

اہلاً و سہلاً آئیں جب فرمائشیں تاریخ کی — کلاً و بعضاً اس طرف طبعِ رسا مایل ہوئی
گر عیسوی ہو با اثر مطلوب دل مدِ نظر — آزاد کہدو کارگر جذباتِ قیسِ آروی

۱۹۳۴ء

تاریخ فصلی بھی یہی بالتعمیہ بالتخرجہ — کہدو مقابح سے بری جذباتِ قیسِ آروی
ہجری بفضلِ ایزدی بے سعی حاصل ہوگئی — تاریخ بھی ہے نام بھی جذباتِ قیسِ آروی

۱۳۴۳ — سنہ ۱۳۵۳ ہجری

سلہ ان قطعات کی ترتیب میں ناظرین کی سہولت کے خیال سے ہر ہیڈنگ کو بالتزام حروف تہجی تخلص لکھکر تاریخیں درج کی گئی ہیں اس وجہ سے قطعات تواریخ کی تقدیم و تاخیر کا حضرات مورخین سے معذرخواہ ہوں اور مورخین اپنی اپنی تاریخوں کے آپ ذمہ دار ہیں۔ ۱۲۔ برق شیرپوری

احسن جامع کمالات علم و فن جناب مولوی سید علی احسن صاحب مارہروی

شاگرد رشید جناب داغ مرحوم دہلوی

وہ کہنہ سخن گو ہیں ضمیر الحق نامی
مثل گل تر تازہ ہر اک شعر ہے جنکا

مرغوب ہے مطبوع ہی مقبول جہاں ہے
دلچسپ ہے دلکش ہے کلام اُن کا سراپا

پائیں جو طباعت کی خبر گوش سماعت
مشتاق زیارت نہ ہوں کیوں دیدۂ بینا

احسن نے یہ برجستہ کہا مصرع تاریخ
لیلائے سخن قیس کا دیوان طرب افزا

۱۳۵۲ھ

اسد ہادی راہ شریعت واقف اسرار طریقت جناب شاہ اسد اللہ صاحب منیری عظیم آبادی

دامت برکاتہ

دیوان جناب ضمیر الحق مطبوع شدہ مطبوع شد
ایں مصحف شرح معانی را ایدل تفسیر کبیر گو

چو جناب مصنف شہر طیب و ہم نکبار شہر خود است
سال طبعش اے طبع رسا دیوان ضمیر کبیر گو

۱۳۵۲ھ

ایضاً

ایں کلام قیس با علم و ہنر
تحفۂ مطبوع انس و جان باد

سال طبع وے بالفاظ دعا
طبع گفتار مغان جان باد

۱۳۵۲ھ

ایضاً

سخنِ معطر باغ فکرِ ضمیر نظم فصیح ہے گل باغ فکر اسی لیے سن طبع اسکا صحیح ہے

۱۳۵۳ ہجر

باقی جامع معقول و منقول علامہ ادیب لبیب جناب حافظ مولوی محمد فضل الرحمن صاحب غازیپوری

لکچرار عربی کلکتہ یونیورسٹی

یہ دیوان قیسِ سخندان کامل — سراپا ہے آئینہ حسنِ بیاں کا
خیالات پاکیزہ - اشعار ایسے — کہ سنکر تڑپ جائے دل نکتہ داں کا
بلندیِ فکرِ رسا کی بدولت — ملا ہر زمیں کو شرف آسماں کا
ہراک شعر سے ہی ہراک لفظ سے ہی — عیاں فیض شمشاد خلد آشیاں کا
چھپا جب تو باقی نے تاریخ لکھی — یہ دیوان ہے شاعرِ تر زباں کا

۱۳۵۳ ہجر

برق مشہور غرب و شرق جناب مولوی محمد یعقوب صاحب پوری عظیم آبادی

شاگرد جناب نوح ناروی الہ آبادی

حضرتِ قیس آپکا دیوان ہے — آسمانِ حسن کا ماہِ منیر
جس کو دیکھو بتلائے ذوقِ شعر — جس کو دیکھو دام حسرت میں اسیر
غلغلہ پہنچا کہاں سے اب کہاں — قبر میں دل شاد ہیں مرزا دبیر

قدردانی اسکی ہاتف دیکھکر | بول اُٹھا ہے کلامِ دل پذیر
برق تو بھی لکھدے یہ تاریخ طبع | جلوۂ دیوانِ زندہ بے نظیر

۱۳۵۲ھ

برق متصف اوصاف معنوی و صوری جناب میر محمد عبد الغنی صاحب شیر پوری عظیم آبادی

خواہرزادہ و شاگرد حضرت مصنف مدظلہ

ہوا جلوہ گر چھپ کے جذبات قیس | کہ جس میں یہ سب خوبیاں ہیں صریح
خیالات پاکیزہ ترکیبیں چست | مضامین صاف اور لفظیں صحیح
لکھا برق نے اس کا مصراع سال | چھپا یہ کلام بلیغ و فصیح

۱۳۵۲ھ

ایضاً

میرے خالِ محترم کا کاش چھپ جاتا کلام | مدتوں سے یہ تمنا دل میں رکھتا تھا فقیر
شکر ہے اللہ کا پوری ہوئی وہ آرزو | طبع کا زیور پہنکر ہو گیا شہرت پذیر
ظاہری صورت میں ہے تاثیر مقناطیس کی | اور حسنِ معنوی میں دلکش و برنا و پیر
دیدۂ انصاف سے دیکھیں اگر اہلِ نظر | کیا عجب ہے اس سے حاصل ہو انھیں لطفِ کثیر
ہو کے خوش لکھا صحیح سال اسکا میں نے برق | چھپ گیا کیسا کلامِ پر شکوہ بے نظیر

۱۹۳۴ء

ایضاً

واہ کیسا چھپ گیا با آب و تاب
قیس کا دیوان روحِ شاعری

دیکھیے تو سب کے سب موجود ہیں
باطنی اوصاف ہوں یا ظاہری

سال فصلی اس کا لکھا برق نے
ہے یہ نظمِ لاجواب ساحری

۱۳۴۲ ف

بسمل صاحب زہن قادر جناب محمد ابوالحسن صاحب بی اے جمالپوری آروی

ہیڈ ماسٹر مڈل انگلش اسکول چین پور ضلع شاہ آباد

چو مطبوع گردید دیوان قیس
چہ دیوان، کہ مثلش کسے دید کم

ندا آمد از غیب بسمل نویس
"خیالات عالی" ز روئے رقم

۳ ۵ ۱ ۱   ۲۰۰

۱۳۵۳ ہجری

ایضاً

ماشاء اللہ یہ شاعر کا ہے دیوان بسمل
یا ضیا پاش کوئی چرخ سخن پر ہے ہلال

آرہی ہے یہ صدا غیب سے "از روئے وثوق"
حضرت قیس کا دیوان ہے تصویر خیال

۱۳۴۷ ہجری

۵۳ ——— ۱۳ ہجری

ایضاً

چھپ گیا دیوان جناب قیس کا
سحر ہے جنکا کلام دلپذیر

ہیں ضمیر الحق تخلص قیس ہے
قابلیت ہے مسلم آپ کی
آپ کے دیوان کی کیا بات ہے
فکر ہے بسمل اگر تاریخ کی

ہے سخن میں خوبیِ داغ و امیر
عالم جید، طبیبِ بے نظیر
سچ تو ہے عاجز ہے چشم خردہ گیر
سچ کہو ہر شعر آوازِ ضمیر

۱۹۳۴ء

تمنائے دُر دانہ بحر فصاحت گوہر تابان کان بلاغت جناب مولوی محی الدین صاحب تمنا عمادی مجیبی پھلواروی

شاگرد حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

ہیں خواجہ تاشِ محترم بھائی ضمیر الحق مرے
اے توبہ میں نے کیا کہا ہیں یہ تو وہ معجز بیاں
سوچ مضامیں میں اگر سو حسن باطن پاؤ گے
اُس کے کمالِ فن کا ہم کیا تذکرہ چھیڑیں کہیں
منکر سے بھی منکر کو ہیں تسلیم ان کی خوبیاں
عالم بھی ہیں اور باعمل کہتے ہیں لیکن شعر وہ
ہر گھونٹ میں آنے لگا آغاز مجلس کا مزا
اک بار اس دیوان کو دیکھے کوئی مضطر اگر
لکھدے تمنائے حزیں مصرع یہ سالِ طبع کا

جو رکھتے ہیں اشعار میں پوشیدہ رنگِ ساحری
عاجز ہے جنکے سامنے افسون سحرِ سامری
دیکھو عبارت کو تو ہے مملو ز حسنِ ظاہری
فن آرہا ہے جسکے گھر خود کا بِز اعجز کا بسر
یاں قشقۂ اسلام ہے زیبِ جبینِ کافری
آجائے جن پر وجد میں ہر چشتی و ہر قادری
ہے گرچہ بزمِ عمر کا یہ دور دورِ آخری
جمعیّت خاطر بنے ساری پریشان خاطری

مجنون فکر قیس ہے لیلائے نجد شاعری
۱۳۵۲ھ

ایضاً

سرمایۂ گنجِ علم وہنر وہ بھائی ضمیر الحق صاحب | مالک کی عنایت سے جنکو ہر طرح کی نعمت حاصل ہے
علم الادیان کے وہ ماہر علم الابدان میں وہ کامل | پھر شعر و سخن میں بھی اُنکا کوئی نہیں مدِّ مقابل ہے
ہیں عالمِ دین و طبیبِ اجل شاعر اور صاحبِ علم و عمل | کس درجہ ہیں وہ فن میں کامل سمجھیگا وہی جو کامل ہے
صد شکر چھپا دیوان اُنکا جو گوہرِ بحرِ معانی ہے | دیوان بھی وہ کہ نظیر اس کی دکھلائے کوئی یہ مشکل ہے
ہر شعر ہے اک سرسبز چمن ہر مصرع ہے اک گلدستہ | سچ پوچھو اگر تو یہ دیوان بس دیکھنے ہی کے قابل ہے
ہے فکر جو سال طباعت کی لکھ بھیجو تمنایہ مصرع | کیا قیس زبان داں کا دیوان لیلائے سخن کا محمل ہے

۱۳۵۴ھ

ثاقب معدن کمالات و مناقب جناب مولوی میرزا ذاکر حسین صاحب لکھنوی

چھپ گیا مجموعۂ جذباتِ قیسِ نکتہ داں | باہمہ حسنِ صفاتِ باطنی و ظاہری
گلفشاں ہے خامۂ ثاقب پئے تاریخ طبع | قیس کا دیوان ہر آئینہ ہے روحِ شاعری

۱۳۵۴ھ

حافظ۔عالم باعمل شاعر بیبدل جناب ابو الصالح حافظ مولوی عبداللہ صاحب مشکی پوری منگیری

تلمیذ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

لو مبارک! بادہ خوارانِ سخن روشن ضمیر | کھل گیا ہے اب درِ میخانۂ دیوانِ قیس

درد مندانِ سخن سُنکر خوشی سے جھوم اُٹھے / نسخۂ صحت ہوا افسانۂ دیوان قیس
وجد میں رقصاں ہوئے عشاقِ لیلائے سخن / سُن لیا جب نعرۂ مستانۂ دیوان قیس
کیوں نہوں اسپرِ فصاحت اور بلاغت جاں نثار / لیلیِ معنی ہے خود دیوانۂ دیوان قیس
چھپ گیا دیوان قیسِ آروی باصد ضیا / شمع بزم شعر ہے پروانۂ دیوان قیس
پوچھنا کیا اُس کی قسمت کا ہے جسے یہ مل گیا / وائے محرومی جو ہو بیگانۂ دیوان قیس
قدر و قیمت اسکی اے طالب سخن مجھ سے پوچھ / نقدِ جاں سے کم نہیں بیعانۂ دیوان قیس
مے گسارانِ سخن! جلدی کرو! لو ہاتھوں ہاتھ / دور میں اب آگیا پیمانۂ دیوان قیس
کلکِ حافظ نے لکھا یہ مصرعِ تاریخ طبع / شرحِ سرِّ قلب ہے افسانۂ دیوان قیس

۱۳۵۳ ھ

ایضاً

ہیں کرم فرما مرے اک صاحبِ جاہ و حشم / ہر طرح کی خوبیاں ہیں ذات میں جنکی بھری
با عمل عالم ہیں وہ اس پر طبیبِ بے بدل / علم و حکمت کی فراواں دولت انکو حق نے دی
نام ہے اُن کا ضمیر الحق تخلص قیس ہے / واقفِ اسرار فن ہیں وہ جلی ہوں یا خفی
ہیں مرے استاد بھائی شاعرِ شیریں زباں / اُن کے نورِ فکر سے بزمِ سخن تاباں ہوئی
سچ تو یہ ہے آج حافظ دیکھکر اُن کا کلام / گلشنِ شمشاد کی تصویر آنکھوں میں کھنچی
چھپ گیا دیوان بے مثل انکا جب با آب و تاب / دل کو کاوش ہوگئی تاریخ سالِ طبع کی
جی میں تھا تاریخ ہجری سن میں ہو با تعمیہ / ناگہاں اک ہاتفِ غیبی نے یہ آواز دی
لکھدو یہ تاریخ حافظ انتہائے فخر سے / چھپ گیا کیا خوب یہ دیوان قیس آروی

۳۰۰ — ۱۳۵۳ ھ

شفا جامع محاسن معنوی و صوری جناب سید سلطان حسین صاحب غازی پوری

ارشد تلامذۂ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

مرحبا صل علیٰ جذبات قیس / دلپسند و دلفریب و دلپذیر

نقطہ نقطہ جسکا رشکِ نجم ہے / جسکا ہر ہر لفظ ہے بدرِ منیر

ہر نکیلا شعر دردوں کا بھرا / مارتا ہے اہل دل کے دل میں تیر

رنگ میں ہے عشق کے ڈوبا ہوا / خون دل ہیں یا ہیں جذباتِ ضمیر

بارشِ مضموں جو دیکھی شرم سے / پانی پانی ہوگیا ابرِ مطیر

نسخۂ تحقیق ہے دیوان یہ / حرف حرف اسکا ہے پتھر کی لکیر

جس نے دیکھا کہدیا بے ساختہ / شان ہے شمشاد کی رنگِ امیر

کس قدر قیدوں میں ہیں جکڑے ہوئے / پھر بھی یہ حسنِ کلامِ بے نظیر

کوئی ہو مضمون کیسا ہی ہو سخت / آکے ہو جاتا ہے بندش میں اسیر

دیکھکر حسنِ صفائیٔ کلام / داد دیتے ہوتے جو مرزا و میر

کیوں نہ چمکے اے شفا تاریخ طبع / صبح روشن ہے کلامِ بے نظیر

سنہ ١٩٣٤ء

ضیا عالمِ علومِ عقلی و نقلی نبض شناس رموز خفی و جلی جناب مولوی حکیم محمد ظہور رضا صاحب آروی

شاگرد جناب مصنف مدظلہ

سحر دمید و در خشید نور مہرِ سخن
زبحرِ طبع برآمد درِ خوشاب ادب

بہ بیں حلاوت و لطفِ کلام و حسنِ زباں
بطبع آمدہ بے مثل انتخاب ادب

بیا و خال و خطِ شاہدِ سخن بنگر
کہ بے نقاب شدہ حسن لاجواب ادب

بدست آمدہ دیوان پے افادۂ عام
شدند اہلِ ادب خاص فیضیاب ادب

کلام پاک و معرّیٰ ز حشو و تعقیدات
بہر طریق نمودہ است احتساب ادب

باعتبار سخن پیش ماہرین سخن
نمودہ ہر ورقش بہترین باب ادب

برائے مبتدیانِ علومِ شعر و سخن
کشادہ راہ عمل بہر اکتساب ادب

زجد و جہد مصنف بیافت تکمیل
قواعدِ سخن و خوشترین نصاب ادب

بگشت خدمت و سعیِ مصنفش مشکور
بباد تا بابد از خدا ثواب ادب

بلوح زر سنہ طبعش نوشت کلک ضیا
کلام قیس بشد رونقِ کتاب ادب

سنہ ۱۳۵۳ ہجری

ایضاً

اپنا کلام طبع کرایا ہے قیس نے
دنیائے شاعری پہ یہ احسان قیس ہے

کہتے ہیں اس کو دیکھ کے سارے سخن شناس
بیحد بلند مرتبہ و شان قیس ہے

اشعار سارے نور کے سانچے میں ہیں ڈھلے
دیوان ہے کہ مہر درخشان قیس ہے
تاریخ اُس کی طبع کی لکھدی ضیاؔ نے یہ
کیا خوب یہ تجلی دیوان قیس ہے

سنہ
۱۳۵۳ھ

عشرتؔ ہزار بنیستان تحقیق و تحریر جناب مولوی خواجہ محمد عبدالرؤف صاحب لکھنوی مدیر

دیوان حکیم قیس نامی
مطبوع شدہ چو روح و قالب
عشرتؔ بنوشت سال ہجری
جذبات جناب قیس طبیب

۱۳۵۳ھ

ایضاً

ہیں ضمیر الحق طبیبِ حاذق و ذی مرتبت
دُرِ یکتائے شرافت سیدِ عالی ہمم
شاعری اُن کے لیے کچھ باعثِ عزت نہیں
سارے علم و فن میں رکھتے ہیں یدِ طولیٰ ہم
نظم میں ولکش مضامیں کا نیا انداز ہے
ہیں جنابِ شعر میں یکجا بتانِ محتشم
چھپ کے جب یہ شاہدِ افکار جلوہ گر ہوا
جی میں آیا گلفشاں ہو عیسوی سنہ میں قلم

ہاتفِ غیبی پکار اُٹھا کہ اے عشرتؔ لکھو
رُوحِ لیلائے سخن دیوان قیس محترم

سنہ
۱۹۳۴ع
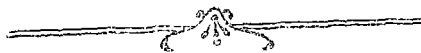
فکر صاحب طبع رسا ناظم بے ہمتا جناب سید ابن الحسن صاحب ایم اے آروی ایڈیٹر آئینہ دہلی شاگرد

یادگار جناب بدر آروی مرحوم

فکر ہیں اس کے مضامیں کیا بلند — قابلِ تعریف ہے جذبات قیس
بے سرِ زحم اسکا سالِ طبع لکھ — بے بہا تصنیف ہو جذبات قیس

سنہ ۱۹۳۴ء

فیضی بے ہمتا انوری ظہوری جناب مولوی عبد الحفیظ صاحب غازی پوری

مولوی سٹی ہائی اسکول غازیپور

حکیم ضمیر الحق قیس خوشگو — کہ ہست آفتابِ سپہر بلاغت
چو دیوان بے مثل خود طبع کردہ — شدہ ارمغاں بہر اربابِ فکرت
اگر خواہی از سال طبعش نشانے — بگو داستانِ فراق و محبت

سنہ ۱۳۵۳ھ

کشفی گہر پاش تحفۂ مخفی جناب مولوی حکیم محمد یوسف صاحب غازیپوری

جناب قیس نے دیوان خوب ہی لکھا — ہر ایک شعر ہے اسکا نشاط روح ادیب
ہوا جو طبع تو کشفی نے یہ کہی تاریخ — کلام شاعر شیریں زبان ادیب لبیب

۱۳۵۳ھ

کیفیّ مشہور نزدیک و دور جناب مولوی صدر الدین احمد صاحب رئیس آنریری منصف غازیپور

یادگار حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی

سالِ طبعِ دیوان دلجوے حکیم ضمیر الحق صاحب قیسؔ

۱۹۳۴ء

دیکھا نہ سُنا دیوان ایسا ہر شعر مرقع ہے گویا | معشوقوں کی پیاری صورت کا عشاقوں کی سچی الفت کا
طبع کی کیفیؔ تاریخ لکھو ہجری میں مسیحی سن رکھو | تیرہ سو ترپن ہجری میں قیسؔ کا اچھا دیوان چھپا

سنہ ۱۹۳۴ء

گہرؔ جامعِ علم و ہنر جناب سید ولی حیدر صاحب گہرؔ آرا مقامی ابن جناب صفیرؔ بلگرامی مرحوم

شاگرد جناب حشرؔ، بدرؔ، شورشؔ بلگرامی مرحوم مغفور

جذبات قیسؔ دیکھو مملو ہے شعر تر سے | لفظیں ہیں جس کی شیریں ترکیبیں قابلانہ
مضمون دردآگیں اشعار سب نیکلے | وامق کی داستاں ہے مجنوں کا یا فسانہ
غزلیں ہیں اس کی گویا دُرِ عدن کی لڑیاں | پیشِ نظر ہو جیسے انمول اک خزانہ
سب بندشیں ہیں عالی طرزِ بیاں نرالا | ظاہر میں عاشقانہ باطن میں عارفانہ
تاریخ طبع جس دم فکرِ گہرؔ نے ڈھونڈی | ہاتف نے یہ ندا دی لکھ مخزنِ ترانہ

سنہ ۱۳۵۳ھ

نوح عندلیب چمنستان سخن جناب منشی مولوی محمد نوح صاحب ناروی الہ آبادی

جانشین جناب داغ مرحوم دہلوی

تیغ و خنجر قیس کا دیوان ہے | دل میں چبھنے کے لیئے ہر شعر لیس
سال بھی کوئی نکیلا چاہیئے | نوح لکھدو۔ ناوکِ جذبات قیس

سنہ ١٣٥٣ ہجری

نور شاعر با شعور جناب چودھری نور الحسن صاحب ناروی شاگرد جناب نوح ناروی

واہ کیا دیوان ہے دیوان قیس | اسکے اک اک شعر میں اک بات ہے
بندشیں ہیں چست اردو ہے سلیس | قدر دانوں کے لیے سوغات ہے
بارشِ ابرِ مضامیں دیکھکر | پانی پانی شرم سے برسات ہے
کس لیئے اے نور فکرِ سال طبع | آہ کہدو قیس کا جذبات ہے

سنہ ١٣٥٣ ہجری

واقف شمع شبستان سخن سرشار بادۂ علم و فن جناب مرزا واجد حسین صاحب لکھنوی

یادگار جناب تدبیر الدولہ دبیر الملک منشی میر مظفر علی خان بہادر جنگ اسیر مرحوم

نمبرا

بیتاب ہوکے سبزۂ خوابیدہ جاگ اٹھا | جو پھول اس چمن میں تھا خنداں ہوا ہے آج

چھپنے سے واقفؔ اور بھی کچھ رنگ بڑھ گیا | دیوان قیسؔ رشکِ گلستاں ہوا ہے آج

سنہ
۱۳۵۳ ہجری

نمبر ۲

ایضاً دو بحریں

پُر اثر اور دلکش و مرغوب طبع | کہتے ہیں الفاظ سے مصنعات قیسؔ

لکھدیا دو بحروں میں ہجری یہ سن | (کہدیا) لو چھپ گیا جذبات قیسؔ

سنہ
۱۳۵۳ ہجری

نمبر ۳

ایضاً

مشک کے مانند مضامین ہیں | چھپ نہیں سکتے ہیں کمالات قیسؔ

گلشن عالم میں ہے خوشبو عیاں | وہ گل بےمثل ہے جذبات قیسؔ

سنہ
۱۹۳۴ء

نمبر ۴

ایضاً

حضرت شمشادؔ کے شاگرد ہیں | گلشن عالم میں ہے اک ذات قیسؔ

جسکے تھے مشتاق بہت قدرداں | جس میں کہ مخفی تھے کمالات قیسؔ

کہدیا واقفؔ نے یہ فصلی بھی سن

آج وہی چھپ گیا جذبات قیسؔ

سنہ
۱۳۴۳ ف

نمبر ۵

ایضاً

بلبلوں کے دل سے پوچھا چاہیئے
باغ دنیا میں ہیں کیا حالات عشق

مصرعِ آخر میں ہے سمتِ رقم
گلشن دنیا میں ہے کیا ذات عشق

پھوٹ نکلیں گے وہ اک دن بنکے بُو
گل میں جو جو بھر گئے جذبات عشق

سنہ ۱۹۹۱ بکرمی

وحشتؔ فخر ملک بنگال سخنور خوش مقال خان بہادر جناب مولوی رضا علی صاحب

پروفیسر اسلامیہ کالج کلکتہ

حضرت قیسؔ کا کلام شکر ہے آج چھپ گیا
اُس کی نرالی شان ہے جسمیں ہو ایک بانکپن

گزری ہے ایک عمر اُنھیں کرتے ہوئے سخن کی فکر
اس سے ہے اُن کے شعر میں لذت بادۂ کہن

لطف زباں کے ساتھ ہیں جو معانیِ بلند
طرز کلام سے عیاں ہوتے ہیں صد نکات فن

نازش صوبۂ بہار ذات ہو اُن کی بے گماں
اُن کے سخن کی کس طرح قدر نہ پھر کرے وطن

وحشتؔ نکتہ سنج کو فکر تھی سال طبع کی
ہاتف غیب نے کہا کہدے مراتبِ سخن

سنہ ۱۳۵۳ ہجری

عظیم[1] جامع فضائل جناب منشی علی عظیم صاحب تینوی عظیم آبادی

تلمیذ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ لکھنوی مصنف دیوان ہذا

مژدہ ای پروانۂ جاں سوز دل — گشت روشن شمع ایوانِ سخن

طبع شد جذبات قیسِ آروی — آنکہ ہست امروز سحبانِ سخن

جانشینِ حضرتِ شمشاد ہست — آنکہ بُد لاریب سلطانِ سخن

شد چو این نظمِ نگارین جلوہ گر — بہر سیرِ نکتہ دانانِ سخن

از رحیقِ معنیش بیخود شدند — ہمچو مستان میگسارانِ سخن

یافتم رنگِ تغزل پر زکیف — ہر ادای دلکشش جانِ سخن

بلبلِ گلزار فکرم را شنو — ہست بہرہ مند ازیں خوانِ سخن

در سنہ ہجری نوشتم سال طبع — نامۂ طوطیِ بستانِ سخن

سنہ ۱۳۵۳ھ

سال فصلی جستم و ہاتف بگفت — بے بہا دلچسپ بستانِ سخن

سنہ ۱۳۴۲ ف

ہست تاریخ مسیحش عظیم — گنج معجز شکرستانِ سخن

سنہ ۱۹۳۴ء

[1] یہ قطعہ دیر میں آنے کی وجہ سے خلاف ترتیب درج ہوا۔ ۱۲ برق شیرپوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

راقم الحروف محمد ولی الحق غفر اللہ لہٗ ولوالدیہ کا یہ دعویٰ کہ میں حضرت والد بزرگوار جناب مولانا ابوالخیر حکیم محمد ضمیر الحق صاحب قیسؔ آروی مدظلہٗ وادام اللہ برکاتہٗ کی لایف (سوانحعمری) لکھ رہا ہوں چھوٹا مُنہ بڑی بات اور صدائے بے ہنگام ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ آپ کا سایۂ عاطفت و شفقت ہمارے سروں پر تا دیر قایم رکھے تو یہ کام کسی ایسے منصف مزاج غیر جانبدار شخص کا ہونا چاہیئے جو آپ کے محاسن و اخلاق حمیدہ کے ساتھ ساتھ کمزوریوں اور لغزشوں سے بھی ڈایرکٹلی یا اِن ڈایرکٹلی (بواسطہ یا بلاواسطہ) کامل واقفیت رکھتے یا حاصل کرتے ہوئے آپ کے بعد اس عنوان پر قلم اُٹھائے اور واقعات کی سچّی تصویر جس کا مرقع رنگ آمیزیوں سے بالکل پاک و صاف ہو ثابت کر دکھائے وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

دنیا میں کسی ایسی ہستی کا وجود تسلیم کر لینا جو باوصف غیر معصوم ہونے کے از سرتا بقدم صفات حسنہ سے آراستہ اور لغزشوں سے مبرّا ہو ادّعائے محض ہوگا۔ اگر کسی میں دس بیس خوبیاں ہونگی تو کچھ نہ کچھ کمزوریوں کا پایا جانا بھی ضروری ہے بالعکس دس بیس لغزشیں یا کمزوریاں ہونگی تو دو چار خوبیوں کا ہونا بھی لازمی۔ ایسی حالت میں سوانح نگار کو انصاف و حق گوئی کی روشنی میں بڑی احتیاط سے اس دشوار گزار راستہ کو طے کرنا پڑے گا جو نہایت مشکل و اہم ہے۔

میں آپ کا عزیز فرزند ہوں میرا فطرتی رجحان اس بات کا متقاضی ہوگا کہ لغزشوں اور کمزوریوں کو یک لخت نظر انداز کرتے ہوئے صرف مدائح و اوصاف حمیدہ ہی کو ظاہر کروں اور اس کا خوش عقیدگی بلکہ خود ستائی پر محمول کیا جانا قرین انصاف ہوگا۔ اور مطلقاً کمزوریوں اور لغزشوں کا ذکر (جو بالکل غیر ممکن ہے) سخت نالایق اور بے ادب بنائیگا۔ اور اظہار حق کے لیئے صحیح اور ٹھیک ٹھیک دونوں رُخ اختیار کرنے میں قوی اندیشہ ہے کہ ناظرین اپنے اپنے میلان طبعی کے مطابق خلاف واقع نتیجہ نکال کر ہدفِ ملامت بنائینگے۔ غرض مجھ ایسے تعلق والے کے لیئے مفر کی کوئی صورت نہیں۔

علاوہ بریں کسی کی زندگی میں اس کی لایف لکھنا ناقابل وزن قبل از وقت کام ہوگا۔ خدا معلوم آگے چلکر اس کی بقیہ زندگی میں کیسے کیسے مواقع پیش آئیں اور اس کو کیا کیا طریق کار اختیار کرنا پڑیں۔

ان دقتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سطور ذیل میں جو کچھ لکھا جائے گا نہ تو وہ لایف

کیے جانے کا مستحق ہوگا نہ تذکرہ کامل۔ بلکہ آیندہ نسلوں کے واسطے فی الجملہ وجہ بصیرت سمجھا جائیگا۔ تاکہ سب حالات پردۂ خفا میں رہ کر طلب الکل فوت الکل نہ ہو جائیں مثلاً خاندان۔ ولادت۔ پرورش پرداخت۔ تحصیل علم۔ ازدواج۔ اولاد۔ شعر شاعری وغیر ذلک جس میں انشاء اللہ تعالیٰ نہ تو مبالغہ کا دخل ہوگا نہ اطرار کا۔ وما توفیقی الا باللہ وھو حسبی ونعم الوکیل۔

خاندان کا حال

خاندان کا حال تو تحقیقی طور پر نسب نامہ سے معلوم ہوتا جس کی نسبت بہت حسرت و افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ آپ کے خاندان کا نسب نامہ نہایت صراحت و تفصیل سے کتاب کی صورت میں لکھا ہوا آپ کے چچیرے چچازاد بھائی میر بندہ علی مرحوم کے پاس موجود تھا مگر خاندان کے باقی افراد میں سے کسی فرد نے اصل یا اس کی نقل حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی اور غلطی سے خاندان کے شخص واحد کے پاس موجود رہنا کافی سمجھا۔

سیّد بندہ علی مرحوم نے اپنی سسرال بیاپور میں (جو آبائی مسکن سے تھوڑے ہی فصل پر واقع ہے) سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں لاولد انتقال فرما گئے۔ اب بھی کسی کو احساس نہ ہوا کہ نسب نامہ کی سی اہم چیز کو اُن کے سسرال والوں سے لے لیتے۔

سسرال والوں کے کس کام کا تھا کہ اس کی حفاظت کرتے جب دیمکوں نے

بُری طرح خراب کر دیا تو باقیماندہ حصّے کو اُن کے خسر زادے نے دریا بُرد کر دیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

والد ماجد مدظلہٗ کو جب نسب نامہ کی تلاش ہوئی تو میر بندہ علی مرحوم کے خسر زادے سے بہت طرح کہا کہ تمھارے کس کام کا ہے مجھے دیدو چاہو تو خدمت کرنے کو بھی طیار ہوں اُس وقت اُنھوں نے قسم کھا کر بیان کیا کہ "بہت دنوں تک میرے پاس محفوظ تھا کسی نے اس کی خواہش نہ کی آخر جب دیمکوں نے زیادہ تر اس کا حصہ خراب کر دیا تو میں نے بیکار سمجھکر دریا میں ڈالدیا"

ہاں اتنا معلوم ہوا ہے کہ والد مدظلہٗ کے چچیرے دادا کی اولاد البنت کے پاس بھی اس کی نقل بعینہ موجود ہے مگر وہ حضرات کسی مصلحت سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے واللہ اعلم اگر یہ صحیح ہے تو خدا اُن کو توفیق دے کہ شایع کر دیں یا کرادیں۔

حاجی پُور ضلع مظفر پُور صوبہ بہار کے محلہ جڑوہہ میں ایک بزرگ مولوی عبدالباری صاحب مرحوم تھے جنھوں نے عند الملاقات والد صاحب مدظلہٗ سے فرمایا تھا کہ میرے پاس آپ کے خاندان کا بھی نسب نامہ ہے (جس کی وجہ آگے چل کر معلوم ہوگی) میں اس وقت بیمار ہوں پروردگار عالم نے صحت بخشی تو انشاء اللہ تعالیٰ نکالکر بھیجدونگا لیکن افسوس ہے کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے اسی سلسلۂ علالت میں رہگرائے عالم بقا ہو گیے۔ اُن کی اولاد بصیغۂ روزگار اکثر بنگالے کی طرف رہنے لگی جس سے ملاقات دشوار ہو گئی نسب نامہ ملے تو کیونکر ملے لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا لسنتہا۔

ہیں نے اتنا پتہ دیدیا ہے کہ شاید مجھے یا میرے عزیزوں میں سے کسی کو بلجائے تو اس کو حاصل کر کے محفوظ کر لیں۔

نسب نامہ اب سے تھوڑے دنوں قبل تک موجود تھا اس کے دیکھنے والے اور آپ کے خاندانی حالات نجابت شرافت حسب نسب کے جاننے والے بہت لوگ زندہ تھے جہانتک ان لوگوں سے معلوم ہو سکتا تھا وقتاً فوقتاً دریافت کر کے والد صاحب مدظلہٗ نے نوٹ کر رکھا تھا جو اس وقت میرے لیے چراغ ہدایت کا کام دے رہا ہے۔

آپ کے جدّی مورث اعلی سیّد یوسف قدس سرہٗ سدیسو پوری[ل] عظیم آبادی سادات بہار میں ممتاز درجہ کے اولیاء کبار سے سمجھے جاتے تھے۔ اور ننھیالی رشتہ حضرت خواجہ معین الدّین حسن سنجری چشتی اجمیری قدس سرہٗ سے ملتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ سیّد یوسف قدس سرہٗ کو حضرت مخدوم یحیٰی منیری قدس سرہٗ سے بھی کوئی قرابتمندی تھی اور سیّد صاحب قدس سرہٗ کی رسم فاتحہ خوانی وغیرہ کے لیے کسی بادشاہ کی طرف سے کچھ زمین بھی عطا ہوئی تھی جو ان کے احفاد کے بعض اولاد البنت کے قبضہ میں اس وقت تک ہے (جس کی طرف ابھی ابھی اشارہ ہو چکا ہے) اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے بہتر واقف ہے۔

سیّد یوسف قدس سرہٗ کے احفاد جب اِدھر اُدھر پھیلے تو بعضے از افراد مقام حاجی پور

ل یہ ایک گانوں بہٹا اور نیورہ کے درمیان آپ ہی کے نام پر آباد ہے جسکو عوام نے بگاڑ کر سید یوسف پور سے سدیسو پور کر دیا ہے ۱۲
برق سشیر پوری

ضلع مظفر پور میں جاکر مسکن گزیں ہو گئے جنکی نسل سے میر نور اللہ مرحوم منصۂ وجود پر قدم رکھکر ضیا پاش عالم ایجاد ہوئے۔ وہاں آپ کا خاندان بجائے سیّد کے میر کے لقب سے پکارا جانے لگا جو سیّد کا مرادف ہے چنانچہ میر عباد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو حیات فرد کے صفحۂ ۸۰ میں میر ہی کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ جو خاندان سادات سے ہونیکی کافی دلیل ہے والد ماجد مدظلہٗ کا سلسلۂ نسب میر نور اللہ مرحوم تک اس طرح ملتا ہے۔

مولانا حکیم سیّد محمد ضمیر الحق صاحب قیس مدظلہٗ بن میر نبی بخش بن میر خیر اللہ بن میر عباد اللہ بن میر روح اللہ بن نور اللہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

اس میں میر روح اللہ مرحوم تک سلسلۂ بزرگوں سے سُنا اور بحکم قضایا کے مصدقہ کاغذات وثایق سے خود جناب والد ماجد مدظلہٗ کا تطبیق دیا ہوا ہے لیکن میر نور اللہ مرحوم کا نام نامی والد مدظلہٗ کو اپنے حقیقی پھوپھازاد بھائی شاہ محمد عبد الحفیظ نور اللہ مرقدہٗ کے بعض شجرہ مرتبہ سے معلوم ہوا فحقیقۃ العلم عند اللہ۔

مولانا میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ بہت بڑے عالم و فاضل اور درویش ذاکر و شاغل تھے۔ آپ کو حضرت شیخ العلیمی مولانا شاہ نعمت اللہ قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ مجیبیہ قصبۂ پھلواری سے بیعت ارشاد و خلافت حاصل تھی اور بیشتر آپ کے مریدوں کا سلسلہ سیوان ضلع سارن صوبہ بہار کی طرف پھیلا ہوا تھا۔

مشہور ہے کہ آپ پیر کے عاشق تھے آستانۂ پیر سے جدا ہونا پسند نہیں فرماتے تھے اسلئے تعویذ نویسی کی خدمت (جو خاص سجادہ نشینوں یا اُن کے معتمد علیہ کو انجام دینا ہوتی

آپ ہی کو تفویض تھی جس کی تصدیق رسالہ "حیات فرد" مؤلفہ جناب حکیم مولوی محمد شعیب صاحب پھلواروی کے صفحہ ۸۸ سے بھی ہوتی ہے جو "دیوان فرد" کے دفتر دوم مطبوعہ مطبع انتظامی کانپور کے آخر میں ضم ہے۔

ابھی تک آپ کی سکونت حاجی پور ضلع مظفر پور ہی کی تھی مگر اتفاقاً قصبۂ شیرپور ضلع پٹنہ (جو قصبۂ پھلواری سے تقریباً پانچ کوس کے فاصلہ پر دانا پور کنٹونمنٹ اور منیر کے درمیان میں لب سڑک واقع ہے) کی بیگم صاحبہ (رئیسہ) کو اپنے لڑکے کی اتالیقی کی غرض سے ایک جیّد عالم کی تلاش ہوئی - اس زمانہ میں قصبۂ پھلواری مرجع علماء و فضلاء و صوفیاء کرام تھا اور اب بھی ہے اس لیے بیگم صاحبہ نے صاحب سجادہ شیخ العٰلمین قدس سرہٗ کی حضور میں درخواست بھیجی کہ علاوہ کل لوازمات رہایش کے مبلغ ایک سو روپیہ مشاہرہ دیا جائیگا کسی قابل اطمینان لایق عالم کو اپنی تشفی بخش تجویز سے بھیجدیا جائے۔

حضرت کی نظر شفقت آمیز آپ ہی پر پڑی صورت واقعہ بیان فرماکر استمزاج کیا آپ نے مودّبانہ گزارش کی کہ "ناچیز کو اسی آستانہ پر دنیا جہان کی نعمتیں حاصل ہیں مفارقت کی تاب نہیں"، مگر پیر کے حکم سے شیرپور کا رُخ کرنا ہی پڑا - تاہم ہفتہ میں ایک مرتبہ پیر کی خدمت میں حاضر ہونا بھی لازمی تھا۔

آستانۂ پیر کا قرب اور آمد و رفت کی سہولت دیکھکر آپ نے شیرپور ہی میں سکونت کا ارادہ کیا بیگم صاحبہ کی طرف سے زمین اور مدد ملی مکان بنواکر وہیں مسکن گزیں ہو گئے۔ بیگم صاحبہ گو امامیہ مذہب کی تھیں مگر مزاج میں تعصب بالکل نہ تھا آپ کی بیحد قدرو

منزلت فرماتیں۔

سُنا گیا ہے کہ کھگول میں (جہاں دانا پُور اسٹیشن ہے) آپ کی زمینداری تھی (جسکو آپ کے پوتوں نے بیچ ڈالا) اس کے متعلق کچھ اور بھی زمین تھی وہ آباد ہوکر اب تک چک عباد اللہ کے نام سے مشہور ہے واللہ اعلم۔

مولانا میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ کے پانچ یا چھ فرزندوں میں سے میر خیر اللہ مرحوم والد ماجدم مدظلہٗ کے جدّاً مجد تھے۔

آرہ ضلع شاہ آباد صوبہ بہار میں شیخ انوار اللہ مرحوم کا بڑا دار دورہ تھا اور حضرت شمس الدین ترک پانی پتی علیہ الرحمۃ کے احفاد میں فاروقی شیخ بہت بلند پایہ کے معزز عالیخاندان رئیس مانے جاتے تھے۔

مولانا میر عباد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی شرافت و نجابت کالشمس بین النجوم اور علم و فضل کی شہرت اور دھوم سُنکر اور پھلواری میں آپ کا اقتدار و رسوخ دیکھکر شیخ صاحب موصوف آپ سے خصوصیت قرابتمندی پیدا کرنے کے متمنی ہوکر آپ کے فرزند میر خیر اللہ مرحوم کو اپنی دامادی میں لینے کے آرزومند ہوئے لیکن میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ شیخ صاحب ممدوح کے نسبی اور خاندانی حالات سے تشفی بخش واقفیت نہ رکھنے کے باعث متوجہ نہ ہوئے جسکے لیۓ شیخ صاحب کی طرف سے حضرت شیخ العٰلمین مولانا شاہ نعمت اللہ قدس سرہٗ کی جناب میں درخواست کی گئی۔

حضرت نے فرمایا کہ عباد اللہ! اگر تم شیخ انوار اللہ کی پوری حالت نہ جاننے کی وجہ

ان کی صاحبزادی کے ساتھ خیراللہ کی شادی کرنے میں متامّل ہو تو میں اپنی ذمہ داری میں واثق اطمینان دلا کر کہتا ہوں کہ بلا تامّل شادی کردو شیخ صاحب بھی اپنی شرافت و نجابت میں دُر یکتا ہیں اور سیّد و شیخ کا آپس میں شادی بیاہ کے ذریعہ سے ملنا تمام جاری ہے معیوب نہیں سمجھا جاتا۔

پیر کا اپنی ذمہ داری میں یوں اطمینان دلا کر فرمانا کوئی معمولی بات نہ تھی آپ نے دست بستہ ہو کر عرض کی کہ یا حضرت خاکسار فقیرانہ زندگی بسر کرنے والا نہ مال رکھتا ہے نہ دولت صرف بنظر استحفاظ کفوتیہ نسبی ہڈی کا نگراں ہے۔

اغنیاء کی ہڈی ٹوٹ بھی جائے تو مال و دولت کے زور سے اتصال ممکن ہے بخلاف فقراء کی ہڈی کے کہ اگر اس میں ذرا سا بال بھی آئے تو زندگی اجیرن ہو جائے دُنیاوی مصالح سے اس کی نگہداشت ضروری سمجھ کر اپنے خاندان کے دامن پر دھبہ آنے کے ڈر سے پس و پیش تھا اب تو کامل اطمینان ہو گیا انشاء اللہ تعالیٰ حضرت کے ارشاد کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا پھر کیا تھا شادی ہو گئی۔

شیخ صاحب نے بڑے فخر کے ساتھ داماد کو اپنے شامل رکھ لیا اور میر خیراللہ مرحوم آرہ محلہ چوک مسجد کے باشندوں میں داخل ہو گئے لیکن میر عباداللہ علیہ الرحمۃ اپنے دیگر فرزندوں کے ساتھ شیر پور ہی میں رہے۔

شیخ صاحب کا خاندان تو شیخ فاروقی تھا ہی نیز خاندان میں بیعت و ارشاد کا سلسلہ بھی جاری تھا جسکی وجہ سے بڑے بڑے مقتدی و پیشوا شیخ کہلاتے تھے عام ازیں کہ سیّد ہی

کیوں نہ ہوں بایں ہمہ دو وجہ شیخ صاحب کے خاندان کے سب لوگ شیخ کے لقب سے پکارے جاتے تھے اور آرہ میں تو گویا شیخ صاحب کا لقب اسی خاندان کے ساتھ مخصوص ہوگیا تھا کہ جب شیخ صاحب کا لقب استعمال کیا جاتا تو آپ ہی کا خاندان سمجھا جاتا تھا۔ میر خیر اللہ مرحوم کو بھی لوگ اس خاندان کا ایک رُکن سمجھکر شیخ صاحب ہی کہنے لگے ورنہ آرہ کے سوا دوسری جگھوں میں آپ کے جدّی خاندان کے کل اراکین یا تو سیّد کہے جاتے تھے اور کہے جاتے ہیں یا میر چنانچہ اس وقت بھی جناب والد صاحب مدظلہٗ کی خاندانی سیادت کے جاننے والے آپ کو سیّد ہی لکھتے یا کہتے ہیں۔

میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ کے اُن فرزندوں میں سے جو شیر پور میں رہے فقط ایک فرزند میر اجابت علی عرف میر باسو مرحوم کی نسل ذکور و اناث دونوں تو خداوند کریم کے فضل و کرم سے اب تک قایم ہے اللہ تعالیٰ قایم رکھے باقی فرزندوں میں سے کسی کی ایک پشت کسی کی دو پشت کے بعد نسل مٹ گئی جیسے کہ ایک فرد میر بندہ علی مرحوم تھے جنکا ذکر نسب نامہ ضایع ہونے کے ضمن میں گزرا۔ اور ایک فرزند کی نسل اولاد البنت کے ذریعہ سے موضع کنجا لوان ضلع پٹنہ پرگنہ منیر میں ہے۔

میر خیر اللہ مرحوم خلف میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ کے تین صاحبزادے میر رحیم بخش[1] مرحوم میر محمد بخش[2] مرحوم میر نبی بخش[3] مرحوم تھے اور دو صاحبزادیاں۔ دونوں صاحبزادیاں آرہ ہی میں بیاہی گئیں کہ بڑی صاحبزادی کی اولاد بنت البنت موجود ہیں اور چھوٹی صاحبزادی شیخ انوار اللہ مرحوم کے پوتے یعنی مولوی قطب الدین مرحوم کے بڑے صاحبزادے حکیم محمد حسین

مرحوم سے بیاہی گئی تھیں جن سے شاہ محمد عبدالحفیظ غفراللہ لہٗ تھے۔

اور شاہ صاحب موصوف کی بیاہی بیوی سے ایک بیوہ لاولد لڑکی بقید حیات ہے اور دوسری متوفیہ لڑکی کے تین فرزند نظام الدین احمد۔ سراج الدین احمد۔ علاء الدین احمد اور ایک لڑکی راضیہ اور منکوحہ نومسلمہ سے تین لڑکے علی حسنین۔ حبیب الحسنین۔ غلام حسنین اور دو لڑکیاں سعدیہ۔ عالیہ ہیں۔

میر خیراللہ مرحوم کے تین صاحبزادوں میں سے بڑے صاحبزادے میر رحیم بخش مرحوم کی دو شادیاں تھیں پہلی شادی سے صرف ایک صاحبزادی بی بی نہالن مرحومہ تھیں جنکے لڑکے شیخ محمد عبدالرؤف موضع کرائی ضلع پٹنہ پرگنہ سوڑھی اپنی دادھال میں ہیں۔

اور دوسری شادی چھپرہ ضلع سارن کے قریب موضع حکیم آباد عرف گھگھٹا میں ہوئی تھی اور وہیں سکونت پذیر ہوگئے تھے جس سے تین صاحبزادے میر محمد اشرف مرحوم مولوی میر غلام دستگیر مرحوم میر محمد بشیر مرحوم تھے اور ایک صاحبزادی بی بی صغریٰ مرحومہ۔

میر محمد اشرف مرحوم لاولد انتقال کرگئے میر محمد بشیر مرحوم نے شادی ہی نہیں کی تھی۔ صرف مولوی میر غلام دستگیر مرحوم کی اولاد ذکور و اناث ہیں۔

اور بی بی صغریٰ مرحومہ کی شادی حکیم آباد گھگھٹا ہی میں حکیم رحمان حسن مرحوم سے ہوئی تھی جن سے فقط ایک صاحبزادی رہ گئی تھیں جو مولوی حکیم محمد فضیلت حسین مرحوم سے بیاہی گئی تھیں اور ان کی اولاد البنت موجود ہیں۔

میر خیراللہ مرحوم کے منجھلے صاحبزادے میر محمد بخش مرحوم (جو منجھلے میاں کے لقب سے پکارے

جاتے تھے) کی بھی دو شادیاں تھیں۔ پہلی شادی حقیقی چچا میر اجابت علی عرف باسو مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جس سے تین صاحبزادے میر احمد بخش مرحوم میر واحد بخش مرحوم میر احمد اسمٰعیل مرحوم تھے۔

میر احمد بخش مرحوم قبل از شادی رحلت کر گئے۔ میر واحد بخش مرحوم کی بھی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی شادی سے صرف ایک لڑکی انیس فاطمہ ہوئیں جو موضع کرائی میں شیخ محمد عبدالرؤف مذکور الصدر سے بیاہی ہوئی ہیں۔

اور دوسری شادی موضع حکیم آباد گھگھٹا میں حکیم مدنی مرحوم کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن سے دو لڑکے محمد عمر و محمد عثمان اور ایک لڑکی بی بی رابعہ موجود ہیں۔

میر احمد اسمٰعیل مرحوم نے اپنی ننھیال قصبہ شیرپور میں پرورش پرداخت پائی تھی اور وہیں رہ گئے تھے ان کی بھی دو شادیاں ہوئی تھیں پہلی شادی قصبہ پھلواری میں داروغہ محمد یحییٰ مرحوم کی صاحبزادی سے جن سے فقط ایک لڑکے محمد معز الدین مرحوم ہوئے تھے جن کے دو لڑکے اور ایک لڑکی بقید حیات ہیں۔ اور دوسری شادی کا ذکر آگے میر نبی بخش رحمۃ اللہ کے حالات میں آتا ہے۔

میر محمد بخش مرحوم کی دوسری شادی موضع تلھاڑا ضلع پٹنہ میں ہوئی تھی جس سے ایک فرزند اور تین صاحبزادیاں ہوئی تھیں فرزند قبل شادی کے انتقال کر گئے۔ بڑی صاحبزادی لاولد سدھاریں منجھلی کی اولاد البنت ہیں۔ مگر لامعلوم الکفو سے اور چھوٹی بیوہ لاولد بقید حیات ہیں میر خیر اللہ مرحوم کے چھوٹے صاحبزادے میر نبی بخش علیہ الرحمۃ (جو چھوٹے میاں کہے جاتے تھے)

راقم الحروف کے جد امجد تھے۔ آپ کو اپنے حقیقی خالو شیخ ولی احمد رحمۃ اللہ علیہ سے (جو علامۂ عصر سید العلماء حضرت مولانا شاہ احمدی قدس سرہٗ پھلواروی کے مرید و خلیفہ تھے) بیعت حاصل تھی۔ آپ اپنے جد امجد میر عباد اللہ علیہ الرحمۃ کی طرح فقیرانہ زندگی بسر کرنے والے ذاکر و شاغل ورد و وظایف کے پابند خصوصاً قرآن شریف کو مع ترجمہ تلاوت فرمانے کے ملتزم تھے۔ معمولات سے فارغ ہونے کے بعد آپ کا اکثر وقت تفسیر۔ حدیث صحاح کے تراجم۔ مسئلہ مسائل یا تصوف کی کتابوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا۔ حضرت مولانا و سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی کتاب غنیۃ الطالبین مع ترجمہ اول سے آخر تک بالاستیعاب تین چار مرتبہ دیکھی تھی۔

انصاف پسندی اور محبت نبوی کا یہ حال تھا کہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم (فداہ ابی وامی) کا کوئی قول و فعل کتابوں میں نظر سے گزرتا علماء سے تحقیق صحت کر کے فوراً اسپر عمل کرنے لگتے۔ مراسم و بدعات کو ایک ایک کر کے اپنے یہاں سے اٹھا دیا۔ تقویۃ الایمان مؤلفہ مولوی مولٰنا محمد اسمٰعیل شہید دہلویؒ پر نہایت منصفانہ رائے رکھتے تھے۔

اوائل عمر میں جب محکمہ قضا یا قایم تھا آرہ ہی میں آپ نائب قاضی مقرر ہوئے اور ڈیوٹی (خدمت مفوضہ) کو بڑی دیانتداری سے انجام دیا۔

اس محکمہ کے اٹھ جانے اور صیغۂ رجسٹری قایم ہونیکے بعد اپنی مختصر زمینداری و زراعت (جو ننہال سے بقدر رسدی ملی تھی) اور بعض عزیزوں کے گاؤں کے انتظام و تحصیل وصول کے حق المحنتہ پر قناعت کر لی تھی۔

زہد و تقویٰ کا اس قدر خیال تھا کہ اُن عزیزوں کے گانوں کے دوران انتظام میں جبتک

قانون گزشتہ وزراعت مالکان پاس نہ ہوا تھا اور بعض رعایا کاشت سے استعفا دیدیتے تھے تو آپ مالکوں سے اجازت لیکر خود کاشت کرتے اور اُن کو اس کی مالگذاری ادا کرتے یہانتک کہ کاشت پچاس بیگہ کے قریب آپ کے قبضہ میں آگئی اور قانون گزشتہ اور زراعت بھی پاس ہو گیا لیکن جب بعذر پیری انتظام سے علیحدہ ہونے کی خواہش کی تو وہ سب کاشت جو تقریباً دس بارہ ہزار روپیہ قیمت حق گزشتہ کی تھی بحق مالکان چھوڑ دی ہر چند اُن عزیز مالکوں نے خود سمجھایا کہ اس میں آپ کو حق گزشتہ پیدا ہو گیا ہے کیوں چھوڑتے ہیں مگر آپ نے نہ مانا اور یہ کہکر اُس کو چھوڑ ہی دیا کہ "ہم منتظم تھے منتظم کو یہ حق نہیں کہ مالکوں کی چیز کو اپنی چیز بنالے یہ تم لوگوں کی زراعت ہے تم لوگ زراعت بنا لو" اس کا اثر ان لوگوں پر ایسا سخت ہوا کہ عمر بھر آپ کے زہد و تقویٰ اور بے لوث زندگی کے معترف رہے۔

آپ صبر و شکر میں بھی ایسے کامل تھے کہ آٹھ لڑکے تین لڑکیوں کے صدمات وفات اٹھائے مگر چند قطرات اشک گرنے کے سوا کبھی مُنہ سے آہ نہ نکلی۔ آخر زندگی بڑی عُسرت میں کٹی مگر ذرا بھی لب پر حرف شکوہ نہ آنے پایا۔ آپ کی وفات پیچش کے سخت تکلیف دہ عارضہ سے ہوئی لیکن تابقائے قوت ہاتھ سے تسبیح نہ چھوٹی۔

آپ نے انتقال فرمانے سے تھوڑا پہلے اپنے لائق صاحبزادے راقم الحروف کے والد ماجد مدظلہ کو جو وصیتیں کیں قابل غور ہیں۔

۱۔ خدا سے ڈرتے رہنا۔ اس کی عبادت و فرمان برداری کا ہر وقت خیال رکھنا۔

۲۔ قرآن و حدیث کو بہت مضبوطی سے تھامنا۔ ہر گز غفلت نہ کرنا۔

۳ے جس قدر ممکن ہو معمولاً روزانہ بلاناغہ تلاوت قرآن مجید کرنا اور درود شریف پڑھنا۔
۴ے کیسا ہی سخت سے سخت وقت آپڑے اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسا رکھنا کسی زندہ یا مردہ سے مدد نہ مانگنا۔ وہی تمھارا مددگار۔ حاجت روا۔ مشکلکشا ہے۔

والد ماجدم مدظلہٗ نے عرض کی، کچھ اپنے لیے بھی فرمایئے ارشاد ہوا کہ "اپنے لیے کیا کہوں۔ دعا مغفرت کرنا ہاں جب جسم سے روح علیحدہ ہو جائے تو اچھی طرح طاہر کرکے صاف پاک کپڑا اڑھا دینا پھر غسل کے بعد تم خود نماز پڑھانا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بعض لوگ تمھاری اقتدا میں نماز نہ پڑھیں گے خبردار رنج ملال و نگہ تکرار نہ کرنا جی چاہے گا تو وہ علیحدہ پڑھ لینگے۔ اللہ تعالےٰ ایمان کے ساتھ اُٹھائے تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کہ میرا جنازہ کون پڑھے گا کون نہیں۔ اور میں بڑا گنہگار ہوں میری قبر ایسی جگہ بنوانا کہ خوب پامال ہو" خدا کی شان نماز جنازہ میں وہی واقعہ پیش آیا مگر کسی قسم کی رنجش نہ ہوئی جن کی نسبت اشارہ تھا انھوں نے الگ نماز پڑھ لی۔

رحلت سے ایک دن پہلے مرض کی شدت تکلیف سے چہرۂ مبارک بالکل جھانولا ہو گیا تھا انتقال کے روز صبح سے صاف ہونا شروع ہوا دوپہر کے بعد سے ایکدم صاف ہو کر ایسا چمکنے لگا کہ لوگ متحیر ہو گئے۔ ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر مُنہ کو چادر سے ڈھانکے ہوئے تھے کہ دفعۃً چادر الٹ کر فرمانے لگے کہ یہ روشنی کیسی ہے؟ (حالانکہ دوسرں کو کچھ بھی دکھائی نہ دیتی تھی) والد ماجد مدظلہٗ نے (جو ہمہ دم آپ کے پاس موجود رہتے تھے) کہا کہ "اللہ تعالےٰ سے اُمید خیر رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ آثار اچھے ہیں" پھر چادر مُنہ پر ڈال لی۔ والد صاحب نماز عصر سے واپس آرہے تھے کہ بڑے زور سے لاحول ولا قوۃ الا باللہ کی آواز سنکر دوڑے۔ باوجودیکہ

زیادہ دنوں کی بیماری سے آواز بہت ہی پست ہوگئی تھی مگر اس کڑک کی آواز نے آپ کے مکان کے صحن اور سارے کمروں میں گونج پیدا کردی۔

تھوڑی دیر کے بعد عصر کی نماز کا وقت پوچھ کر فرمایا کہ تیمم کرا دو نماز پڑھ لوں مگر حالات میں تغیرّ پیدا ہو چلا تھا اس لیئے چند مرتبہ تحریمہ باندھا اور توڑا اور یہ بولے کہ اب دماغ یاری نہیں دیتا تاہم بٹھکانے سے نماز ادا کی اس کے بعد سے کوئی اور بات نہ کی برابر توبہ استغفار کرتے اور کلمہ طیبّہ پڑھتے رہے یہانتک کہ مغرب کی نماز سے نصف گھنٹہ پہلے بالکل افاقہ جاتا رہا اور سکرات شرع ہوگئی۔

آپ کو ہر بڑے چھوٹے سے مصافحہ کرنے کی عادت تھی۔ حالت احتضار میں برابر دست مبارک کو داہنے بائیں اور آگے اس طرح پھیلاتے رہے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی سے مصافحہ کرنا چاہتے ہیں یا کر رہے ہیں۔ خدا ہی جانے وہ کیا کیفیت تھی۔ ممکن ہے فرشتوں سی مصافحہ کرتے ہوں۔

آخر وہ وقت آگیا جسکا انتظار تھا اور اپنی تمام زندگی یاد الٰہی وزہد و تقویٰ میں گزار کر چھہتّر برس یا کچھ کم و بیش کی عمر میں ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۴ء کی گیارہویں ربیع الآخر تیرہویں اکتوبر کو تقریباً دسؔ بجے جمعہ و شنبہ کی درمیانی رات میں واصل بحق ہوگئے اور دوسرے روز ۸ بجے دن کو آپ کا جسم سپرد خاک کیا گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ وَارْحَمْہُ وَارْضَ عَنْہُ وَاَدْخِلْہُ فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ فِیْ جَنَّۃٍ عَالِیَۃٍ قُطُوْفُھَا دَانِیَۃٌ وَّیُقَالُ لَہٗ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا ھَنِیْٓــًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِی الْاَیَّامِ الْخَالِیَۃِ۔ آمین۔ حسن اتفاق سے

آپ کے انتقال فرمانیکی شب میں بڑے بڑے علما آرہ میں تشریف لائے تھے کہ وہ سب حضرات شریک نماز جنازہ وتدفین رہے اور آپکا رخسارۂ نورانی اور قبر کی روشنی دیکھکر متعجبانہ کہتے تھے کہ ایسا منوّر چہرہ اور قبر کی روشنی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

آپ کی بھی دو شادیاں تھیں۔ پہلی موضع لبنا پرگنہ نور ضلع شاہ آباد میں اور دوسری موضع کندوی۔ پرگنہ ایکل ضلع گیا۔ صوبہ بہار میں قاضی خواجہ محمد فصیح رحمۃ اللہ علیہ کے احفاد میں خواجہ انور علی مرحوم کی صاحبزادی بی بی شریف النسار مرحومہ سے۔ جنھوں نے ۲۔ ذی الحجہ ۱۶ مئی ہفتہ کے دن ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۶ء کو بوقت نصف النہار عارضہ فالج سے انتقال فرمایا اللھم اغفر لھا وارحمھا وادخلھا فی عیشۃ راضیہ۔

پہلی شادی سے صرف دو صاحبزادیاں تھیں جن میں سے ایک نا کتخدا دنیا سے سدھاریں اور دوسری بی بی زہرا کی شادی شیر پور میں میر عباد اللہ رحمہ اللہ کے پوتے یعنی میر اجابت علی عرف میر باسو مرحوم کے صاحبزادے میر پیغمبر بخش عرف میر بقر عیدن مرحوم سے ہوئی تھی جنکے اکلوتے صاحبزادے میر محمد عبد الغنی عرف میر غلام بتول صاحب متخلص بہ برقؔ بفضل خداوندی مع اپنے چار فرزندوں عباس[1] حمزہ[2] خالد[3] جعفر[4] اور دو لڑکیوں بی بی[1] صفیہ اور بی بی[2] زینب کے بقید حیات موجود ہیں پروردگار عالم زندہ اور آباد رکھے۔

دوسری شادی سے نو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہوئیں جن میں سے صرف ایک صاحبزادے حضرت والد ماجد مد ظلہٗ اور ایک چھوٹی صاحبزادی (بی بی تحمل فاطمہ مرحومہ) رہ گئی تھیں باقی سب کے سب یکے بعد دیگرے صغر سنی ہی میں رہگرائے عالم بقا ہوتے گئے۔

اِن صاجزادی کی شادی میر محمد بخش مرحوم کے صاجزادے اور میر اجابت علی عرف میر باسو مرحوم کے نواسے میر احمد اسمٰعیل مرحوم سے ہوئی تھی جن سے ایک صاجزادی بی بی فاطمہ صاحبہ مدظلہا ہوئیں یہ ابھی ڈیڑھ برس کی عمر کو نہ پہنچنے پائی تھیں کہ اُن کی والدہ بی بی تحمل فاطمہ مرحومہ بھی اپنے والد میر نبی بخش رحمۃ اللہ علیہ کے حین حیات ہی میں قضا کر گئیں اور بی بی فاطمہ صاحبہ مدظلہا اپنے والد میر احمد اسمٰعیل مرحوم کی زیر نگرانی اپنی خالہ (یعنی والدہ میر محمد عبد الغنی عرف میر غلام بتول صاحب) کی آغوش شفقت میں پرورش پائیں۔

بی بی فاطمہ موصوفہ کی شادی والد ماجد مدظلہٗ کے حقیقی ماموں اور رضاعی بھائی خواجہ محمد عبد القادر مرحوم کے صاجزادے سیّد محمد عبد النور مرحوم سے ہوئی تھی (جو جیلر کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

سیّد محمد عبد النور موصوف کی دو صاجزادیاں تھیں بڑی بی بی اُمّ ہانی مرحومہ جو دیوان محلہ پٹنہ (عظیم آباد) میں حکیم مولوی لطیف حسین مرحوم کے صاجزادے مولوی عبد الباری سے بیاہی گئی تھیں اور ایک ہی سال کے بعد انتقال کر گئیں اور دوسری صاجزادی بی بی امۃ الرسول راقم الحروف کے عقد نکاح میں آئیں جو بحمدہٖ تعالیٰ بقید حیات ہیں۔

والد ماجد مدظلہٗ کے ننھیالی خاندان کا حال اس کے سوا کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ آپ کے نانا خواجہ انور علی مرحوم قاضی مولانا خواجہ محمد فصیح علیہ الرحمۃ کے احفاد میں تھے۔

اور قاضی صاحب موصوف کا حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے احفاد سے ہونا بالاتفاق مسلم ہے۔

یہاں خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ کے احفاد کچھ آگے چل کر دو شاخوں میں تقسیم ہو گئے۔

ایک شاخ کے لوگ موضع جان پور ضلع گیا میں ہیں اور دوسری شاخ کے لوگ موضع کندوی ضلع مذکور میں۔ کہ ان دونوں مواضعات میں چند میل کا فصل ہے۔

جان پور والوں کا خاندانی نسب نامہ خواجہ چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہوا سردار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ان کے ہاں موجود ہے۔

اطراف وجوانب کے مقدس حضرات کے علاوہ خود صاحبان جانپور کا بھی اقرار ہے کہ صاحبان جانپور اور صاحبان کندوی ہم جد ہیں۔

مگر یہ کوئی نہیں بتا سکتا کہ یہاں خواجہ چشتی علیہ الرحمۃ کے احفاد کی کہاں سے دو شاخیں ہوئیں اور ان دونوں صاحبوں کا سلسلہ نسب کس نام پر پہنچکے ایک ہو جاتا ہے (یہ غفلت کا نتیجہ ہے)

خواجہ انور علی مرحوم کی اولاد صلبی میں سب سے بڑی ایک صاحبزادی بی بی شریف النسار مرحومہ راقم الحروف کی جدہ محترمہ تھیں غفر اللہ لہا۔

اور ان سے چھوٹے علی الترتیب تین صاحبزادے خواجہ محمد قاسم مرحوم [۱] خواجہ محمد عبد الرحمن مرحوم [۲]۔ خواجہ محمد عبد القادر مرحوم [۳] تھے۔

خواجہ محمد قاسم مرحوم کے صرف ایک پوتے خواجہ محمد ہاشم بن خواجہ محمد بشیر مرحوم اور دو صاحبزادیاں بی بی [۱] کبری و بی بی [۲] شہر بانو ہیں۔ محمد ہاشم پوتے و بی بی کبری بڑی صاحبزادی مع اپنے صاحبزادے سید عبد الخالق بن سید حافظ محمد کبیر مرحوم اور دو لڑکیوں کے کندوی میں سکونت پذیر ہیں۔

بی بی شہر بانو کی شادی موضع سعدی پور ضلع گیا میں حکیم فضیلت حسین سے ہوئی جو ہیں

ہیں اور اُن کو ایک لڑکی بھی ہے۔

خواجہ محمد عبد الرحمٰن مرحوم کو کوئی اولاد ذکور یا اناث نہیں ہے۔ صرف ایک لڑکی عطیہ نام

ہوئی تھی جو صغر سنی میں فوت ہو گئی۔

خواجہ محمد عبد القادر مرحوم کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی موضع شہباز پور ضلع پٹنہ میں جس سے

دو صاحبزادے سیّد محمد عبد النور مرحوم و سیّد علی منظور مرحوم اور دو صاحبزادیاں بی بی صدیقہ

و بی بی سلمہ مرحومہ تھیں سیّد عبد النور مرحوم کا ذکر (بضمن حالات میر احمد اسمٰعیل مرحوم) ہو چکا ہے

بی بی صدیقہ کی شادی شیخ محمد یونس مرحوم سے موضع ابراہیم پور ضلع گیا میں ہوئی تھی وہیں

مع اپنے ایک صاحبزادے مولوی محمد زکریا اور دو صاحبزادیوں کے رہتی ہیں۔

سیّد علی منظور مرحوم کی شادی بھی ابراہیم پور ہی میں شیخ محمد یونس مرحوم کے بڑے بھائی

شیخ محمد یوسف مرحوم کی لڑکی سے ہوئی تھی۔

ان کے ایک صاحبزادے ولی اصغر سلمہٗ ہیں جو بہ نگرانی راقم الحروف زیر تعلیم ہیں اور سیّد

علی منظور مرحوم کی بیوہ اپنے میکے میں رہتی ہیں۔

بی بی سلمہ مرحومہ کی شادی شیر پور میں میر محمد عبد الغنی صاحب آسی عرف میر غلام بتول سے ہوئی تھی اور

اُن سے ایک لڑکی بی بی لیحا بھی تھیں خدا کی شان ماں بیٹی دونوں انتقال کر گئیں۔

خواجہ محمد عبد القادر صاحب مرحوم کی دوسری شادی ان کے ماموں زاد بھائی سید عبد الوارث

عرف رجو صاحب مرحوم ساکن موضع نگلا ضلع گیا کی صاحبزادی سے ہوئی تھی جن سے صرف ایک

صاحبزادے جناب خواجہ سید شاہ زبیر احمد صاحب مدظلہٗ آزاد تخلص نہایت ذکی فطین قابل زیرک۔ دانا۔ موجود ہیں۔ اُن کی والدہ آرہ میں تشریف رکھتی ہیں مگر خود بہ تلاش روزگار کلکتہ میں ہیں۔ اُمید ہے کہ عنقریب بصیغہ ریلوے نوکری مل جائیگی۔ اللہ تعالیٰ انکا بزرگانہ سایہ قایم و برقرار رکھے۔

یہانتک باوجود عزم اختصار بنائے جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا محض تعارف و اظہار حقیقت کی غرض سے کسی قدر طوالت ہوگئی ہے ورنہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ کے پیش نظر نہ تو مباہات مقصود ہے نہ تفاخر وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ شَهِيْدٌ۔

ولادت اور نام و کنیت

بارہ سواسّی ہجری اٹھارہ سو چونسٹھ عیسوی سنہ ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۴ء کو بیسویں اور اکیسویں رمضان شریف انتیسویں فروری اور یکم مارچ دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں آپ نے منصۂ شہود پر قدم رکھا۔

خدا محفوظ رکھے جہالت و بدعقیدگی بھی کیا بُری چیز ہے جاہلانہ خیال ہے کہ دنیا میں عزت دار لوگ کم جیتے ہیں اور ذلیل و خوار زیادہ اسلیئے کسی کے لڑکے زندہ نہ رہتے تو اسکے نوپید الڑکے کو کھوٹے داموں یا چند کوڑیوں پر بیچکر اپنے فاسد عقیدے میں اُس کے زندہ رہنے کی آرزو پوری کرنے کو اس کا نام بکاؤ یا بکو یا بیچکوڑی یا چھکوڑی رکھتے یا ناک یا کان چھید کر دور پہنا کر نکچھیدی یا کنچھیدی پکارتے نعوذ باللہ من مثل تلک الخرافات۔

آپ کے والد بزرگوار کے چند لڑکے آپ کی ولادت سے پہلے انتقال کر چکے تھے اس لیئے آپ کے پیدا ہوتے ہی آپ کی دوسری پھوپھی نے جو آپ کے والد محترم سے بڑی تھیں اور بھائی کو بہت ہی عزیز رکھتی تھیں آپکا داہنا کان چھید کر بچہ جنانے والی دائی کے ہاتھوں ایک پیسہ پر فروخت کر کے خدا کے آزاد بندے کو بے وجہ بغیر استحقاق اپنے خیال میں غلام بنا کر بکو نام رکھدیا۔

آپ کے والد بزرگوار جب اندر تشریف لائے اور اپنی بہن سے مبارکباد کے ساتھ یہ جاہلانہ حرکتیں سُنیں تو نہایت برہم ہو کر فرمایا کہ خدا کی خدائی میں دست اندازی کیسی؟ اور لڑکا ذلیل و خوار ہو کر زندہ رہا تو کس کام کا اس سے تو نہ رہنا ہی بہتر ہے اگر اس کے کان میں دور ڈالا گیا تو لڑکے کو اُٹھا کر پٹک دونگا اور خبردار یہ نام بھی شایع نہ ہونے پائے ورنہ عوام اور جہلا اس کو مشہور کر دینگے اِدھر یہ باتیں ہو رہی تھیں اُدھر شاید قدرت ہنس رہی ہوگی کہ یہ فاسد عقیدہ والے نادان ہیں عزت دینا یا ذلیل بنانا زندہ رکھنا یا مار ڈالنا سب میرے ہاتھ میں ہے میری مرضی کے خلاف کوئی حیلہ حوالہ نہیں چل سکتا اگر کوئی اس لڑکے کو ذلیل بنا کر زندگی کا خواستگار و آرزومند ہے تو ہم عزت کا جامہ پہنا کر پروان چڑھائیں گے جس کو دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ پروردگار عالم نے کتنی عمر عطا فرمائی اور کس عزت کی نگاہ سے دیکھے گئے اور دیکھے جاتے ہیں سچ ہے وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدك الخیر انك علی كل شیئ قدیر۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ کے والد غریق رحمت فرط ادب سے بڑی بہن کے سامنے زیادہ بولنا مناسب نہ سمجھکر

غصہ میں باہر چلے گئے اور یہاں خیال کہ جاہلانہ نام شہرت پذیر نہ ہو جائے تاریخی نام تلاش فرمانے لگے اتفاق سے محمد ضمیر الحق نام نکلا مگر ایک عدد بڑھتا تھا کیونکہ آپ کی ولادت سنہ ۱۲۸۰ ہجری رمضان مبارک کے آخر عشرہ کی ہے اور نام کا عدد ۱۲۸۱ ہوتا ہے۔ آخر یہ سوچکر کہ تین مہینے کا فرق کچھ ایسا فرق نہیں ہے یہی نام رکھدیا اور اسی نام سے پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں میں مشہور ہو گئے۔ کان میں دُور تو آپ کے والد کے خوف سے نہ پہنایا گیا (جسکے باعث بجز نشان کے جو ہنوز باقی ہے سوراخ بالکل ناپید ہو گیا) لیکن جہلا اور بعض ناداں طبقۂ اناث میں اس وقت بھی آپ اسی جاہلانہ نام سے پکارے جاتے ہیں۔

پھر جب آپ نے تکمیل علوم عربیہ کے لئے غازیپور کا سفر کیا (جسکا ذکر اپنے محل پر آئے گا) تو اس زمانہ میں آپ کے ایک قریب تر بزرگ دہلی میں مولانا سیّد محمد نذیر حسین محدث علیہ الرحمۃ معروف میاں صاحب کی خدمت میں فن حدیث حاصل کر رہے تھے اُن کو آپ نے لکھا کہ ان الحسنات یذھبن السیّات جناب میاں صاحب سے عرض کرکے کوئی اچھی کنیت رکھوا دیجئے کہ میرے جاہلانہ نام کا کفارہ ہو جائے وہاں سے جواب آیا کہ تمھارے خیال کی میاں صاحب نے تعریف کی اور ابوالخیر کنیت رکھدی بس اسی وقت سے آپ ابوالخیر محمد ضمیر الحق ہو گئے۔

پرورش پرداخت اور تحصیل علم

اوپر کی تحریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ آپ اپنے والدین کے کیسے چہیتے فرزند ہوں گے

اور باوجود ناداری و تنگدستی والدین کے بھی کس لاڈ پیار سے پرورش پائی ہوگی پانچ برس کی عمر میں ختنہ ہوا سات سال کے ہوئے تو مکتب میں بٹھائے گئے ایسے لاڈ پیار کی حالت میں پرداخت و تعلیم کی جیسی سخت ذمہ داری ماں باپ پر عاید ہوتی ہے اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جس کو اولاد کی پرداخت اور تعلیم کی فکر سے واسطہ پڑا ہو۔

آپ کی پرداخت میں آپ کے والد صاحب بزرگوار کی نگاہ نہایت گرم رہتی تھی کبھی نہ تو بُری صحبت میں بیٹھنے دیتے نہ کمینے ناجنس لوگوں کے پاس جانے دیتے ہمیشہ قصہ کہانیوں کے پیرائے میں اچھوں کی محبت و صحبت اور بُروں سے اجتناب و نفرت کی تلقین فرماتے۔ نہ کبھی جائز خواہشوں سے روکتے نہ کبھی ناجائز خواہشوں پر دلیر ہونے دیتے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں کہ انسان کسی طرح اپنے ماں باپ کا حق ادا کر کے سبکدوش نہیں ہوسکتا بجز ایک صورت کے جسکو شارع علیہ السلام نے فرمادیا ہے کہ "اگر ماں یا باپ لونڈی یا غلام ہوں تو خرید کر اُن کی آزادی کا ذریعہ بن جائے" مگر مجھپر میرے والدین کا اتنا بڑا احسان ہے کہ اگر بالفرض شارع علیہ السلام کی فرمودہ صورت بھی پیش آتی تو شاید ہی میری سبکدوشی کے لئے کافی ہوتی۔

تعلیم کے مادہ میں جب کچھ لکھنے پڑھنے کا سلیقہ پیدا ہوگیا تو آپ کے والد علیہ الرحمۃ جو اکثر دیہات میں رہتے تھے آپ کو اپنے ساتھ رکھکر تعلیم دینے لگے یہانتک کہ کریما کامل ترجمہ کے ساتھ پڑھا کر گلستان بوستان خود پڑھائی۔ اور فارسی میں نہایت اچھی استعداد ہی پیدا نہ کردی بلکہ علم کا لذت آشنا اور اس کی تحصیل کا شیدا بنا دیا۔ ہر وقت کمرے میں

دیوان حافظ دیوان خسرو اور دیگر نثر و نظم اور کچھ لغت کی کتابیں رہا کرتیں مطالعہ کا مادہ بہت اچھا حاصل ہو گیا تھا جب جی گھبراتا تو دیوان وغیرہ سے جی بہلاتے جو سمجھ میں نہ آتا اسکا مطلب اپنے والد بزرگوار یا کسی اور اپنے سے زیادہ علم والوں سے پوچھ لیا کرتے چونکہ آپکے والد علیہ الرحمۃ کا ابتدا ہی سے عربی اور دینیات کی تعلیم دلوانے کا ارادہ تھا اور اب اپنے ساتھ رکھکر یہ ممکن نہ تھا اس لیئے مکان ہی پر مختلف اساتذہ سے سکندر نامہ تک فارسی کی تعلیم دلوائی اور اسی درمیان میں عربی بھی شروع کرا دی۔

کچھ دنوں کے بعد آپ نے اپنی مرضی سے فارسی کا سلسلہ ترک کر کے یکسو ہو کر عربی کی طرف توجہ کی اور نور الانوار و شرح تہذیب تک پڑھکر مختلف اساتذہ سے فیض یاب ہوتے رہے۔

بعض وجہوں سے مکان پر رہکر تحصیل علم میں حرج واقع ہونیکا خوف پیدا ہوا تو ماہ ذیقعدہ بارہ سو انٹھانوے ہجری اٹھارہ سو اکاسی عیسوی ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱ء کو مدرسہ چشمہ رحمت غازیپور میں جا داخل ہوئے اور استاذ الاساتذہ مولانا حافظ محمد عبد اللہ غازیپوری علیہ الرحمۃ سے قطبی مع میر و میبذی شروع کی۔

حُسنِ اتفاق سے رجب ۱۲۹۹ھ میں ابو الحسنات مولانا محمد عبد الحی رحمہ اللہ لکھنوی فرنگی محلی اپنے قریب تر رشتہ کے داماد مولوی رحمت اللہ مرحوم لکھنوی فرنگی محلی مہتمم چشمہ رحمت غازیپور کی ملاقات کو تشریف لائے۔

آپ بہت دنوں سے مولانا موصوف کی خدمت میں لکھنو جانے کا ارادہ فرما رہے تھے اور درسی کتابوں پر آپ کے حواشی دیکھکر عاشق ہو رہے تھے مولانا کی تشریف آوری کو نعمت

غیر مترقبہ سمجھکر فیضیاب ہونے کی درخواست کی اور مولنانے بخندہ روئی قبولیت کی عزت بخشی
شوال ۱۲۹۵ہجری میں آپ نے لکھنؤ تشریف لیجاکر کسی قدر فلکیات میبذی (جو غازیپور
میں باقی رہ گئی تھی) اور تصورات شرح سُلم ملاحسن کامل مولنا سے اور اسی کے ساتھ ساتھ
میر زاہد ملا جلال مولنا فضل اللہ رحمہ اللہ لکھنوی فرنگی محلی سے پڑھی (جنکی نسبت مولنا
عبدالحق خیرآبادی منطقی کا قول تھا کہ زواہد ثلاثہ ان سے بہتر کوئی نہیں پڑھاتا)۔

اواخر رجب ۱۳۰۰ھ میں بتقریب تعطیل رمضان مبارک آپ مکان تشریف لائے۔

ان دنوں مولنا سعادت حسینؒ بہاری سہسرام میں مدرس تھے (جو پہلے مدتوں آرہ میں رہ کر
یہاں کے اکثر علمارموجودین کو فارغ التحصیل بنا چکے تھے اور آپ نے بھی کچھ استفادہ کیا تھا)
اسی تقریب تعطیل کے سلسلہ میں بہار جاتے وقت اپنے ایک شاگرد رشید مولوی محمد حنیف مرحوم
کے ہاں (جو آپ کے قرابتمندوں میں تھے) آرہ فروکش ہوئے اور اُن سے اور نیز دیگر حضرات سے
آپ کے پڑھنے اور ذہانت و استعداد کی تعریف سنکر اپنے ساتھ سہسرام لیجانے پر مصر ہوئے
اور مولوی صاحب موصوف سے آپ کو اس پر آمادہ کرنے کی تاکید کر گئے۔

مولوی صاحب نے آپ کو بہت سمجھایا مگر آمادہ نہ پاکر آپ کے والد اور ماموں وغیرہ کو
اپنا ہمخیال بنالیا۔ اور آپکو بادل ناخواستہ مولنا سعادت حسینؒ کے ہمرکاب سہسرام جانا پڑا۔

ابھی وہاں ایک مہینہ نہ رہنے پائے تھے کہ طلبہ سے مدرسین تک ایک کے دوسرے پر
بے سروپا مذہبی اتہامات سُن سُن کر آپ ایسے آزردہ خاطر ہوئے کہ مولنا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ
سے بذریعہ تحریر سبق کے انتظام کی درخواست کی۔ جواب آیا کچھ دنوں انتظار کرو وقت نہیں ہے۔

پریشان ہوکر پھر غازیپور تشریف لے گئے اور اپنے قدیم استاد حضرت مولٰنا حافظ عبداللہؒ سے سب حال بیان کیا۔ حافظ صاحب (جو اسی لقب سے عموماً پکارے جاتے تھے) سہسرام جانے پر بہت ملامت کرنے لگے۔ آپ نے فوراً دونوں مٹھیاں باندھکر اپنے کلّوں پر یہ کہتے ہوئے مارنا شروع کیا "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلہ خود باید زد" یہانتک کہ دونوں کلّے سُرخ ہوگئے اور آپ رونے لگے۔ حافظ صاحبؒ نے متاثر ہوکر آپ کے دونوں ہاتھ تھام لیئے اور فرمایا کہ بس ندامت کی حد ہوگئی سُنو!

جدید سبق شروع کرانے کا وقت بالکل نہیں ہے حمداللہ میں مغالطہ عامۃ الورود کی بحث کل سے شروع ہوگی اس میں شریک ہوجاؤ۔ وقت خالی ہونے پر مستقبل سبق کا بندوبست انشاء اللہ تعالیٰ ہوجائے گا۔ آپ نے مؤدبانہ عرض کی کتب درسیہ میں حمداللہ فن تصدیقات کی آخر کتاب ہے اس کو خوب سمجھکر پڑھنا چاہیئے اور اس کے قبل کی ایک کتاب میرزاہد رسالہ مع غلام یحیٰی پوری الیٰ مایقراء باقی رہتی ہے کتاب چھوڑکر نہ پڑھونگا جو چھوٹی وہ چھوٹی۔ حافظ صاحبؒ نے بہت سمجھایا کہ تمھاری فہم سے واقف ہوں تمھیں پڑھا چکا ہوں تم حمداللہ خوب سمجھوگے اگر کہیں دقّت واقع ہوگی تو اچھی طرح سمجھادونگا مگر آپ راضی نہ ہوئے۔ اور درخواست کی۔

"ایک خط مولوی سلامت اللہ صاحب جیراج پوری اعظم گڈھی کو لکھدیجئے جب تک یہاں بندوبست نہیں ہوتا ہے ان سے پڑھونگا اور بذریعہ عریضہ یاد دلاتا رہونگا یہاں بندوبست کی اطلاع ملتے ہی فوراً حاضر ہوجاؤنگا"۔

حافظ صاحب نے فرمایا اگر مولوی سلامت اللہ صاحب پڑھائیں گے تو بہت ہی اچھا پڑھائیں گے لیکن انکا قیام ایک جگہ نہیں رہتا بے فائدہ تم حیران ہوگے یہ کہکر خط لکھدیا اور آپ جیراج پور روانہ ہوگئے راستہ میں بڑی بڑی صعوبتیں اٹھائیں مگر شوق تحصیل علم کے مقابلہ میں سب ناقابل اعتبار تھیں۔

وہاں پہنچکر آپ نے مولوی صاحب کو حافظ صاحب کا خط دیا وہ پڑھکر بڑے اخلاق سے ملے۔

وہاں مولوی صاحب کا قایم کردہ عربی کا ایک مدرسہ بھی تھا جس میں مولوی عبدالرحمن صاحب جنپیؒ مدرس تھے اور طلبہ رہتے تھے۔

مولوی صاحب نے مدرسہ اور طلبہ سے علیحدہ اپنے دولت خانہ پر خاص اپنے کمرے میں آپ کے رہنے کا بندوبست کیا اور کھانے پینے کا بار اپنے سر لے لیا اور گرمی کے خیال سے اپنے ملازم پر تاکید کردی کہ روز شام کو باہر چبوترہ پر فرش کرکے سب سے پہلے آپ کے مطالعہ کیلئے لیمپ رکھدیا کرے۔

آپ جمعہ کے دن دوپہر سے پہلے جیراج پور پہنچے تھے اسی دن بعد نماز جمعہ سب بندوبست ہوگیا ہفتہ کی شب کو آپنے نہایت خوش خوش ہدایہ اور میر زاہد رسالہ معہ حاشیہ غلام یحیٰی کا کافی مطالعہ دیکھا مگر اس کی خبر نہ تھی کہ "خود در چہ خیال اند و فلک در چہ خیال۔

ہفتہ کے روز علی الصباح مولوی صاحب نے جو سامنے ہی بیٹھے تھے بلاکر فرمایا کہ عجب مشکل آپڑی ہے میں جناب نواب سید صدیق حسن خان صاحب والی بھوپال کا وظیفہ خوار ہوں ابھی بذریعہ تار حکم پہنچا ہے کہ کل آٹھ بجے دن کو بنارس اسٹیشن پر موجود رہوں اس کی

تعمیل ضروری ہے اس وقت اعظم گڈھ جاتا ہوں وہاں سے بنارس روانہ ہوجاؤنگا۔ اگر اور کہیں جانیکا حکم نہ ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ اگلے دن یا ایک دن بعد واپس آجاؤنگا۔ اور اگر کہیں جانیکا حکم ہوگا تو بذریعہ تار خبر دونگا تین چار دن ٹھہر جانا چاہیئے۔

یہ سُنکر آپ سکتے میں آگئے اور عرض کی کہ میں باطمینان تمام لکھنؤ میں پڑھتا تھا بزرگونکے اصرار سے سہسرام جاکر عذاب میں گرفتار ہوگیا دیکھئے خدا کو کیا منظور ہے اگر تین چار دنوں میں حضور کی واپسی کا یقین ہوتا تو مضایقہ نہ تھا لیکن جناب کے مشکوک جملہ سے خوف ہے کہ اگر کہیں اور جانیکا حکم ہوگیا تو پھر نئی بلا ٹوٹ پڑے گی۔

وہ یہ کہ سہسرام سے غازیپور چلے آنے پر والد صاحب کے زیر عتاب ہوں اگر غازیپور سے یہاں آنے اور پھر یہاں سے بھی ناکام غازیپور واپس جانیکی خبر سن پائیں گے تو یہ سمجھکر کہ میں وقت ضایع کررہا ہوں روپیہ پیسا بھیجنا بند کر دینگے۔ اور میں ایک دوسری مصیبت میں پھنس جاؤنگا یہ حال سُنکر مولوی صاحب نے افسوس کیا اور فرمایا کہ میں کیونکر کہہ سکتا ہوں کہ کیا حکم ہوگا۔ غرض اسی وقت آپ نے مولوی صاحب کے شامل اعظم گڈھ کی راہ لی اور اعظم گڈھ سے بسواری شکرم دوسرے دن غازیپور واپس پہنچے۔

جب جناب حافظ صاحب کی خدمت شریف میں پہنچکر سب قصہ کہہ سنایا تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ مجھے تو اُن کا حال معلوم ہی ہے تم سے کہہ بھی دیا تھا۔ تم اپنی ضد سے حمد اللہ میں شریک نہیں ہوئے اور مجھے وقت نہیں کہ ابھی مستقل سبق شروع کرادوں۔

آپ نے آبدیدہ ہوکر کہا کہ اب حضور کی ڈیوڑھی پر دھنی دیکر بیٹھتا ہوں جبتک

جی چاہے تشنہ کام رکھیں لیکن خدا نے چاہا تو سیراب ہی ہو کر اُٹھونگا۔ یہ قدم چھوڑ کر بہت کچھ سیکھ گیا ہوں۔

آپ فرماتے تھے کہ یہ بات سنی تو حافظ صاحب ہنس پڑے اور ایسے پیارے لہجہ میں فرمایا کہ عجب ضدی لڑکا ہے اچھا میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ وقت ملتے ہی سطرح سیراب کرنا شروع کرونگا کہ سب کی تلافی ہو جائے گی اور دنیا دیکھ لے گی۔ بغیر اچھی طرح سیراب کیئے ٹلنے نہ دونگا۔ حافظ صاحب کا ایسا پیارا جملہ نہ پہلے سننے میں آیا تھا نہ بعد کبھی سنا گیا۔

آپ سبق کا انتظام نہ ہونے سے رات دن افسردہ و غمگین رہتے اور اکثر نیند میں اپنی بیکاری پر ڈاڑھیں مار مار کر رویا کرتے لوگ جگاتے تو آنکھوں سے آنسو جاری پاتے۔

یہاں پر قدرت کے کھیل اور ایک خواب اور اس کی فوری تعبیر کا ذکر کرنا ناظرین کے لیئے دلچسپی سے خالی نہ ہوگا جو مفصل والد صاحب مدظلہٗ کی زبانی راقم الحروف کا اپنے کانوں سُنا ہوا ہے جسکی طرف یادداشت میں بھی اشارہ ہے۔

ایک موقع پر آپ نے اپنی طالب العلمی کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "میں سبق کا بندوبست نہ ہونے کی وجہ سے سخت غم واندوہ میں مبتلا تھا کہ ایک رات خواب میں بہت بڑا عالی شان مکان نظر آیا جسکے پھاٹک پر چند مقدس لوگ کھڑے تھے ان میں سے ایک بزرگ نے اشارہ کیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداہ ابی و اُمّیؔ) اندر تشریف رکھتے ہیں۔

میں فرط شوق میں دیوانہ وار مکان میں چلا گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ صحن میں (جو اتر دکھن لنبا ہے) نہایت صاف شفاف فرش بچھا ہے اور اس کے چاروں طرف بطور حاشیہ بہت ہی

نورانی صورت بوڑھے جوان حضرات مودب دوزانو بیٹھے ہوئے ہیں جنکی نشست سے ایک مستطیل شکل قایم ہوگیئی ہے اور درمیان کا حصہ بالکل خالی ہے۔

پورب والی صف کے ٹھیک درمیان میں کچھ آگے نکلے ہوئے پچھم رخ سرکار (فداہ روحی) سفید شاندار لباس میں رونق افروز ہیں اور سارا صحن منور ہو رہا ہے۔

میں بیخودی کے عالم میں پچھم طرف کی صف سے پورب رخ بیٹھنے والے لوگوں کی گردن پھاندکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب اس طرح جا بیٹھا کہ میرے دونوں زانو حضور کے دونوں زانوے مبارک سے مل گئے۔

حضور نے بڑے پیار وشفقت سے اپنے دست مبارک میرے سر اور پیٹھ پر پھیرتے ہوئے (جسکی لذت اور خنکی دل میں ایسی پہنچی تھی کہ میں تاقیامت بھول نہیں سکتا) فرمایا کہ "تم اتنا پریشان ومضطر کیوں ہو؟ انشاء اللہ تعالیٰ اب بہت جلد تمھاری کتابیں ختم ہوجائینگی اور عالم ہوجاؤگے"۔ اس کی ایسی خوشی ہوئی کہ آنکھیں کھُل گئیں اور میں بیدار ہوگیا۔ اب تک یہ حسرت ہوتی ہے کہ آنکھیں کیوں کھلیں اسی خواب میں عمر بھر رہنا بہتر تھا۔

بیداری کے بعد سے تعبیر کا انتظار رہا۔ غالباً دو تین دن گزرے ہوں گے کہ ایک رات بعد مغرب اندھیرا ہونے پر افسردگی کے عالم میں مکان قیام کے منڈیرے پر عام آمدرفت کی گلی کی طرف پاؤں لٹکائے مغموم بیٹھا تھا کہ ایک بزرگ تشریف لاتے دکھائی دیئے تاریکی کے باعث صورت پہچان میں نہ آتی تھی مگر جوں جوں قریب ہوتے جاتے انداز رفتار سے جناب حافظ صاحب کا شبہہ ہوتا تھا جو بالکل غیر متوقع امر تھا۔

یہانتک کہ جب ٹھیک سامنے گلی میں پہنچے تو میری زبان سے نکلا کون ہیں جناب حافظ صاحب! جواباً السلام علیکم کہکر فرمایا کہ ہاں میں عبداللہ ہوں تم کون ہو ضمیر الحق! میں نے جواب میں کہا جی ہاں خادم ہی ہے۔ ارشاد ہوا کہ اب مجھے آنے کی ضرورت نہیں کل سے مختصر معانی شروع ہوگی۔

اگرچہ شروع کرنیوالے دوسرے لوگ ہوں گے لیکن تم اس کو اپنا مستقل سبق سمجھکر جسقدر ہوسکے محنت کرکے زیادہ مطالعہ دیکھنا جب تک تم بس نہ کروگے میں نہ روکونگا تاکہ یہ کتاب جلد ختم ہوجائے انشاء اللہ تعالیٰ اسکے ختم ہوتے ہی کافی راستہ کھُل جائیگا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔" وہ خواب تھا اور یہ اس کی تعبیر کا آغاز۔

مختصر معانی کا ختم ہونا تھا کہ میرزاہد رسالہ مع حاشیۂ غلام یحییٰ اور حمد اللہ اور ہدایہ جلدین آخرین کے سبق شروع ہوگئے اور صبح سے گیارہ بجے دن تک جناب حافظ صاحب بیک نشست آپ ہی کو درس دیتے رہتے۔

اس مدرسہ میں گورنمنٹ کی طرف سے کافی مدد ملنے کی وجہ سے سالانہ امتحان ہوا کرتا تھا جسکے سوالات دوسری جگہ سے آتے اور جناب کلکٹر صاحب سربمہر لفافے کو کھولتے اور سوالات تقسیم کرکے خود گارڈ کرتے۔

جب اس امتحان کا وقت آگیا اور آپ کو بھی امتحان دینا پڑا تو نتیجۂ امتحان کے ساتھ آپ کی تعریف لکھکر آئی کہ "بہت تیز ہے" اور اسکے صلے میں حافظ صاحب کے مشاہرہ میں ترقی ہوئی اور منیجر صاحب کی نظر بھی آپ پر نہایت محبت سے پڑنے لگی۔

جو طلبہ آپ کے ہمسبق تھے ان کو اس تعلیم سے خوش ہونا ہی تھا خوش رہے لیکن اور طلبہ کو شاق گزرا کہ حافظ صاحب تو ہمہ تن آپ کی تعلیم میں سرگرم تھے ہی اب مینیجر صاحب کو بھی آپ ہی کا زیادہ خیال ہو گیا، برخاستہ خاطر ہو کر ادھر اُدھر چلے گئے۔

پھر کیا تھا مدرسہ میں آپ ہی آپ اور آپ کی جماعت رہ گئی خوب تعلیم حاصل کرنیکا موقع ملا۔ یوں تو ابتدائے تحصیل علم ہی سے آپ پر استادوں کی نظر شفقت رہتی تھی لیکن خواب مذکور کے بعد سے جو کیفیت ہوئی اُسکا بیان موجب تطویل ہے اسلیئے قلم انداز کرتا ہوں۔

آپ اکثر فرمایا کرتے ہیں بلکہ بعض وقت آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں کہ "جسکی تعلیم اس بشارت کے ساتھ ہو افسوس ہے کہ اُس کی زندگی یوں ضایع ہو خدا ہی جانتا ہے کہ آیندہ کیا ہونے کو ہے پردۂ غیب میں کیا ہے"۔

اب آخر سال آگیا اور صرف شرح مواقف امور عامہ باقی رہ گئی آپنے مدرسہ کا اعلیٰ امتحان پاس کرکے جناب حافظ صاحب سے ذکر کیا میں حدیث پڑھنے کو دہلی جانا چاہتا ہوں مگر شرح مواقف رہی جاتی ہے۔ حافظ صاحب نے فرمایا کہ "رمضان شریف میں مکان نہ جاؤ تو اُس کو بھی ختم کرادوں"۔ آپ یہی چاہتے تھے ٹھہر گئے اور اس کو بھی ختم کرکے شوال ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ع تیرہ سو دو ہجری اٹھارہ سو پچاسی عیسوی میں فراغ حاصل کر لیا جسکی تاریخ آپ کے والد ماجد علیہ الرحمۃ نے ع "شمع علم ہدا رفیع الشان موزوں فرمائی" اور جناب مولانا حافظ محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے عالم ادیب فاضل لبیب مولوی حافظ ابو الصمصام محمد عبدالرحمن مرحوم بقا غازی پوری نے قطعہ ذیل تحریر فرمایا۔

لقد تحلّی بالعلوم کلہا	فتی لبیب یکسب الرغائبا
اعنی ضمیر الحق ذا المحاسن	ما زال یبدی ذھنہ عجائبا
رحت حینما انتہی تحصیلہ	بلغہ علومہ المطالبا

سنہ ۱۳۰۲ ھ

اب مکان آنیکا قصد کر کے جناب حافظ صاحب غفر اللہ لہٗ کی خدمت میں سند کی خواہش ظاہر کی۔ ارشاد ہوا کہ مدرسہ کا شروع سال ہے طلبہ کا ہجوم دیکھ رہے ہو تقسیم اسباق واوقات کی بھیڑ ہے اس وقت مکان جاؤ دہلی جاتے وقت ایک روز کے لیے یہاں ٹھہر جانا لکھ دونگا۔

آپ مکان تشریف لاکر دہلی کے سفر کا تہیہ کرنے لگے مگر دہلی میں ہیضہ کا زور شور سنکر ۲۰۔ محرم سنہ ۱۳۰۳ ھ ۱۸۸۵ء تک رُک جانا پڑا۔

۲۱۔ محرم سنہ صدر کو آپ بعزم دہلی آرہ سے روانہ ہوکر غازیپور پہنچے اسی دن جناب حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے کتب منسلکہ سلسلہ نظامیہ وغیرہ کی سند لکھکر عطا فرمائی دوسرے روز آپ لکھنؤ بغرض ملاقات جناب مولنا ابو الحسنات محمد عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ روانہ ہوئے اور چند دن وہاں ٹھہر کر اواخر محرم کو دہلی پہنچکے حضرت فخر المحدثین مولنا سیّد محمد نذیر حسین علیہ الرحمۃ کے حلقہ درس میں شامل ہو گئے۔

حضرت میاں صاحب علیہ الرحمۃ کی بھی نظر شفقت آپ پر بہت رہنے لگی یہانتک کہ صحاح ستہ وبعض دیگر کتب حدیث وتفسیر واصول حدیث پڑھکر بعد حصول سند واجازت

آخر محرم ۱۳۰۴ھ ۱۸۸۶ء تیرہ سو چار ہجری اٹھارہ سو چھیاسی عیسوی میں مکان واپس آگئے۔

حسن اتفاق سے اُن دنوں رئیس الاطبار جناب مولانا حافظ حاجی حکیم سید عبد السلام علیہ الرحمۃ دہلوی (جو بہت بڑے خاندانی طبیب حاذق اور ادیب اور مستند علمار سے تھے) آرہ ہی میں اقامت پزیر تھے آپ ان سے فن طب حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے۔

اسی ۱۸۸۶ء میں ۹۔ اگست کا لکھا ہوا مدرسہ چشمۂ رحمت غازیپور سے آپ کو وہ سرکاری سرٹیفکٹ بھی ملا جسکا پانے والا الہ آباد ہائیکورٹ کے متعلق سرکاری ملازمت کا مستحق اور منصفی کی وکالت کے امتحان دینے کا مجاز سمجھا جاتا تھا اس میں آپ کی نسبت یہ مضمون لکھا ہوا ہے' نامبردہ نے جو علوم اس مدرسہ میں حاصل کیئے اس میں اچھی استعداد پیدا کی اور برابر ہر امتحان میں کامیاب اور پاس ہوتا رہا چال چلن اسکا نہایت عمدہ ہے۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ جو کام تحریری یا تقریری اسکے سپرد کیا جائیگا اس کو بخوبی انجام دیگا' مگر آپ نے حصول ملازت یا امتحان وکالت کی طرف توجہ نہیں کی۔

تحصیل علم طب کے دوران میں بمساعدۃ ایام زبدۃ المحدثین جناب شیخ حسین بن محسن الانصاری الخزرجی الیمانی علیہ الرحمۃ (جو علامۂ قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ مصنف نیل الاوطار کے شاگرد رشید اور مولانا ابو الطیب نواب سید محمد صدیق حسن خان علیہ الرحمۃ والی بھوپال کے شیخ الحدیث اور معتمدین علمار میں تھے) آرہ میں تشریف لائے اور رسالہ اوایل کتب حدیث مصنفہ محمد سعید بن سنبل پڑھا کر ۱۶ صفر ۱۳۰۵ھ ۱۸۸۷ء کو اس کی اور کتاب الامم لایقاظ الہمم مؤلفہ محقق برہان الدین بن شیخ ابراہیم بن حسن کورانی ثم المدنی کی سند و اجازت سے آپکو سرفرازی بخشی۔

ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۹ء میں تحصیل علم طب سے بھی بحصول سند و اجازت فراغت پائی اور بحمدہ تعالیٰ اس وقت سے آپ برابر وطن مالوف ہی میں مطب اور تدریس کتب معقولات و منقولات وطب میں مصروف ہوئے۔ اور تھوڑے ہی دنوں بعد کامیاب اطبا میں آپکا شمار ہونے لگا۔

پندرہ بیس برسوں سے ثقل سماعت پیدا ہونے کی وجہ سے آہستہ آہستہ سلسلۂ تدریس میں کمی ہوتے ہوتے اب کہ ثقل سماعت طرش کے درجے پر پہنچ گیا پڑھانے کا سلسلہ بالکل موقوف ہوگیا ہے مگر علاج معالجہ میں آپ شہر طبیب ہونے کے باعث اس قدر ہر دلعزیز و مقبول انام ہیں کہ اگرچہ مریضوں اور تیمارداروں کو آپ کے نقصان سماعت کے سبب سے حال بیان کرنے میں تکلیف ہوتی ہے تاہم مفصل حالات لکھ لکھ کر لاتے اور نبض و قارورہ دکھا کر علاج کراتے اور شفایاب ہوتے ہیں۔

سنہ مذکورہ کے بعد سے عرب صاحب موصوف اکثر آرہ میں تشریف لاتے اور آپ پر نظر شفقت رکھنے کی وجہ سے بیشتر اوقات آپ ہی کے ہاں قیام فرماتے اور اپنے فیض علم سے بہرہ مند کرتے رہتے تھے۔

چنانچہ علاوہ سندات مذکورہ بالا کے جمادی الاخری ۱۳۰۹ھ ۱۸۹۲ء میں الارشاد الی مہمات علم الاسناد مؤلفہ مولٰنا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور قطف الثمر فی رفع اسانید المصنفات فی الفنون والاثر مصنفہ علامہ صالح بن محمد عمر الفلانی المدنی اور اتحاف الاکابر فی اسناد الدفاتر مؤلفہ قاضی محمد بن علی شوکانی کی سند و اجازت دی۔ پھر جمادی الاخری ۱۳۱۰ھ ۱۸۹۳ء میں اپنی جملہ مرویات کی سند و اجازت عامہ عطا فرمائی رحمہ اللہ وجعل الجنۃ مثواہ۔

ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ ۱۸۹۵ء میں جناب مولنٰنا قاضی شیخ محمد مچھلی شہری کا مولنٰنا ابو محمد ابراہیم مرحوم کے ہاں آرہ میں آنا ہوا جن سے مسلسل بالاولیہ کی سند حاصل کی۔

تلامذہ

متفرق طور پر مختلف کتابیں آپ نے بہت لوگوں کو پڑھائیں۔ مگر سلسلۂ نظامیہ کی ساری کتابیں بالاستیعاب دو ہی شخصوں کو پڑھانے کا اتفاق ہوا۔

(اوّل) مولوی حکیم محمد فصیح مرحوم صدیق چکی آروی تھے کہ ابتدا سے انتہا تک انھوں نے عربی اور سلسلۂ نظامیہ کی ساری کتابیں پڑھکر پوری صحاح ستہ اور طب بھی آپ ہی سے پڑھی اور نسخہ نویسی بھی آپ ہی سے سیکھی تھی اور سب میں نہایت اچھی استعداد پیدا کی تھی تحصیل علم حدیث کے درمیان ہی میں شیخ حسین عرب علیہ الرحمۃ سے بھی انھوں نے حدیث کی سند حاصل کی تھی شیخ صاحب موصوف ان کی استعداد اور قابلیت کی بڑی تعریف کرتے تھے لیکن افسوس ہے کہ فارغ ہونے کے چند ہی سال بعد طاعون میں مبتلا ہو کر رہگراے عالم بقا ہو گئے جسکا آپ کو سخت صدمہ ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اب تک مرحوم کا ذکر آجاتا ہے تو آپ بہت حسرت وافسوس کرتے ہیں۔

(دوسرے) مولوی حاجی حافظ حکیم عبد السّلام صاحب ساکن موضع مہدنواں ضلع پٹنہ ہیں۔ انھوں نے بھی شرح وقایہ و شرح تہذیب سے لے کر درسیات نظامیہ کی سب کتابیں اچھی استعداد کے ساتھ آپ ہی سے پڑھیں پھر آپ ہی کے مشورہ سے مدرسۂ تکمیل الطب لکھنؤ میں

جا کر طب کی تحصیل کی اور عرصہ تک مونگیر میں کامیابی کے ساتھ مطب کرتے رہے۔
جب ۱۹۳۴ء کے زلزلہ ہالکہ نے مونگیر کو تباہ و برباد کر دیا تو مجبور ہو کر پٹنہ میں مطب کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ خوش رکھے اور کامیابی عطا فرمائے۔ آمین

مختلف کتب احادیث اکثر لوگوں نے آپ سے پڑھیں جن میں مولوی ید لطف الرشید آبادی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے مشکوٰۃ المصابیح اور سنن اربعہ پوری آپ سے پڑھیں۔ ان کی محنت اور آپ کی شفقت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی ساری خامیاں دُور ہو گئیں اور بالغ استعداد پیدا ہو کر ادب کا خاص چسکا لگ گیا یہاں تک کہ دہلی جا کر صرف مطالعہ کے زور پر بغیر کسی کو استاد بنائے مولوی عالم کا امتحان پاس کر لیا اور دہلی ہی میں مدرس ہو گئے تھے اب اپنے وطن میں مدرسہ قایم کر کے نہایت سرگرمی سے درس دے رہے ہیں یہ آپ کے خدمتگذار عاشق زار تلامذہ میں ہیں۔ خداوند کریم کامیاب و فایز المرام رکھے آمین۔

آپ سے طب بھی بہت لوگوں نے پڑھیں اور سندیں حاصل کیں مگر چونکہ سند دینے میں آپ بہت محتاط ہیں اسلیئے پڑھنے والوں کے اعتبار سے سند پانے والوں کی تعداد کم ہے۔

ازدواج

۲۵ و ۲۶۔ جمادی الاولیٰ پنجشنبہ و جمعہ کی درمیانی شب ۱۲۹۷ھ ہجری میں آپ کی پہلی شادی آپ کے والد کی ننھیالی برادری میں ہوئی تھی یعنی آپ کے والد بزرگوار کے حقیقی خلیرے خالہ زاد بھائی مولوی حاجی ذکی الدین مرحوم (جو ناظر کلکٹری تھے) کی حقیقی پوتی مولوی محمد قاسم

مرحوم وکیل منصفی حلقۂ الہ آباد ہائیکورٹ کی بڑی صاجزادی بی بی رفیعہ مرحومہ سے۔

مولوی محمد قاسم مرحوم غازیپور علاقۂ الہ آباد ہائیکورٹ میں وکالت کرتے تھے یہی ذریعہ تحصیل علم کے لیئے آپکے غازیپور سفر کرنیکا ہوا تھا۔

بی بی رفیعہ مرحومہ کے بطن سے آپ کو تین فرزند نرینہ اور چھ صاجزادیاں اس ترتیب سے ہوئی تھیں محمد عبد الحق[1] ۔ محمد عزیز الحق[2] ۔ راشدہ[3] حامدہ[4] ساجدہ[5] محمد ولی الحق[6] شاہدہ[7] عابدہ[8] ماجدہ[9] جن کے حالات بھی اسی ترتیب سے لکھے جاتے ہیں۔

محمد عبد الحق یہ ساڑھے چھ برس کے ہو کر فوت ہوئے۔

(محمد عزیز الحق مرحوم) انھوں نے قرآن مجید حفظ کرنے کے چار ہی مہینے کے بعد کچھ کم دس برس کی عمر میں محراب سنا دیا تھا (اور بڑے بڑے جید حافظوں نے ان کی عمدگی حفظ اور امکنہ متشابہات کے سمجھنے کی داد دی تھی) اس کے بعد حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے بطریق خاص ایسی اچھی تعلیم دی تھی کہ فارسی کی نسبت ان کو یہ دعویٰ تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے ایم۔اے تک کسی استاد کی ضرورت نہیں۔ عربی بھی شرح ملا جامی تک آپ ہی سے پڑھی تھی اور فراٹے سے عربی بول چال اور تحریروں پر نہایت کافی قدرت پیدا کر لی تھی اسکے ساتھ ساتھ گورنمنٹ اسکول آرہ میں انگریزی تعلیم حاصل کرتے رہے اور انٹرنس کا امتحان دینے کے بعد نوشتہ تقدیر سے سل و دق میں مبتلا ہو گئے۔ دوران علالت ہی میں امتحان پاس کرنیکی خبر بھی آئی مگر افسوس کہ جاں بر نہ ہو سکے شادی تک نہ ہونے پائی تھی کہ دنیا سے رحلت کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس حادثہ نے آپ کو بیحد صدمہ پہنچایا اب تک تذکرہ کرتے وقت آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

(راشدہ[۳]) یہ تیرھویں برس کی عمر میں ناکتخدا بعارضہ طاعون دنیا سے سدھاریں۔

(حامدہ[۴] مرحومہ) ۹۔ ربیع الاول ۲۳۔ اپریل ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو قاضی محمد وحید اشرف صاحب
کوئیلوری سے بیاہی گئی تھیں اور ۲۷۔ ربیع الاول ۴۔ ستمبر روز شنبہ قریب پانچ بجے صبح
۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء کو بعارضہ تپ کہنہ چند مہینے مبتلا رہ کر ایک فرزند قاضی محمد مسعود اشرف بی۔ اے
اطال اللہ عمرہٗ اور ایک لڑکی بی بی عاتکہ عرف فردوسیہ خاتون سلمہا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر انتقال کیا

قاضی محمد مسعود اشرف سلمہ اللہ تعالیٰ کی شادی مولوی سیّد ابوالعاص صاحب رئیس بانکی پور
کی صاحبزادی بی بی صالحہ خاتون سے اور بی بی عاتکہ سلمہا کی شادی انھیں کے صاحبزادے
معین الامام سلمہ اللہ سے ہوئی۔

خدا کی مرضی کہ قاضی محمد مسعود اشرف سلمہٗ کی اہلیہ نے ۳۔ رمضان شریف ۱۱۔ دسمبر روز شنبہ
۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء کو ایک لڑکی مسعودہ سلمہا کو اپنی یادگار چھوڑ کر رحلت کی۔

(ساجدہ[۵]) یہ بڑی زیرک عقیل فہیم پڑھی لکھی ماں باپ کی بے حد پیاری تھیں چودہ برس کی
عمر میں سخت تپ و ورم جگر و ورم طحال میں مبتلا ہو کر ذی فراش ہو رہی تھیں کہ انکے بھائی حافظ
مولوی محمد عزیز الحق مرحوم موصوف الصدر کے منہ سے خون آیا والد صاحب کو ایسی ہر دلعزیز لڑکی
اور ایسے ہونہار نیک شعار فرزند سے جتنی بھی محبت ہوتی وہ کم تھی ان دونوں کی علالت سے
بدحواس ہو گئے آخر بیمار صاحبزادی کو تو مکان ہی پر چھوڑا اور صاحبزادے کو (جن کے ساتھ
ہزاروں آرزوئیں وابستہ تھیں) بغرض تبدیل آب و ہوا رانچی لے گئے۔

وہاں بقرینۂ غالب دو ڈھائی مہینے رہے تھے کہ دفعتاً راقم الحروف کی والدہ مکرمہ

کی علالت کا خط پہنچا کہ منہ سے بہت خون آیا اور ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ کوئیلو رے جاؤ۔ اب آپ کو وہاں سے چلے آنا چاہیئے اور سب لوگوں کو ایک ہی جگہ کوئیلو رہیں رکھنا مناسب ہے۔"

یہ وقت آپ کے لیے عجب مصیبت کا وقت تھا مگر کیا کرتے بس کی بات نہ تھی۔ رانچی سے واپس آنا پڑا۔ تین تین مریضوں کی تیمار داری اور تنہا خود ایک تیمار دار۔ مطب موقوف۔ روپیہ پیسہ کی قلت۔ تاہم کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن ہونا تھا وہی جو ہوا۔

کوئیلو ر پہنچنے کے پانچ مہینے کے بعد آپ کے عزیز فرزند نے کوئیلو رہی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور وہیں مدفون ہوئے پھر کچھ دنوں بعد آپ مکان پر آئے یہاں اُس پیاری لڑکی نے رحلت کی۔ راقم الحروف کی والدہ غم والم اور بیماری کی تکالیف سے صاحب فراش ہو گئیں اور آپ شب و روز خدمت و تیمار داری میں مشغول رہے ان واقعات کے ڈیڑھ پونے دو برس بعد وہ بھی رخصت ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اتنی طویل تیمار داری اور ہجوم صدمات میں آپ کو ثقل سماعت پیدا ہو گیا جو اب طرش کے درجہ کو پہنچ گیا ہے۔ مطب بالکل چھوٹ گیا تھا روپیہ پیسہ کی بہت ہی تنگی پیش آئی مگر برداشت کرنا پڑی لوگ آپ کی نسبت سمجھتے تھے کہ اتنے پیہم صدمات کے بعد شاید دماغ خراب ہو جائے گا مگر صبر دینا خدا ہی کے دست کرم میں ہے اس نے صبر دیدیا۔ دماغ تو صحیح رہا سماعت جاتی رہی۔

اب راقم الحروف اور تین چھوٹی چھوٹی بچیوں کی پرورش آپ کے سر آپڑی کوئی بڑی بوڑھی ہمدرد عورت مکان میں بجز معمولی ماماؤں کے نہ تھی جس پر بھروسا کیا جاتا۔ میں اگرچہ کم عمر کا تھا لیکن لڑکا تھا اس وجہ سے میرا تو زیادہ تردد نہ تھا لڑکیوں کا البتہ خیال تھا۔

لوگوں نے دوسری شادی کے لیئے آپ کو سمجھایا آپ نے فرمایا کہ نہ میں انکار کرتا ہوں نہ اقرار اپنی مصیبتوں کو بھی سمجھ رہا ہوں ڈر ہے تو صرف یہ کہ ایسا نہ ہو میرے بچے سوتیلی ماں کی بدسلوکیوں کی نذر ہو جائیں جسکو میں کسی طرح برداشت نہیں کرسکتا۔

پیام بہت جگہوں سے آئے لیکن کہیں خشونت مزاج کے ڈر سے کہیں مہر میں غلو ہونے کے باعث آپ انکار کرتے اور کہتے رہے کہ جب میں اپنی لڑکی کا مہر پانچسو درم شرعی مقرر کر کے عقد پڑھا چکا ہوں تو اپنا عقد نکاح اس سے زیادہ پر ہرگز نہ کرونگا لڑکی مجھے کیا کہے گی؟ اور خدا کو کیا مُنہ دکھاؤنگا۔ اور میں اس رسم غلو فی المھر کا دشمن بھی ہوں۔

آخر آپ کی ایک بزرگ محترمہ نے (جو رشتہ کی پھوپھی تھیں اور بڑی زاہدہ اور پرہیزگار اور آپ سے محبت رکھنے والی تھیں) خبر بھیجی کہ تم جیسی چاہتے ہو ویسی لڑکی مولوی عبدالعزیز ساکن چھپرہ کی سالی شیخ احمد حسین مرحوم پیغمبر پوری کی لڑکی ہاجرہ نامی ہے جس کی پرورش پرداخت مولوی عبدالعزیز ہی کر رہے ہیں تم وہاں پیام کرو نہایت غریب مزاج سلیقہ مند ہے اور مہر بھی وہی ہوگا جیسی تمھاری خواہش ہے۔

چنانچہ آپ نے سب باتیں دریافت کیں تو بلا اختلاف صدائے آفریں بلند ہوئی مگر داہنی آنکھ میں آشوب کی وجہ سے کچھ حرج بتا کر کہا گیا کہ اسکے باعث لوگ شادی کرنے میں جھجھکتے ہیں یہ سنکر آپ کو بہت افسوس آیا کہ ایک شریف کی شایستہ سلیقہ مند لڑکی محض ادنیٰ سبب سے یوں پڑی رہے گی اس کا کیا قصور ہے؟ غرض سیرت کو ترجیح دیکر پانچ سو درم شرعی جسکا (درم کے وزن میں اختلاف ہونے کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ) اکسو ساٹھ روپیہ

سکّہ رائج الوقت ہوتا ہے مہر طے کر کے شادی کر لی۔

بڑی مصیبتوں کے بعد اب آپ کو دلجمعی کی صورت نظر آئی اور واقعی جیسی نیت ویسی برکت وہ بہت ہی نیک ثابت ہوئیں آپ کی اولاد کو مثل اپنی اولاد بطنی کے سمجھنے لگیں سوتیلی ماں نہیں معلوم ہوئیں ایسی محبت کرنے لگیں کہ ہملوگ اپنی ماں کا غم بالکل بھول گئے۔

ان کے بطن سے آپ کو صرف ایک صاحبزادے ہوئے تھے جو چھ روز کے ہو کر مر گئے پھر کوئی اولاد نہ ہوئی مگر آپ برابر یہی فرماتیں کہ خدا سلامت رکھے میرے یہ (یعنی راقم الحروف وغیرہ) لڑکے موجود ہیں مجھے غم کیا ہے اور ہملوگ بھی اُنھیں حقیقی ہی ماں کی طرح سمجھتے رہے۔

(محمد ولی الحق) راقم الحروف کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ کرنیکا آپ کو موقع نہیں ملتا تھا کہ آپ کی پریشان حالی اور میری تضیع اوقات دیکھکر میرے حقیقی خالہ زاد بھائی جناب مولوی محمد یونس صاحب بی۔اے۔بی۔ال مدظلہٗ نے (جو بھائی صاحب مرحوم کی عیادت کو کوئیلور تشریف لے گئے تھے) آپ سے اجازت لے کر مجھے آرہ لے آئے اور گورنمنٹ اسکول میں نام درج کرا دیا۔ جب تک والد صاحب کو دلجمعی حاصل نہ ہوئی تھی میری تعلیم بھائی محمد یونس صاحب موصوف ہی کی زیر نگرانی ان کے چھوٹے بھائی مولوی احمد صاحب کی معیت میں ہوتی رہی جو بفضل الٰہی بی۔اے۔بی۔ال وکیل ہو کر پٹنہ ہائی کورٹ میں اپنے منجھلے بھائی مسٹر محمد یوسف صاحب بیرسٹرایٹ لا کے ساتھ رہ کر وکالت کر رہے ہیں۔

دوسری شادی کے بعد جب آپکو کچھ اطمینان ہو گیا تو میری تعلیم و تربیت کی طرف آپ خود متوجہ ہوئے اور اچھی طرح متوجہ ہوئے یہانتک کہ میں سکنڈ کلاس میں پہنچ گیا۔ باقی حال ترتیب مضامین کے لحاظ سے آگے آئیگا

(بی بی شاہدہ سلمہا اللہ تعالیٰ) یہ جب شادی کے قابل ہوئیں تو راقم الحروف کے بڑے بہنوئی قاضی محمد وحید اشرف صاحب کوئیلوری کے بھتیجے ڈاکٹر محمد سلیمان اشرف صاحب سے (جو اُس وقت بھاگلپور میں اسسٹنٹ سرجن تھے اور اب خان بہادر سول سرجن ہیں) بیاہی گئیں الحمد للہ کہ اسوقت بی بی شاہدہ سلمہا اللہ تعالیٰ کے بطن سے آپ کے تین نواسے ابو عبیدہ محمد سلطان اشرف محمد حسّان اشرف محمد سفیان اشرف اور چار نواسیاں ماہ جبیں مہر جبیں نور جبیں شمس جبیں ہیں اللہ تعالیٰ ان سب بچے بچیّوں کو مع مادر و پدر زندہ و خوش رکھے اور اقبال و فلاح دارین نصیب کرے - آمین

بی بی شاہدہ موصوفہ کی شادی کے تھوڑے دنوں بعد خان بہادر ڈاکٹر محمد سلیمان اشرف صاحب اپنی اہلیہ کو بھاگلپور لیجانے کے لئے آرہ تشریف لائے تو مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے گئے اور وہیں اسکول میں نام لکھوا دیا جب فرسٹ کلاس میں ترقی کرکے آیا تو خان بہادر موصوف کی تبدیلی بانکی پور پٹنہ میں ہوئی اور میں بھی اُن کے ساتھ بانکی پور آکر سمنری اسکول میں داخل ہوکر فرسٹ ڈویژن میں میٹرکولیشن پاس کیا - پھر دو سال بعد سنٹ زویر کالج کلکتہ سے فرسٹ ڈویژن میں آئی - اس - سی - پاس کیا اب والد بزرگوار مدظلہ اور دیگر اعزہ کی بالاتفاق رائے ہوئی کہ ڈاکٹری میں جاؤں میری بھی خواہش یہی تھی فرق اتنا تھا کہ میں بی - اس - سی پاس کرکے جانا چاہتا تھا اور وہ لوگ اسی وقت - والد ماجد مدظلہ کی طبیعت بڑی علم دوست اور حوصلہ مند واقع ہوئی ہے جب میرا میلان بی - اس - سی پڑھنے کی طرف دیکھا تو اجازت دیدی اور میں پٹنہ کالج میں بی - اس سی پڑھنے لگا تھرڈ ایر سے ترقی کرکے فورتھ ایر میں آیا تو نن کواپریشن کا ہنگامہ برپا ہوا - میں بھی ساتھیوں کی ہوا بندی میں پڑکر بے اطلاع والد مدظلہ کے نن کواپریشن ورک کرنے کی فکر میں ہوگیا اور

پڑھنے کی طرف سے غفلت اور سخت غفلت ہوئی۔ والد ماجد مدظلہٗ ایسی ہنگامہ آرائیوں کے بالکل خلاف رہتے تھے اور رہتے ہیں اسلیئے ان کے ڈر سے ٹسٹ میں شامل تو ہوا مگر نتیجہ معلوم یہ سال بالکل برباد ہوگیا۔

والد بزرگوار کو جب میری خام عقلیوں کا حال معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے اور بگڑے میں نادم و پشیماں ہوکر پھر فوراً گھر میں پڑھنے لگا۔ اوّل چانس خراب ہو چکا تھا سکنڈ چانس میں بھی اچھی طرح پڑھنے کا موقع کم ملا ٹسٹ کا امتحان دیکرا پیر تو ہوگیا لیکن یونیورسٹی میں ناکام رہا۔

اب کلکتہ میڈیکل کالج میں داخل ہوا۔ جب پانچواں سال آیا تو حضرت والد ماجد دام اللہ ظلہٗ کو میری شادی کی فکر ہوئی۔

(عابدہ سلمہا) ان کی شادی کی بات چیت بھی پختہ ہو چکی تھی۔ اور بیاہنے کے قابل ہوگئی تھیں۔

غرض ایک ہی دن میرا عقد نکاح سیّد عبدالنور مرحوم کی صبیہ رضیہ بی بی امۃ الرسول سے ہوا اور بی بی عابدہ سلمہا کا میرے حقیقی خالہ زاد بھائی مسٹر نجم الہدیٰ سلمہ اللہ تعالیٰ اسسٹنٹ انجینیر سے۔ الحمد للہ میں ایم۔ بی۔ بی۔ ایس پاس کرکے بفضل خداوندی اسسٹنٹ سرجن کے عہدہ پر مامور ہوں۔

ابھی تک راقم الحروف کو کوئی اولاد نہیں ہوئی ہے۔

عابدہ سلمہا کو بفضلہ تعالیٰ ایک لڑکی نسیبہ سلمہا اور دو لڑکے محمد ضیاء الہدیٰ[۱] محمد امام الہدیٰ[۲] سلمہا اللہ تعالیٰ ہیں اللہ تعالیٰ عمر دراز کرے اور اقبال مند بنائے اور مدتوں ماں باپ کا سایہ

سر پر قایم رکھے۔

(ماجدہ) یہ آپ کی سب صاحبزادیوں سے چھوٹی تھی۔ جو آپ کی دوسری شادی کے دو ڈھائی برس بعد انتقال کر چکی تھی۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ دوسری شادی سے آپ کو ایک صاحبزادے ہوئے تھے جو چھ دن کے ہو کر رخصت ہو گئے۔

الحاصل اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار لڑکے اور چھ لڑکیاں دی تھیں جنمیں سے صرف ایک لڑکا راقم الحروف اور دو لڑکیاں بی بی شاہدہ و بی بی عابدہ بقید حیات ہیں۔ اور تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں آپ کی نظر کے سامنے یکے بعد دیگرے دنیا سے کوچ کر تی گئیں۔

ادھر چار برسوں سے راقم الحروف کی والدۂ ثانیہ بی بی ہاجرہ بنت شیخ احمد حسین مرحوم سخت دماغی حرج جنون میں مبتلا ہوئیں اور آپ نے ان کے علاج معالجہ میں جان توڑ کوشش کیں یونانی۔ الوپیتھک۔ ہومیوپیتھک سبھی تدبیریں کیں اور کرائیں کہ کسی طرح صحتیاب ہو جائیں تو ساتھ لے کر حج کو جائیں۔

جب افاقہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو مجبور ہو کر شوال ۱۳۵۰ھ ۱۹۳۲ء میں تنہا حجاز کو تشریف لے گئے مگر ان کی علالت اور تیمارداری کے خیال سے وہاں زیادہ ٹھہر نہ سکے زیارت حرمین شریفین اور ادائے مناسک حج سے فارغ ہو کر فوراً واپس ہوئے اور پانچویں محرم الحرام ۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ء کو مکان پر پہنچ گئے۔

واپس آنے پر مریضہ موصوفہ کو اسی حال میں پایا جس حال میں چھوڑ گئے تھے لیکن تدبیریں

ذرا بھی پہلو تہی نہیں کی یہانتک کہ مریضہ نے اپنی ننہال موضع چھپا تا ضلع سارن جانے کے لئے دھوم مچائی اُن کے بھانجے مولوی عبدالودود صاحب خلف مولوی عبدالعزیز چھپروی مرحوم نے بھی (جنکی وہیں شادی ہوئی اور وہیں سکونت اختیار کرلی ہے اور بغرض تیمارداری مریضہ مع متعلقین آرہ آئے ہوئے تھے) اُنکا اصرار دیکھکر لے جانے کی خواہش ظاہر ہوئی اور معالجوں کی بھی رائے ہوئی کہ شاید جگہ اور آب و ہوا بدل جانے سے فائدہ ہوجائے جانے دینا چاہیئے۔

آپ اپنی آنکھوں سے جدا کرنے پر راضی نہ تھے خصوصاً بُعد مسافت کی وجہ سے بہت ہی متأمل تھے سب لوگوں کے متفق الرائے ہوجانے سے بادلِ ناخاستہ جانے دیا۔ اور برابر خود جاکر دیکھ آیا کرتے تھے۔

وہاں جانیکا بھی کوئی نتیجہ نہ ہوا یہاں شور و شر تھا تو وہاں سکوت محض پیدا ہوگیا۔

آخر نتیجہ یہ ہوا کہ چھبیس رمضان شریف چودھویں دسمبر روز جمعہ کی بعد والی شب ۱۳۵۳ھ / ۱۹۳۴ء میں وہیں آخرت کی راہ لی اور وہیں مدفون ہوئیں۔

میں نے آپ کی اولاد و ازواج کے حالات و واقعات اس وضاحت سے اس لئے بیان کئے ہیں تاکہ ناظرین غور فرمائیں کہ آپ کی زندگی کیسی کیسی مصیبتوں اور سختیوں میں گزری لیکن ہر حال میں صابر و شاکر رہے۔

اس وقت کہ ضعیفی کا عالم ہے صحت بھی اچھی نہیں آئے دن کی نئی نئی تکلیفیں ستاتی رہتی ہیں تنہا مکان پر تشریف رکھتے ہیں۔ دونوں صاحبزادیاں اپنے اپنے گھر ہیں۔ راقم الحروف بذریعہ ملازمت سفر میں۔ دلبستگی و رفع وحشت تنہائی کا سامان اپنے بس بھر کردیا گیا ہے لیکن خدا ہی جانے کیسی گزرتی ہے۔ کسی کے دل میں محبت انصاف خدا ترسی پیدا کردینا

اپنا کام نہیں۔ اللہ ہی رحم فرمائے۔

تالیف و تصنیف

مختلف علوم و فنون میں چند بکار آمد رسالے بعض اُردو میں بعض عربی میں لکھے تھے اور موجز القانون کی عربی میں ایک بسیط شرح لکھ رہے تھے (جسکے کچھ حصّے کو جناب مولنا حافظ محمد عبداللہ غازیپوری رحمہ اللہ دیکھکر بہت خوش ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ یہ شرح سب شرحوں سے بے نیاز کرنیوالی ہوگی) تھوڑا ہی لکھنا باقی رہ گیا تھا کہ آپ کے زمانۂ ابتلار میں دیمکوں نے اُن رسالوں اور شرح کے تمام اجزا کو کھا کر مٹی کا ڈھیر کر دیا۔ جسکا آپ کو ناقابل بیان صدمہ ہے۔

تھوڑے دنوں سے پھر کچھ لکھنے میں منہمک معلوم ہوتے ہیں لیکن کھُلتے نہیں کہ کیا لکھتے ہیں لوگ اصرار کرکے پوچھتے ہیں تو افسردہ ہوکر فرماتے ہیں کہ جو چیزیں میں نے خون جگر کھا کھا کے لکھی تھیں وہ سب کی سب خاک و برباد ہوگئیں۔ اب نہ دماغ میں قوت باقی ہے نہ طبیعت میں جولانی لکھونگا کیا۔ بیٹھا بیٹھا کاغذ سیاہ کرتا ہوں۔ یہ بھی بُرا یا بھلا انجام کو پہنچ جائے اور پروردگار عالم قبول فرماکر شایع کراکے مفید خلایق بنادے تو سمجھیے کہ زندگی ٹھکانے لگی ورنہ ع

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دینی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ خدا نیت پوری کرے۔

آمین ثم آمین

شعروشاعری

ناظرین کو آپ کی تحصیل علم فارسی کے سلسلے میں معلوم ہو چکا ہو گا کہ آپ اکثر دواوین وغیرہ دیکھتے اور جو سمجھ میں نہ آتا اس کو اپنے والد بزرگوار یا اور کسی اپنے سے زیادہ علم رکھنے والوں سے حل فرما لیا کرتے تھے۔

اسی وقت سے آپ کو شاعری کا مذاق پیدا ہو چلا تھا اکثر اشعار فارسی، بطور خود موزوں فرماتے اور پھاڑ کر پھینکدیا کرتے جب علم فارسی کی تحصیل ختم کرکے یکسو ہو کر تحصیل علم عربی کی طرف متوجہ ہوئے تو اسکا خیال بھی اُٹھ گیا تھا۔

لیکن غازیپور پہنچے تو وہ حضرت مولنا محمد عبدالاحد شمشاد لکھنوی کے فیض سے لکھنؤ ہو رہا تھا ہر طرف اُردو شعر شاعری کا چرچا تھا۔ جناب بقا غازیپوری مرحوم شمش بازغہ پڑھتے تھے اور مولوی محمد ظہیر احسن شوق نیموی عظیم آبادی مرحوم شرح سلم ملا حسن اور مختصر معانی۔ اور یہ دونوں صاحبان جناب شمشاد کے تلامذہ میں ممتاز درجہ رکھتے تھے آپ کو ان دونوں صاحبوں سے گہرا دوستانہ ربط پیدا ہو گیا تھا اسلیئے وہ حضرات آپ کو شاعری کی طرف اُبھارتے رہتے۔

آپکا طبعی میلان تو شاعری کی طرف تھا ہی ان لوگوں کے رات دن کہنے سننے سے اور بھی جوش پیدا ہوا مگر اُردو شاعری بہت اہم معلوم ہوئی تو اساتذہ اُردو کے دیوان دیکھنا شروع کیئے اور فارسی کی طرح اُردو میں بھی بطور خود کچھ کہنے لگے یہاں تک کہ جب لکھنؤ گئے تو اُن لوگوں کی بول چال اور زبان سے بھی تحقیقاتی استفادہ کرنے لگے اور فی الجملہ اُردو زبان سے کچھ اُنس ہو گیا۔

لکھنؤ سے واپس آنے پر سہسرام سے گھومتے گھامتے دوبارہ غازیپور تشریف لائے تو سبق کا انتظام نہ ہونے سے ایک روز افسردگی میں آپ کی زبان سے بے ساختہ اپنا یہ شعر نکل گیا ؎

واحسرتا کہ زیست بغفلت گزار دم　　　کارے زمن نیامد و عمرم بسر رسید

جناب بقاؔ نے پوچھا کہ یہ شعر کسکا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ کسی کا ہوگا اس سے وہ تاڑ گئے اور پھر اصرار کرنا شروع کر دیا کہ کچھ کہو۔

اتفاق سے شوقؔ نیموی مرحوم نے ایک کتاب ازاحۃ الاغلاط لکھی اور آپ کو اس کا قطعۂ تاریخ لکھنے پر مجبور کیا ہر چند آپ نے عذر کیا کہ میں ان چیزوں سے ناواقف محض ہوں مگر انھوں نے نہ مانا آخر ایک قطعہ دو شعر کا ضمیر تخلص کر کے لکھدیا اس کو دیکھکر انھوں نے کہا کہ دوست! تم چھپاتے ہو یہ قطعہ کہ رہا ہے کہ کسی سے اصلاح ضرور لیتے ہو اس وقت آپنے اپنی پوری تعلیمی حالت بیان کردی۔ وہ متعجب ہوکر رہ گئے اور حضرت شمشادؔ سے جاکر ذکر کیا وہ بھی قطعہ دیکھکر متعجب ہوئے اور پسندیدگی ظاہر کر کے فرمایا کہ اگر وہ اس طرف توجہ کرینگے تو اس میں شک نہیں کہ بہت جلد ماہر فن ہو جائینگے۔

کچھ دنوں بعد جس وقت آپ حمد اللہ پڑھ رہے تھے تو ادب عربی کے سلسلے میں دیوان متنبی کے ساتھ ساتھ جناب حافظ صاحب علیہ الرحمۃ نے آپ کو ابو یعقوب یوسف سکّاکی کی عروض المفتاح شروع کرائی اور طبیعت کی مناسبت دیکھکر فرمایا کہ تمھارا ذوق ادب اچھا ہے شعر کہتے ہو یا نہیں؟ کچھ کہا کرو۔

آپ سمجھے کہ عربی شاعری کی طرف اشارہ ہے۔ چند شعروں کا ایک نعتیہ قصیدہ عربی میں

لکھکر بنظر اصلاح دے گئے۔

جناب حافظ صاحب نہ تو شعر کہتے تھے نہ اصلاح میں خود بناتے تھے بلکہ اپنی قابلیت ومذاق ادبی کے زور پر طبیعت دار شاگردوں کو محاسن ومعائب سے آگاہ کرکے فرمادیتے کہ بنالاؤ جسکا نتیجہ یہ ہوتا کہ شاگردوں کو خود بنانا پڑتا اور چند بار اُلٹ پلٹ کرکے بنوانے اور بنانے میں شعر درست اور شاگردوں کو محاسن ومعائب شاعری پر خاصا عبور ہو جاتا۔

آپ کے قصیدہ کے ساتھ بھی یہی اصول برتا گیا اگرچہ اس میں بڑی دقّت ہوئی اور ایر پھیر کرکے بنانے میں دیر لگی مگر قصیدہ درست ہو گیا اس کے دو شعر جن کو حافظ صاحب نے زیادہ پسند کیا اور داد دی وہ یہ ہیں :-

یا رب وفقنی لرویۃ احمد	الی لمضطرم بشوق لقائہٖ
تجری المدامع والفواد مقطع	یالیت یوماً احتظی بروائہٖ

جب سے عربی کی نظمیں حافظ صاحب ہی کو دکھائے۔

ایک طرف جناب بقاؔ وشوقؔ کے اصرار اور دوسری طرف عربی کے ایسے بزرگ وشفیق استاد کی تحریک وداد نے طبیعت میں اُبھار پیدا کر دیا۔ اسی درمیان میں شوقؔ مرحوم نے ایک مشاعرہ کا اعلان کیا جیسں مصرع طرح یہ دیا تھا ع

آج بدلا ہے رنگ گلشن کا

اور دونوں صاحبوں (بقاؔ وشوقؔ) نے ضد کی کہ غزل ضرور کہو۔ اور حضرت شمشاد نے قطعہ تاریخ دیکھکر جو ارشاد فرمایا تھا وہ کہہ سُنایا۔ دل میں جوش تو ضرور پیدا ہوا لیکن عذر کیا کہ یہ اُردو

کی شاعری ہے تذکیر و تانیث واحد و جمع اصطلاحات محاورات پر عبور ہونا چاہیئے میں پورب کا رہنے والا ہوں بے فائدہ آپ لوگ جگ ہنسائی کرانا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں نے کہا کہ کام کرنے ہی سے آتا ہے اور آدمی ٹھوکر ہی کھا کر سنبھلتا ہے ایسا ہی خیال ہے تو مولوی صاحب (جناب شمشاد) کو دکھا لو۔

یہ بات آپ نے پسند کی اور دو غزلیں ایک غیر طرح اور ایک طرح کی لکھکر ارادہ کیا کہ بغیر اصلاح لیے پڑھوں دیکھوں لوگ کیا رائے قایم کرتے ہیں پھر تو اصلاح لیناہی ہی لونگا۔

چنانچہ ایسا ہی کیا اور مشاعرے میں سب سے پہلے پڑھنے کے قصد سے اپنی طرف روشنی کھینچنا چاہی تو لوگوں نے باصرار روک دیا۔ کہ ابھی نہیں۔

غازیپور کے ایک شاعر شاہ مہر علی صاحب مہر بھی اپنے شاگردوں کی جماعت کے ساتھ آئے ہوئے تھے اُنھوں نے بھی روکا اُن کے شاگرد اور دوسرے سب مبتدی لوگ جب پڑھ چکے تو مولوی شوق نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔

آپ نے حاضرین کو مخاطب کرکے اپنا اس فن سے ناآشنا ہونا اور محض دوستوں کے اصرار سے غزل کہکر بے اصلاح پڑھنے کی جرأت کرنا بیان کیا اور کہا کہ میں تو آج شاعری کی بسم اللہ پڑھنے آیا ہوں اسلیئے سب سے پہلے پڑھنے کا میرا حق تھا مگر آپ حضرات کی عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوا باادب عرض کرتا ہوں کہ اگر کچھ غلطی ہو تو معاف فرمائینگے۔ اسکے بعد غزلیں پڑھیں اور خوب خوب داد ملی مگر آپ نے اس داد کو منتہی طالب علم ہونے کی وجہ سے خلعت مکرمت و ہمت افزائی سمجھا تھا حقیقی نہیں۔

راقم الحروف کے پاس وہ دونوں غزلیں موجود تھیں مگر ضایع ہو گئیں۔ تاہم دو شعر غیر طرحی غزل کے اور ایک شعر طرحی غزل کا یاد ہے جو ناظرین کی ظرافت طبع کے لیئے لکھے دیتا ہوں جن سے یہ اندازہ ہوگا کہ جس کی بسم اللہ ایسے شعروں سے ہوئی ہو وہ مشق کے بعد کیسا ہوگا۔

غیر طرح

گزری شبِ وصال قیامت بپا ہوئی — آوازِ صور نالۂ مرغِ سحر میں ہے

لکھا ہے خطِ شوق جو اک رشکِ حور کو — روح القدس کی روح تنِ نامہ بر میں ہے

طرح

جس نے زلفیں چھوئیں مرا بے موت — زہر ہے ان میں کالی ناگن کا

آپ فرماتے تھے کہ مشاعرہ میں ایک بے لطفی ہو گئی کہ جب سیّد ذاکر حسین صاحب ہنر غازیپوری (جو حضرت قلق لکھنوی مرحوم کے شاگرد اور حضرت شمشاد کے استاد بھائی تھے) کے پڑھنے کی باری آئی تو ایک شعر پڑھا (جو مجھے اب یاد نہیں رہا) اس کو حضرت شمشاد نے دوبارہ پڑھنے کی فرمایش کی اور سنکر خاموش رہ گئے۔ ہنر صاحب نے جناب شمشاد کے چپ رہجانے پر پوچھا "کیا آپ نے سمجھا نہیں!" جواب نفی میں پاکر انھوں نے بیاض بند کر لی اور یہ کہتے ہوئے فوراً ہی چلے جانے پر آمادہ ہو گئے کہ آپ کے نہ سمجھنے کا مطلب یہ ہوا کہ میں بے معنی شعر کہتا ہوں۔ حضرت شمشاد بہت ہی منکسر المزاج تھے فرمایا کہ میرا نہ سمجھنا میری نافہمی کی دلیل ہوگی نہ کہ شاعر کے بے معنی شعر کہنے کی آزردہ نہ ہوں مجھے اپنی بے فہمی پر افسوس ہے آپ بے تکلف پڑھیں یہ سنکر وہ ٹھہر تو گئے لیکن باوجود سب لوگوں کے سمجھانے اور اصرار کرنے کے بھی غزل نہ پڑھتی

مشاعرہ ختم ہو جانے پر جب ہم لوگ واپس ہوئے تو راستہ میں جناب شمشاد نے مولوی بقا سے فرمایا کہ ہنر کے آزردہ ہو جانے کا سخت افسوس ہے کاش اُنھوں نے اس کے نہ سمجھنے کا مجھ سے سوال ہی نہ کیا ہوتا عبدالرحمن! تم اُسکا کیا مطلب سمجھے؟ اُنھوں نے جواب دیا کچھ نہیں۔

تب مولانا نے فرمایا کہ تم میرے شاگرد ہو ممکن ہے کہ میری طرفداری کرتے ہو ضمیرالحق ماشاءاللہ عربی فارسی میں قابل حمداللہ پڑھتے ہیں اُردو کی شاعری میں طبیعت کا رنگ دیکھو کہ پہلی غزل پڑھی وہ بھی بے اصلاح مگر مشاعرے میں اپنا رنگ جما دیا بہت لوگوں کے دانت کھٹے کر دیئے شاہ مہر تو مُنہ دیکھتے رہ گئے۔ یہ تو میرے شاگرد نہیں ہیں نہ ان کو میری طرفداری کی کوئی وجہ ہے۔

اچھا ضمیرالحق تم بتاؤ۔ کچھ مطلب سمجھے میں نے عرض کی سبحان اللہ ؎

محمل نشیں ہیں کتنے خدام یار ہیں یاں   لیلیٰ کا ایک ناقہ سو کس شمار میں یاں

جہاں جگت اُستاد صاحب کمال موجود ہوں وہاں میرا ذکر کیا؟ لیکن بے ادبی معاف ہو تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج سید صاحب پر بڑا ظلم ہوا میں تو شعر سنتے ہی مطلب سمجھ گیا تھا اور واقعی خوب ہی سمجھا تھا۔ ارشاد ہوا کہو عرض کی میں یہ سمجھا تھا کہ پُرانے شاعر ہیں تو کچھ مطلب ضرور رکھا ہوگا۔ بس اس سے زیادہ کی ضرورت ہی کیا تھی؟ آخر اس مقولہ معنی الشعر فی بطن الشاعر کا مصداق بھی تو ہونا چاہیئے۔ بدر چاچ کے اشعار حل کرنیوالے اس شعر کو حل نہ کریں گے؟ میں شاعر کے شاعرانہ راز کو کیوں فاش کروں۔ میرے اس جواب پر مولانا خوب ہنسے۔ یہ تو مشاعرہ کا قصہ ہوا مگر مجھکو مخاطب کرکے

مولانا کے مطلب پوچھنے اور میری رات والی غزلوں پر تعریف کرنے کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے آپ کو اُستاد بنا کر مشق کا ارادہ کر لیا۔

دوسرے دن مدرسہ جاتے ہوئے جا بجا اپنی طرف لوگوں کی انگلیاں اٹھتے دیکھکر دوستوں سے ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ مہر شاہ کے شاگردوں پر رات کے مشاعرہ میں میری غزلوں کا ایسا اثر پڑا ہے کہ وہ سب سے کہتے پھرتے ہیں کہ مدرسہ چشمۂ رحمت کے ایک طالب العلم نے پہلی پہلی غزلیں بے اصلاحی ایسی پڑھیں کہ بالاتفاق اُستادوں نے خوب خوب داد دی۔ یہی وجہ ہے کہ اشارہ کر کے لوگ تم کو پہچنواتے ہوں گے۔

اب تو میں شاعری کا دیوانہ ہو گیا اور وہ دونوں غزلیں لیکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کے عرض کی کہ مناسب تو یہ تھا کہ میں اصلاح لے لیتا تو مشاعرہ میں پڑھتا مگر اصلاح کے پہلے پڑھنے سے اس بات کا امتحان منظور تھا کہ لوگ میری نسبت کیا رائے قایم کرتے ہیں اگر مجھ میں شاعری کا مادہ ہو تو اس کو حاصل کروں ورنہ وقت ضایع کرنیکا نتیجہ کیا۔

مولانا نے فرمایا کہ پہلی پہلی غزلیں وہ بھی بے اصلاحی پڑھکر تم نے دھاک جما دی انشاء اللہ تعالیٰ اگر توجہ کرو گے تو بہت جلد مہارت حاصل کر لو گے مگر ایک بات سمجھا دیتا ہوں کہ ایسا نہ ہو اس میں پڑ کر علم حاصل کرنے میں غفلت ہو۔ یہ یاد رکھو کہ شاعری میں جسقدر علم جتنے معلومات زیادہ ہونگے اسی قدر اس میں ترقی ہو گی یہ نصیحت فرما کر غزلوں پر اصلاح دی بعض شعر نکال دیئے بعض میں تغیر تبدیل کر کے وجہ اصلاح سمجھا دی۔

یہ سب باتیں بیان کر کے آپ نے کہا کہ بس اسی تاریخ سے میں باضابطہ مولانا کے حلقۂ

شاگردی میں آگیا اور مولنا بڑی شفقت سے اصلاح دینے اور رموز شاعری بتانے لگے جب تک میں غازیپور میں رہا بالمشافہہ اصلاح ہوتی رہی جب غازیپور چھوٹا تو خط کے ذریعہ سے اصلاح ہونے لگی مگر ایسی اصلاح جو بالمشافہہ کے مثل ہوتی تخلص بدلنے کی فکر تھی دہلی میں سنن ترمذی پڑھتے وقت سند میں راوی کا نام قیس آگیا اور اس وقت تک کسی کا یہ تخلص دیکھا یا سنا نہ تھا اسی کو اپنا تخلص بنا لیا۔

جب آپ نے شروع شروع مشاعرے میں غزلیں پڑھیں اور مولنا شمشاد کے حلقۂ شاگردی میں داخل ہو کر فیضیاب ہونے لگے اور آپ پر مولنا کی نظر شفقت آمیز کا لوگوں میں تذکرہ ہونے لگا تو ایک ذات بزرگ کو (جو مولنا ہی کے شاگردوں میں تھے) آپ سے حسد پیدا ہوا۔ اور وہ بمصداق ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد	میلش اندر طعنۂ پاکان نہد

عجیب وغریب حرکت کر بیٹھے۔

جسکی صراحت یوں ہے کہ اس زمانہ میں لکھنؤ سے پیام یار ایک پرچہ شعرائے وقت کی غزلوں کا مجموعہ بطور مشاعرہ منشی نثار حسین صاحب نثار کے اہتمام سے نکلتا تھا۔

مولنا کے ایک شاگرد پھر ساٹار کے رہنے والے مولنا کے ہمنام قدسؔ تخلص سے آپ کی ملاقات ہوئی اُنھوں نے تذکرۃً فرمایا کہ آپ مولنا کے شاگرد ہو کر اپنے کو کبھی شاگرد بقا اور کبھی شاگرد بقاؔ و شمشاد کیا لکھتے ہیں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ اُستاد کے دل پر اسکا اثر اچھا نہیں پڑتا۔

آپ نے حیرت زدہ ہو کر کہا کہ اس کو واضح کیجئے میں سمجھنے سے قاصر ہوں اُنھوں نے فرمایا کہ ادھر پیام یار کے چند پرچوں میں آپ کی جو غزلیں چھپی ہیں تو کسی میں اپنے کو شاگرد بقا لکھا ہے کسی میں شاگرد بقا و شمشاد۔ آپ بقا کے شاگرد کب ہوئے مولٰنا میں کچھ کمی دیکھی ؟ یا مولٰنا نے آپ کو بقا کے سپرد کیا؟ یہ سنکر آپ نے فرمایا یا للعجب میں نے تو پیام یار میں کوئی غزل نہیں بھیجی۔ فرمائیے تو وہ غزلیں کن کن نمبروں میں چھپی ہیں میں دیکھنا چاہتا ہوں اُنھوں نے پتا دیا تو آپ لوگوں سے لیکر وہ پرچے اکٹھا کیئے اور سیدھے مولٰنا کی خدمت میں لیجا کر عرض کی کہ یہ شعبدہ بازی ملاحظہ فرمائیں میں نے تو نہ یہ غزلیں لکھیں نہ پیام یار میں بھیجیں اگر لکھتا تو حضور کو دکھاتا یہ ترکیبیں حضور کی نظر شفقت سے مجھے گرانے کی ہیں اس کی تفتیش فرمائیں۔

جناب بقا اگرچہ میرے دوستوں میں ہیں لیکن مجھ پر ہر طرح فضیلت رکھتے ہیں ان کا شاگرد ہونا حاشا و کلّا میرے لئے باعث ننگ نہیں مگر بے اصل باتیں بنا کر دوسرے کی غزل میرے نام سے رشتہ تلمذ کو بلا وجہ تقسیم کر کے چھپوا دینا کیسی بات ہے۔

مولانا نے فرمایا یہ پرچہ برابر میرے پاس آتا ہے مجھے آپ ہی تعجب تھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اگر بقا کی شاگردی پسند ہے تو اُنھیں کی طرف منسوب کرتے وہ تو میرے شاگرد ہیں میری خوشی کی بات تھی۔ لیکن اُستاد شاگرد دونوں کو ملا دینا کیسا وہ بھی اس حالت میں کہ میں بھی یہیں ہوں اور وہ بھی یہیں ہیں۔ اور تم نے پہلے مجھی کو غزل دکھائی ہے۔ ہاں اگر میں کوئی عذر کر کے خود ہی تمھیں بقا کے سپرد کر دیتا تو مضایقہ نہ تھا بہر حال میں بقا کو بلواتا ہوں۔

جب وہ تشریف لائے تو مولٰنا نے پوچھا کہ ضمیر الحق نے بنظر اصلاح کبھی تمھیں غزل

دکھائی ہے؟ وہ نفی میں جواب دیکر کچھ سوچ میں آگئے تو آپ نے خود کہا کہ حافظ صاحب!
آپ فکر مند نہ ہوں اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہر طرح مجھ پر فضیلت دی ہے خدا جانتا ہے آپ کا
شاگرد ہونا میرے لئے وجہ ننگ نہیں مگر بے سر پاؤں کی بات نہ معلوم کن صاحب نے کی ہے
پیام یار کے پرچے دیکھئے! وہ بھی دیکھکر متحیر ہو گئے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد اُنھوں نے مولانا سے صاف نام لیکر کہا کہ یہ حرکت فلاں کی معلوم
ہوتی ہے اس لیئے کہ وہ اکثر ضمیر الحق کی شکایت کرتے اور حضور پر الزام دھرتے ہیں کہ مولانا نے
اتنا سر چڑھا رکھا ہے کہ محض نومشق ہو کر کہنہ مشقوں سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں۔

چنانچہ ایک روز یہ دونوں صاحبان جناب ماموں فتح محمد صاحب کی دوکان پر کچھ گفتگو
کر رہے تھے کہ میں آگیا انھوں نے مجھسے کہا کہ مجھ میں اور ضمیر الحق میں ایک لفظ کے متعلق جھگڑا
ہے آپ فیصلہ کر دیں۔

ضمیر الحق کہتے ہیں کہ لفظ سَر بالفتح فارسی ہے اور سِر بالکسر ہندی۔ جب یہ لفظ بے ترکیب
فارسی مستعمل ہو تو اردو میں بالکسر ہی بولنا اور لکھنا افصح ہے مگر قوافی میں واقع ہو تو مجبوری ہے
تاہم اس میں بھی درصورت انفراد بالفتح باندھنے یا لکھنے میں احتیاط اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ جب یہ دوسری زبان کا لفظ ہے تو بے ضرورت اسکی حرکت نہیں بدلنا چاہیئے۔
یہ سُنکر میں نے کہا کہ جو لوگ اُردو کا مذاق صحیح رکھتے ہیں وہ ضمیر الحق کی رائے کو ترجیح دینگے
اس پر وہ مجھسے اُلجھ پڑے اور کہنے لگے کہ "صاف یہی کیوں نہیں کہتے کہ ضمیر الحق کا طرفدار ہوں"
ضمیر الحق تو سب کی ناک کے بال ہو رہے ہیں۔ اس جُملہ نے مجھ پر سخت اثر کیا میں اتنا کہکر خاموش

ہو گیا کہ جب ایسا ہی خیال تھا تو مجھے حکم بنانا کیا ضرور تھا۔

بس اُسی دن سے وہ مجھ سے کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔ اور مجھے بھی اُن کی بات سے انقباض پیدا ہو گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُنھیں نے مجھ میں اور ضمیر الحق میں نفاق ڈالنے کی غرض سے ایسا کیا ہے یا ممکن ہے کہ حضور کی نظر سے ان کو گرانے کا ارادہ کیا ہو۔

اب مولنا نے شخص مشارٌ الیہ کو بلوانا چاہا مگر آپ نے مولنا سے یہ کہا کہ ابھی مناسب نہیں ہے میں ایک بات عرض کرتا ہوں شاید اس ترکیب سے بہت اچھی طرح معاملہ حل ہو جائیگا میں دونوں طرف کا ٹکٹ دیتا ہوں حضور منشی نثار حسین صاحب کو ایک خط تحریر فرمادیں کہ ضمیر الحق کی جو غزلیں پیام یار کے فلاں فلاں نمبر میں شایع ہوئی ہیں انکا اصل مسودہ بھیجدیں اگر وہ آجائیگا تو بات صاف ہو جائے گی اور انکار کا موقع نہ رہے گا۔

مولنا نے اس طریق کار کو پسند کر کے خط لکھ بھیجا پانچویں یا چھٹیں دن لکھنؤ سے مسودہ آگیا دیکھا جاتا ہے تو حرف بھی جناب والا ہی کا تھا مولنا کو اب تک غصہ نہیں آیا تھا حرف دیکھکر چراغ پا ہو گئے اور فوراً اُنھیں بلوا کر آہستگی سے دریافت کیا کہ یہ (آپ کی طرف اشارہ کر کے) کہتے ہیں کہ نہ یہ غزلیں میری ہیں نہ میں نے پیام یار میں بھیجی ہیں اور نہ کبھی کوئی غزل بنظر اصلاح بقاؔ کو دکھائی ہے بقاؔ بھی بغرض اصلاح اِن کی کسی غزل کے دیکھنے سے انکار کرتے ہیں تم بتا سکتے ہو کہ یہ فعل کسکا ہے؟

چہرے سے آثار ندامت تو ظاہر ہو رہے تھے مگر ڈھٹائی سے بولے کہ مجھے کیا خبر اور کسی کو ایسی حرکت سے کیا فائدہ۔ ممکن ہے کہ بقاؔ کے کسی عزیز یا شاگرد نے ایسا کیا ہو۔

مولانا باوجود نہایت متحمل ہونے کے اس جواب پر بہت ہی برافروختہ ہوئے اور مسودہ جولکھنؤ سے آیا تھا دکھا کر پوچھا کہ یہ بتاؤ یہ حرف کسکا ہے۔ بقاؔ کے کس عزیز یا شاگرد کا ہے؟

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد

تم کو ایسی بیہودہ حرکت پر شرم نہیں آتی اُلٹے بقاؔ کے عزیز یا شاگرد کے سر الزام دھرتے ہو؟ اگر یہ (آپ کی طرف اشارہ کر کے) تم پر جعل یا فریب کا مقدمہ چلادیں تو تمھارا کیا حشر ہو۔ مقدمہ کا نام سنتے ہی بدحواس ہو گئے کبھی آپ کے آگے کبھی مولانا کے آگے ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافی مانگتے اور بقاؔ سے کہنے لگے اس روز سر بالفتح اور بالکسر کی بحث پر آپ کے اس فیصلے نے کہ جو لوگ اُردو کا مذاق صحیح رکھتے ہیں وہ ضمیر الحق کی رائے کو ترجیح دینگے سخت رنج پہنچایا اور اسی غصے میں نہ جانوں کیوں یہ حرکت صادر ہوگئی۔ مولوی بقاؔ نے کہا کہ کس سادگی سے "نہ جانوں کیوں" کہتے ہو صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ تمھارے اور ضمیر الحق کے درمیان افتراق ڈالنے کی غرض سے یہ حرکت صادر ہوگئی اُنھوں نے کہا جو کچھ ہو آپ بھی معاف فرمائیں کان پکڑتا ہوں اب ایسی حرکت کبھی نہ کرونگا۔ آخر مولانا نے اُنکو بہت لعنت ملامت کر کے آپ سے صلح کرادی۔ یہ قصہ بیان کر کے آپ نے فرمایا کہ مولوی بقاؔ ایسے قابل اور لایق ادیب کا شاگرد مجھے لکھا تھا تو باوجود غلط ہونے کے بھی اگر حضرت شمشاد کے متاثر ہونیکا خیال نہ ہوتا تو میں یہ معاملہ ہرگز نہ چھیڑتا۔ مجھے اسکا اقرار ہے کہ اگرچہ میں انکا شاگرد نہیں ہوں پھر بھی مجھ میں اور اُن میں جو تحقیقات فن کی باتیں رہا کرتی تھیں ان میں بہت کچھ ان کے معلومات سے مستفید ہوا ہوں۔

دہلی سے واپس آنے کے بعد جب مستقل طور سے آپ مکان پر رہنے لگے تو لکھنؤ کے دو پرچے پیام یار اور نغمۂ بہار اپنے نام جاری کرائے کہ مہینے میں ایک دو غزلیں اسی ذریعہ سے لکھ لی جایا کرینگی اور مشق ہوتی رہے گی۔ یہی سبب ہے کہ پیام یار میں کم مگر نغمۂ بہار میں اسکے جاری رہنے تک قریب قریب ہر مہینہ آپ کی غزلیں چھپا کرتی تھیں جسمیں امیر تسلیم۔ جلال۔ داغ وغیرہم اُستادوں کی بھی غزلیں رہا کرتی تھیں۔

اُس وقت آپ کے محلے میں بلکہ مکان کے بالکل متصل۔ بدر۔ مہر۔ وحید اور شہر میں تھوڑے فاصلے پر حشر۔ قمر۔ محسن شاگردان حضرت صفیر بلگرامی مرحوم رہتے تھے اور شعر و سخن کا مشغلہ گرم تھا منشی محمد اسمٰعیل مہر کے مکان پر مشاعرے ہوا کرتے اور جناب صفیر مرحوم بھی شرکت فرماتے۔

ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی جوبلی کے تھوڑے ہی دنوں بعد جناب صفیر مرحوم کا انتقال ہوگیا اور مشاعرے سونے پڑ گئے ثقات اور مہذب لوگوں نے آنا چھوڑ دیا۔ تب جناب صفیر مرحوم کے تلامذہ کو خیال ہوا کہ آپ زمرہ علما میں ہونیکی وجہ سے لوگوں کی نگاہوں میں وقعت رکھتے ہیں آپ کی شرکت مشاعروں کی رونق اور اُردو کی خدمت کا اچھا ذریعہ ہوسکتی ہے۔

ہرچند بدر۔ مہر آپ کے لڑکپن کے ساتھی اور ہم مکتب تھے۔ مگر علمی اقتدار کی وجہ سے آپ کی بہت عزت کرتے تھے اس لیئے مہر کو لحاظ ہوا خود نہ آئے مولوی سیّد امیر حسن صاحب بدر کو (جنھیں باعتبار دوسروں کے آپ سے بہت زیادہ ربط تھا) یہ پیام لیکر بھیجا کہ اُردو کی خدمت کرنے والوں میں آپ کی ایک ممتاز ہستی ہے اگر آپ مشاعرہ

کو سرفراز نہ کرینگے اور یہاں کے لوگوں کو علمی فواید سے محروم رکھیں گے تو آرہ کی بڑی بدقسمتی سمجھی جائے گی ہملوگوں کی دلی آرزو ہے کہ آپ مشاعرے کی شرکت سے اُردو زبان کی عزت افزائی کریں۔

آپ نے جواب دیا کہ بھائی بدر تم مجھسے جی لگی کرتے اور کانٹوں میں گھسیٹتے ہو بھلا کہو تو سہی میری ہستی کیا! مجھسے مشاعرے کی سرفرازی کیسی۔ مجھے خود ہی کیا آتا ہے کہ کسی کو علمی فائدہ پہنچاؤنگا مجھسے اور اُردو زباں کی عزت افزائی؟ اتنا شرمندہ نہ کرو۔

ہاں تم دوستوں کی تعمیل حکم میں عذر نہ ہوتا مگر انصاف کرو کہ اس زمانے میں سخن شناسی معنی فہمی ہے؟ مشاعرہ ایک طرح کا علمی جلسہ تھا اس میں ثقات اور سخن فہم لوگ شریک ہوتے تھے بظاہر مضمون کیسا ہی ہو لیکن حُسن بیان اور طرز ادا پر نظر ہوتی تھی۔

اب نہ تو حسن و قبح کے دیکھنے والے ہیں نہ شاعر کی دماغ سوزی کی قدر کرنے والے باستثنائے چند شعرائے سخنداں کے سب جاہل لونڈے جمع ہوتے قہقہے لگاتے اور بدتہذیبیاں کرتے ہیں تم میرے بچپن کے دوست ہو تمھیں بتاؤ کہ ایسے مجمع میں مجھے شریک ہونا مناسب ہے؟ اس دن اتنی باتیں ہو کر رہ گئیں۔

دوسرے دن بدر۔ مہر دونوں صاحبان تشریف لائے مہر نے فرمایا کہ مشاعرہ میری طرف سے ہوتا ہے میں پہلے ہی شور و غل سب بدتہذیبیوں اور قہقہوں کا انسداد کردونگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ نہایت ہی مہذب صحبت ہوگی وعدہ کرتا ہوں کسی قسم کی بے عنوانی نہ ہونے پائیگی ان دونوں دوستوں کے اطمینان دلانے اور سخت اصرار پر آپنے شرکت کے لیئے زبان دیدی۔

پھر کیا تھا تمام شہر میں دھوم مچگئی اور مشاعرے کے دن وقت پر بڑے بڑے ثقہ اور بعض مقتدر علما بھی مشاعرے میں تشریف لائے۔ بہت بڑا مجمع ہو گیا۔

مکان بالکل قریب تھا مشاعرہ شروع ہونے کا وقت آیا تو اطلاع دیگئی کہ صرف آپ کا انتظار ہے۔ آپ نماز عشاء سے فارغ ہو کر طیار بیٹھے تھے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے عربی خوان شاگردوں کی جماعت کے ساتھ وہاں پہنچے۔

پہلے سے ہلچل تھی آپ کو آتے دیکھکر ایکدم سکون پیدا ہو گیا مجلس میں قدم رکھتے ہی لوگ کھڑے ہو گئے سلام و مصافحہ کے بعد جناب مہر نے آپ کو صدر جگہ پر با احترام لا بٹھایا مگر آپ مسند سے الگ بیٹھے فوراً ہی جناب بدر نے آپ کے لیئے صدارت کی تحریک پیش کر دی اور بالاتفاق اس کی تائید ہو گئی آپ نے عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ میں حاضرین کرام کی خدمت میں یہ التماس کرنا چاہتا ہوں کہ مشاعروں میں میر مشاعرہ وہی ہوتے ہیں جو مشاعرہ قایم کرتے ہیں اور وہی سب سے آخر میں پڑھتے بھی ہیں اسلیئے مناسب یہ ہے کہ بھائی مہر صدر بنائے جائیں اور مجھ ناچیز کے اعتبار سے بھی اس کے اہل بھی ہیں مگر جناب مہر نے کہا کہ صدارت بہر صورت آپ ہی کو زیبا ہے آپ اس کو قبول فرمائیں اور ہاتھ پکڑ کر مسند سے لگا کر بٹھا دیا مشاعرہ شروع ہو گیا جلسہ نہایت سکون اور تہذیب سے ہوتا رہا۔

جب حضرت صفیر مرحوم کے تلامذہ کے پڑھنے کی باری آئی۔ تو آپ نے بڑی لجاجت سے کہا کہ مجھے پہلے پڑھنے دیجئے لیکن کسی نے قبول نہ کیا۔

سب لوگوں کے پڑھنے کے بعد آپ کے پڑھنے کی آمادگی پر جلسہ میں گونہ کھلبلی پیدا ہو چلی تھی ہر شخص آپ کے قریب تر بیٹھنا چاہتا تھا لیکن جناب مہر نے بڑی خوبصورتی سے اسکو روکا۔ آپ نے غیر طرحی غزل کا مطلع پڑھا ؎

بے سبب کب چشم جاناں نرگسِ مستانہ ہے　　مردم دیدہ کے ہاتھوں میں مگر پیمانہ ہے

اس وقت بے ساختہ واہ واہ کا شور بلند ہو گیا جب دوسرا مطلع پڑھا ؎

واہ مجھ میں بھی عجب کچھ ہمتِ مردانہ ہے　　دوستوں سے دوستی دشمن سے بھی یارانہ ہے

تو سارا مجمع بول اُٹھا کہ کیوں نہ ہو جبھی تو اللہ تعالیٰ نے یہ مرتبہ عنایت فرمایا ہے۔ یہ غزل سیر تھی ہر ہر شعر پر خوب خوب داد ملی پھر طرح کی غزل پڑھ کر داد لیتے ہوئے جلسہ ختم کر دیا۔

ایک محترم معمّر عالم نے جو وہاں موجود تھے جنابِ مہر کے والد بزرگوار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ دیکھا ذی علم کی شاعری ایسی ہوتی ہے اور مجمع کی تہذیب اور سامعین کی کثرت پر انھیں مبارک باد دی۔

دوسرے دن سارے شہر میں سامعین کی کثرت۔ مشاعرے کی تہذیب۔ اور آپ کے غزلوں کی بیحد تعریفیں ہوئیں۔ اس وقت سے بہت کامیاب اور پُر رونق مشاعرے برسوں تک ہوتے اور برابر آپ کی شرکت کی وجہ سے ثقات آتے رہے اور بغیر آپ کو سُنے اپنی جگہ سے ٹلتے نہیں۔

آپ میں اور جناب صفیر مرحوم کے شاگردوں میں لطف و محبت کے ساتھ تحقیقاتیں ہوتیں اور بحثیں رہا کرتیں سب لوگ آپکا احترام کرتے مشاعروں میں نہ قہقہے لگتے نہ بے محل

شور و غل ہوتا نہ تمسخر و ہنگامہ رہتا۔

آپ مسلکاً اہلحدیث ہیں۔ ایک مشاعرہ میں سوءِ اتفاق سے یہ واقعہ پیش آیا کہ نہ معلوم بطور خود یا از راہ رشک کسی کے اشارے سے میر مشاعرہ نے آتشیں اور انگبیں کا قافیہ رفع الیدین بہ کسر دال باندھ کر چوٹ کر دی جس پر اُن ہی کے ایک اُستاد بھائی نے براہ طعن کہا واہ بھائی اتنا نادر و صحیح قافیہ پیدا کرنا بھی آپ ہی کا کام تھا۔

آپ مشاعروں میں کبھی کسی پر اعتراض نہ کرتے اگر دوستوں سے کوئی لغزش ہو جاتی تو بعد مشاعرہ تنہائی میں متنبہ کر دیتے اس روز بھی اگرچہ آپ کو مذہبی چوٹ پر غصہ بہت آیا مگر غضب آمیز تبسم کے ساتھ خاموش ہو رہے سامعین ہنسنے لگے اور اس فاش غلطی پر شور برپا ہو گیا۔

اب شاعر صاحب نے پریشان ہو کر آپ سے تصحیح چاہی آپ نے نہایت متحملانہ لہجے میں حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ کیا ستم ظریفی ہے کہ مجھی پر حملہ ہو اور مجھی سے اس لفظ کی تصحیح چاہی جائے! مقتضائے وقت تو یہ تھا کہ ان کی اس غلطی کو ظاہر ہی نہ کیا جاتا اور اسی غلطی میں پڑا رہنے دیا جاتا مگر افسوس کہ بعض دوست نے چوکنا کر دیا اب اس لفظ کی تصحیح چاہنے پر خاموش رہوں تو ممکن ہے بعض لوگ یہ خیال کریں کہ دراصل غلطی نہیں ہے فقط از رنج سے غلط کہا جاتا ہے ورنہ دریافت کرنے پر غلطی بتائی جاتی اسلئے مجھے کہنا پڑتا ہے کہ یہ ایسی فاش غلطی ہے جسکو نحو میر پڑھنے والے لونڈے جانتے ہیں۔

یہ کہکر نحوی قاعدہ بتا کے فرما دیا کہ صحیح لفظ یہاں پر یے ساکن ما قبل مفتوح

ہونا چاہیئے اور اس صورت میں آتشیں کا قافیہ غلط ہو جائیگا یہ سنکر جلسے میں سناٹا چھا گیا۔

اس کے بعد اُنھیں شاعر صاحب نے ایک غزل نکالے ہوئے ہیں سنبھالے ہوئے ہیں قافیہ و ردیف کی پڑھنا شروع کی اِس میں قافیہ آہ و نالے باندھ گئے آپ چونکہ بھرے بیٹھے تھے بول اُٹھے یہ بھی خوب اُس پر شاعر صاحب نے کہا کہ اس میں کوئی غلطی نہیں ہے میں اسکا ثبوت دونگا آپ نے فرمایا کہ اپنے ہی جیسے کسی شاعر کا شعر ثبوت میں پیش کرینگے مگر جس طرح اِسکا ثبوت چاہیئے اُس طرح قیامت تک نہیں دے سکتے۔

تعجب ہے کہ اس کو کوئی صاحب نہیں سمجھے سب لوگ ایک دوسرے کا متعجبانہ منہ دیکھتے تھے آخر اُنھوں نے پوچھا کہ اِس میں کیا غلطی ہے ؟ آپ پھر حاضرین کی طرف خطاب کر کے نہ بتانے میں وہی احتمال پیش کیا جو پہلے پیش کر چکے تھے۔ اور شاعر صاحب سے پوچھا کہ آہ کس زبان کا لفظ ہے جواب ملا کہ فارسی کا آپ نے کہا کہ ہے تو عربی کا قرآن شریف میں آیا ہے اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ لَاَوَّاہٌ حَلِیْمٌ مگر آپ عربی نہ جاننے کی وجہ سے قابل معافی ہیں جو کچھ فارسی کتابوں میں دیکھا اُس کو فارسی سمجھا۔ خیر بقول آپ کے آہ فارسی ہے۔ نالہ کس زبان کا لفظ ہے؟ کہا کہ فارسی کا آپ نے فرمایا کہ بہت صحیح اب یہ بتایئے کہ نالے میں یے کیسی ہے؟ جواب دیا کہ جمع کی آپ نے پوچھا کس زبان کے قاعدہ سے کہا ہندی کے آپ نے پوچھا کہ اس یے کے ساتھ جمع بنانے کے بعد نالے فارسی رہا یا ہندی ہوا جواب دیا کہ ہندی ہوا آپنے پوچھا کہ اب یہ بتایئے آہ اور نالے کے درمیان میں حرف واو کیسا ہے؟ جواب ملا کہ عطف کا پوچھا گیا کہ یہ حرف عطف فارسی کا ہے یا ہندی کا کہا فارسی کا آپ نے فرمایا کہ سب کو

ملایئے آہ بقول آپ کے فارسی ہے نالے جمع کی یے لگانے سے ہندی ہوا۔ درمیان میں واو حرف عطف آپ کا تسلیم کردہ فارسی ہے اب سوال یہ ہے کہ فارسی اور ہندی کی ترکیب فارسی حرف عطف کے ساتھ صحیح ہے یا غلط ہے؟ اس پر سب کی آنکھیں کھلیں اور شاعر صاحب بھی بول اٹھے ہاں بھائی قاعدہ سے غلط ہے آپ نے یہ شعر پڑھا ؎

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

اور جلسہ ختم ہوگیا۔

تمام تالیاں بج گئیں اور لوگ کہنے لگے کہ اتنے بڑے قابل کے منہ لگنا اپنے کو ذلیل کرنا ہے اس واقعہ کی صبح ہوکر وہ آپ کے پاس معذرت کے لئے تشریف لائے کہ "یہ ناشائستہ بات ایک ایسے شخص کے اشارے سے ہوگئی جنھیں میں مقدس سمجھتا تھا انھوں نے یہ کہکر بھڑکایا کہ "تم لوگ ایک استاد کے شاگرد ہو دوسرے کا شاگرد تنہا ہوکر تم لوگوں کے مقابلے میں یوں رنگ جمائے کہ شہر میں اسکا طوطی بولنے لگے بڑی شرم کی بات ہے"۔ ورنہ واللہ میرے دل میں آپ کی طرف سے کوئی خلش نہ تھی نہ ہے للہ معاف کیجئے۔ سارے اہل محلہ اور شہر کے لوگ مجھسے بگڑے ہوئے ہیں کہ جس کی کل شہر والے عزت کرتے ہیں اور وہ تمھارے مشاعروں کی رونق کا باعث ہے اُس کو تم نے آزردہ کرکے بھری مجلس میں اپنے کو ذلیل ورسوا کیا۔"

آپ کا مزاج نہایت صلح کل واقع ہوا ہے آپ نے فرمایا کہ بھائی میں تو مشاعروں میں شریک ہونا ہی پسند نہیں کرتا تھا لیکن آپ لوگوں نے مجھے باصرار شریک کیا اور مجھے

اسکا اقرار ہے کہ میری حیثیت سے کہیں زیادہ میری عزت افزائی فرمائی اور میں بھی آپکے مشاعروں کو اپنے مشاعرے سمجھتا رہا لیکن جب آپ کی ایسی سمجھ ہے کہ دوست دشمن کی تمیز نہیں کرسکتے جس نے جو کچھ کہدیا اُس کو سُن لیا تو کیا اعتبار ہے کہ آیندہ ایسی صورت پیش نہ آئے گی؟

مجھے اسکا خود افسوس ہے کہ جب آپ کی بیشتر غلطیوں پر بھی کبھی میں نے مشاعرے میں نہیں ٹوکا اور تنہائی میں آگاہ کر دیا تو رات کیوں عام مجمع میں اسطرح گفتگو کر بیٹھا جس سے آپ کو سخت ذلّت اُٹھانا پڑی بخدا آپ کی اُس وقت کی بے بسی کا خیال آتا ہے تو بڑا صدمہ ہوتا ہے مگر میں بھی انسان ہوں کیا کرتا دل پر قابو نہ رہا بہرحال اب نہ میں سکا کچھ خیال کروں نہ آپ جو ہونا تھا ہو گیا مگر اب شرکت مشاعرہ سے معاف رکھیں۔"

اِس پر وہ کہنے لگے کہ جب تو میں یہی سمجھونگا کہ میری خطا معاف نہ ہوئی۔ مجھ پر ملامت کی بوچھار اور زیادہ ہونے لگے گی۔ خیر خدا خدا کر کے صلح ہو گئی اور آپ مشاعرے میں حسب دستور شرکت فرماتے رہے مگر شاعروں پر اتنا رعب طاری ہوا کہ باخود ہا تنہائی کی گفتگو میں بھی تحقیقاتی باتیں بے تکلفی کے ساتھ اُنکے سامنے نہ کرتے۔ آخر آپنے ایک دن صاف صاف کہدیا کہ اگر میرے اور آپلوگوں کے درمیان یہی حجاب حائل اور اسی طرح افزایش معلومات کا دروازہ بند رہا تو شرکت مشاعرہ کو سلام ہے۔ تب سب باتیں اپنے حال پر آگئیں۔

دسمبر ۱۸۹۶ء میں آپنے ایک بڑا مشاعرہ کیا تھا جس میں لکھنؤ۔ جونپور۔ غازی پور۔ بلیا۔ نورہ۔ دانا پور۔ پٹنہ۔ گیا کے نامی گرامی شعرا تشریف لائے تھے۔ طرح کا مصرع یہ تھا ؏ رہیں سرسبز یارب پتیاں نخلِ محبت کی

اس میں حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ نے اپنی غزل کا مقطع یہ فرمایا تھا۔

غزل کے بدلے اے شمشاد لائے پھول کی ڈالی　　جو ہم نے قیس کے ایما سے گلگشت طبیعت کی

اس مشاعرہ کے دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ جناب قیس کے پڑھنے کے وقت شمس العلماء نواب مولانا امداد امام اثر نیوروی مرحوم (جو اتفاق سے آپ ہی کے متصل تشریف رکھتے تھے) بعض دفعہ جوش میں آکر آپ کی بغل میں ہاتھ ڈال کے اپنی طرف کھینچ لیتے اور آنکھیں ملا ملا کر اس طرح پھڑک پھڑک کے داد دیتے کہ آپ کی قابلیت حسن بیان طرز ادا کا سخت اثر حاضرین پر پڑتا تھا۔

خصوصاً نسیم دہلوی کے دو شعروں پر جو آپ نے گرہ کے مصرعے لگائے تھے وہ اس قیامت کے تھے کہ سارا مجمع اُچھل اُچھل پڑا تھا جنکا یہاں درج کرنا ناظرین کے لیے لطف سے خالی نہ ہوگا وہ یہ ہیں۔

کہیے میں کہتا نہیں تھا یہ کہ اے شیخ انام یا وہ گو سمجھے تھے مجھکو لیجیے میرا سلام	ترک مے کی خواہش ان رندوں سے ہے سودائے خام پھر سبو انڈے بھرے شیشے ہوئے لبریز جام

لغزشِ پا اپنی اپنی مست دکھلانے لگے

مفلسی میں آگیا تھا بھول کر عقبیٰ کا ہوش ابر و باراں دیکھکر بھڑکا جو میخواری کا جوش	توڑ کر جام و سبو بیٹھے تھے گھر گھر بادہ نوش بھٹیاں روشن ہوئیں چمکی دکانِ میفروش

رخصتِ توبہ ہوئی زاہد گھبرانے لگے

مشاعرہ ختم ہونے پر مولانا اثر مرحوم نے بہت ہی مسرت آمیز لہجے میں آپ کی

پختگی کلام کہنہ مشقی کی داد دیتے ہوئے فرمایا کہ ایسا شاندار مشاعرہ نہ آرہ میں کبھی ہوا تھا نہ
اب ہوگا۔ آپ نے مؤدبانہ گزارش کی کہ حضور اپنی زبان مبارک سے آیندہ کی نسبت
یہ کلمہ نہ فرمائیں بلکہ دعا کریں کہ اس سے زیادہ شاندار مشاعرے اور علمی جلسے ہوں اور
لوگوں میں ذوق صحیح پیدا ہو۔ مولنا نے جواب دیا کہ میں یہاں کے لوگوں کی حالت سے
خوب واقف ہوں۔ تم نے پچھم میں تعلیم حاصل کی وہاں کے لوگوں کی صحبتیں اُٹھائیں
ماشاء اللہ اچھی قابلیت پیدا کی اس لئے یہ سب کچھ ہوا اور یہ تمھارا ہی کام تھا۔ یوں تو
خدا کے قبضہ قدرت میں سبھی کچھ ہے۔

اس مشاعرے کی شہرت اتنی ہوئی کہ الپنچ بانکی پور میں چند تحریریں شایع ہوئیں۔
گیا پنچ نے بزم مشاعرہ آرہ کی سرخی سے تحریر شایع کی۔ کلکتہ کے انگلش مین۔ اسٹیٹس
مین۔ امرتا بازار میں خبریں چھپیں۔

افسوس ہے کہ آپ کو اپنے کلام کے استحفاظ کا مطلق خیال نہ ہوا دو چار غزلیں
اس بیاض پر ہیں تو پانچ سات اس سفینہ پر کچھ غزلیں ردی کی ٹوکریوں میں پڑی ہیں
تو کچھ مختلف طور پر مختلف کتاب کے اندر۔

یہاں تک کہ ایک مرتبہ حضرت شمشاد رحمہ اللہ نے آپ کو لکھا کہ تم نہایت کاہل الوجود
ہوا اپنے کلام کی کچھ بھی قدر نہیں کرتے میرے بہت سے نومشق شاگردان صاحب دیوان
ہو گئے جنکے دیوانوں میں شاید ہی پانچ پانچ سات سات اچھی غزلیں ملیں تو ملیں اور تم
کہنہ مشق بلکہ اُستادی کے درجہ پر پہنچکے بھی اپنا کلام شایع نہیں کرتے اگر شایع کرتے تو

تم کو معلوم ہو جاتا کہ تمھارا کلام کس قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

کچھ دنوں بعد چوپڑا ضلع خاندیس سے طالب صاحب کا ایک خط آیا کہ میں پہلے جناب تسلیم کو غزلیں دکھاتا تھا اُن کے انتقال کے بعد سے حضرت شمشاد سے اصلاح لیتا ہوں۔ ایک مرتبہ وہ تشریف لائے تھے تو اپنی زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ "میرے شاگردوں میں بقا اور قیس مجھسے کم نہیں ہیں" میں آرزومند ہوں کہ آپ اپنے کچھ کلام بھیجدیتے کہ میں استفادہً دیکھتا۔

آپ نے چند غزلیں بھیجدیں تھیں جنھیں دیکھکر اُنھوں نے بڑی تعریفیں لکھیں اور اسی وقت سے نہایت مخلصانہ برتاؤ کرتے۔ اور دیوان کی اشاعت پر زور دیتے رہے۔

حضرت شمشاد کی تحریک اور جناب طالب کے اصرار سے آپ ترتیب دیوان پر متوجہ ہو کر تھوڑے اوراق منتشرہ جمع کرکے ادھر مصروف ہو رہے تھے کہ حضرت شمشاد علیہ الرحمۃ نے رحلت فرمائی اور کچھ دنوں بعد جناب طالب بھی رخصت ہو گئے۔ پھر نہ کوئی محرک رہا نہ اصرار کرنے والا۔ سب معرض التوا میں پڑ گیا۔

اب اس طرف احباب واعزہ خصوصاً جناب مولوی حاجی سید محمد عبدالرزاق صاحب (جو ایک خدا ترس بزرگ آپ کے مخلص دوستوں میں ہیں) وغیرہم نے اشاعت دیوان کے لیئے دھوم مچائی آپ ٹالتے رہے تب ان حضرات نے راقم الحروف کو گھیرا کہ کم سے کم اپنے والد صاحب سے دیوان ترتیب دلوا کر یا خود ترتیب دیکر شایع کردو تا کہ زبان اُردو کی خدمت کرنے والوں میں آپ کی معزز ہستی بھی شمار میں آجائے اور معلوم ہو کہ ایسی ایسی

برگزیدہ ہستیوں نے زبان کی خدمت کی ہے۔

راقم الحروف کی کیا ہستی ہے کہ اس اہم (ترتیب کے) کام کی ہمت کرتا سنہ ۱۳۵ ہجری میں آپ کے سفر حجاز کا سامان ہونے لگا تو اس وقت جرأت کر کے عرض پرداز ہوا کہ حضور دور دراز سفر کا ارادہ فرماتے ہیں میری ایک درخواست قبول ہوتی تو بڑی آرزو پوری ہوجاتی لوگ اشاعت دیوان کے لیئے اصرار کر رہے ہیں اسکو ترتیب دے دیا جائے۔

آپ نے فرمایا کہ اس ضعیفی میں اوراق منتشرہ کو ڈھونڈنا اور ترتیب دینا بہت مشکل ہے لیکن تم کہتے ہو تو کوشش کرتا ہوں۔

پہلے آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کے غزلیں اکٹھی کرنے لگے بہت سی غزلیں ایکدم ضائع ہوگئیں ملیں ہی نہیں۔ بہت سی ایسی بوسیدہ حالت میں ملیں جنکا پڑھا جانا غیر ممکن تھا۔

تھوڑی غزلیں ملیں جنھیں آپ نے اپنے شاگرد مولوی حکیم محمد عیاض صاحب سے اپنی ہی نگرانی میں ترتیب دلوانا شروع کیا۔ ترتیب کا تھوڑا کام باقی رہ گیا تھا کہ سفر حجاز کو روانگی کا وقت آگیا تب آپ نے فرمایا کہ دیوان کی ترتیب کا کچھ کام رہ گیا ہے اگر میں خیریت سے واپس آگیا تو انشاء اللہ تعالیٰ پورا کر دونگا ورنہ مسالا موجود ہے ترتیب دلوا کر اپنی آرزو پوری کر لینا۔

الحمد للہ کہ آپ بخیریت تمام محرم ۱۳۵۱ھ کے پہلے ہی ہفتہ میں مکان واپس آگیئے چند مہینے گزر جانے کے بعد میں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ نہ تم نے تذکرہ کیا نہ مجھے خیال رہا خیر اب انشاء اللہ تعالیٰ ختم کر دونگا۔

غرض باقیماندہ کو پورا کرا کے فرمایا کہ میں انسان ہوں مجھے اسکا دعویٰ نہیں کہ میرا کلام غلطیوں سے پاک ہی ہے بہت ممکن ہے کہ فاش سے فاش غلطیاں رہ گئیں ہوں مجھ میں اب صلاحیت نہیں کہ نظر ثانی کروں شایع ہو جانے کے بعد ہدف ملامت بنا تو کیا فایدہ بہتر ہوگا کہ کسی استاد کو دکھا لو۔

راقم الحروف نے عرض کی کہ میں کسکو دکھاؤں میں تو نا آشنائے محض ہوں حضور ہی انتظام کر دیں آپ نے ماہرین فن میں بڑے چھوٹے اکثر حضرات سے کہا کہ آپ لوگ اس کو دیکھ ڈالیں جہاں شک ہو نشان دیدیں میں خود ہی درست کرلونگا مگر کسی نے حامی نہ بھری اور سب نے ایک نہ ایک عذر کر کے ٹال دیا۔

آخر لکھنؤ سے آپ کے ایک دوست نے لکھ بھیجا کہ آپ کی تحقیق بہت اچھی ہے میں خوب واقف ہوں ناحق وسوسے میں وقت کیوں ضایع کرتے ہیں خود نظر ثانی کر کے پریس میں دیدیجیئے۔ تب آپ نے خود ہی نظر ثانی کی اور کچھ غزلیں اور بعض غزلوں کے کچھ اشعار نکالکر ایک مختصر ردیف دار مجموعہ بنا دیا۔ اس پر بھی یہ عجز و انکساری دیکھیئے کہ برابر یہی فرماتے رہے کہ مجھ ضعیف الحواس کی نظر ثانی کا اعتبار کیا؟ اور دوسرے لوگوں سے دیکھنے اور سُن لینے کے لیے اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ آپکے ایک خواجہ تاش راضی بھی ہوئے تو اس شرط پر کہ تجزی کر کے تھوڑا تھوڑا بھیجدیں۔ جس میں بہت دیر ہوتی۔

خاکسار یہ تعویق اور آپ کا بیحد عجز و انکسار اور شعرا کا اعراض دیکھکر جب تنگ آگیا

تو دیوان کو منگواکر پریس میں داخل کر دیا۔

جو بحمدہ تعالیٰ مسمیٰ باسم تاریخی طبع بہارستان خلد و معروف بہ جذبات قلیس چھپکر ہدیہ ناظرین ہوتا ہے اب آپ کی شاعری پر رائے قایم کرنا حضرات شعرا منصفین و استادان کاملین کا کام ہے راقم کو اسکا مساغ نہیں ہاں یہ عرض کرنا ضرور ہے کہ اگر کوئی لغزش پائیں تو دامن عفو سے چھپائیں اور جناب مصنف کو آگاہ کر دیں کہ دوسرے ایڈیشن میں اُس کی تصحیح کر دیجائے۔

راقم تذکرہ ہذا نے جب آپ سے شعرائے نامدار کے قطعات تاریخ طبع منگوانیکی درخواست کی تو اس وقت بھی آپ نے یہ فرمانا شروع کیا کہ جو لوگ بواسطہ یا بلاواسطہ میری ہرزہ سرایوں سے واقف نہیں ہیں اُن کے قطعات تاریخ سے دیوان کا کیا وزن ہوگا اسلئے کسی کے پاس بیس کسی کے پاس تیس مختلف غزلوں کے اشعار لکھ لکھ کے بھیجے تاکہ آپ کے پایۂ شاعری سے واقفیت حاصل کرکے قطعات تحریر فرمائے جائیں - اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں وہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے مرتبہ شاعری سے واقفیت حاصل کرکے لکھی گئی ہیں۔

آپ کا دیوان دیکھنے سے یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ آپ نے بطمع دنیا کبھی کسی بڑے سے بڑے کی مدح سرائی نہیں کی اور اپنے وقار و خودداری کو بہر نوع قایم و برقرار رکھا ضایع نہ ہونے دیا۔ فللہ الحمد۔

اب میں یہ تذکرہ آپ کے چند قیود شاعری کو بیان کرکے ختم کرتا ہوں تاکہ ناظرین

مشکلات قیود کو مدنظر رکھتے ہوئے آپ کی آزادروی کا اندازہ کر سکیں۔

عام شعرا کے قیود کے ساتھ ساتھ آپ رشک و منیر کے قیود سے وابستہ ہیں مثلاً۔

۱۔ کا (علامت اضافت) کے الف کے سوا کسی لفظ کے آخری الف کو اسی طرح آ ور کے رے کو تقطیع سے گرنے نہیں دیتے۔

۲۔ پر (بروزن فع) کی جگہ پہ (بروزن ف باسقاط حرف ساکن سبب خفیف) نہیں باندھتے۔

۳۔ نون نافیہ کو فعل کے بعد نہیں لاتے ہمیشہ فعل کے قبل لاتے ہیں۔

۴۔ جو الفاظ بول چال میں باعلان نون مستعمل ہیں ان کو بجز ترکیب عطف و اضافت فارسی کے باخفا نون نہیں باندھتے۔

کتابت دیوان میں یہ التزام کیا گیا ہے کہ جن اُردو فارسی عربی لفظوں کے آخر میں ہائے مختفی یا تائے تانیث حرف ہ سے بدلی ہوئی ہے تو ان کے ماقبل کی حرکت اگر باشباع نہ پڑھی گئی یا ترکیب فارسی میں واقع ہوئی تو اس کو اپنی حالت پر چھوڑا اور اگر ماقبل کی حرکت باشباع پڑھی گئی اور سبب خفیف یا وتد مجموع کے حرف ساکن کی جگہ واقع ہوئی تو بحالت انفراد اسکو الف یا یے سے حسب مقتضائے مقام بدل کر ہندی بنا دیا ہے۔

راقم الحروف کا ارادہ تھا کہ عربی کے سلسلہ میں جو باتیں استفادۃً استادوں سے ہوئیں یا جو واقعات اپنے ہمجماعت طلبہ سے بطور مناظرہ و مباحث کے وقوع میں آئے یا بعد فراغ بعض مسائل میں کسی اہل علم سے گفتگو ہوئی وہ سب اور آپ کی ان سندوں کی نقل بھی اس میں درج کر دی جائیں۔ جو آپ کو عربی میں اساتذہ سے ملتی گئی

ہیں مگر یہ سوچ کر کہ اکثر علما تو دیوان کو لغو اور بیہودہ چیز تصور کرکے ہاتھ بھی نہ لگائیں گے الا ماشاء اللہ جنکا شمار انگلیوں پر ہوگا رہے اُردو فارسی کے ارباب مذاق تو اُن کو ایسے مضامین سے دلچسپی نہ ہوگی اور یہ تحریر طول ہو جائے گی قلم انداز کرنا پڑا۔

ہاں خدائے قدوس کی بارگاہ میں دعا ہے کہ آپ کا سایہ مدتوں قایم رہے اور نادر نادر کتابیں اور مفید عام رسائل آپکے قلم سے نیز تحریریں آئیں اور اچھے اچھے کام وقوع پزیر ہوں کہ آپ کے بعد کوئی مرد خدا سب باتوں کو درج کرکے مکمل سوانحعمری شایع کردے آمین ثم آمین۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد والہ وصحبہ اجمعین۔

اعتذار

اس تذکرہ کی تسوید کے وقت عجب اتفاق کہ راقم الحروف محض عدیم الفرصت تھا اور صاحب مطبع نے دیوان کی طباعت میں بیحد دیر کرنے کے باوجود اسکے لیئے سخت جلدی کی کہ جیسے جیسے مسودہ طیار ہوتا جاتا تھا تھوڑا تھوڑا صاف کراکے بعجلت پریس میں بھیجتا جاتا تھا ایسی حالت میں غلطی کا ہونا ناگزیر ہے اسلیئے ناظرین سے عذر خواہ ہوں

والعذر عند کرام الناس مقبول والسلام

راقم

(ڈاکٹر) محمد ولی الحق (اسسٹنٹ سرجن)

خلف جناب مصنف جذبات قیس

۲۵-ذی الحجہ ۱۳۵۳ھ-۳۱-مارچ ۱۹۳۵ء روز یکشنبہ

قصیدۂ تہنیت حضرت مصنف دیوان کہ بتاریخ ششم ماہ مئی ۱۹۳۵ء

در جلسۂ جشن سلور جبلی قیصر ہند جارج پنجم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

(حسب ایماء)

جناب آر۔ اے۔ ای ولیمس صاحب کلکٹر بہادر آرہ نوشتہ خواندند

چلتی ہے باغ باغ نسیم بہار آج
ساقی پلا دے جام مے خوشگوار آج

پھولوں کی خوشبوؤں سے ہے خوشبو مشام جاں
سنبل سے شرمسار ہے مشک تتار آج

غنچے چٹک چٹک کے صدا دے رہے ہیں یہ
دیکھے کوئی چمن میں ہمارا سنگار آج

کیسی چہل پہل ہے یہ کیسی ہے دھوم دھام
سرمست ہیں تمام صغار و کبار آج

پریاں ہیں گرم رقص سرود و غنا کے ساتھ
دکھلا رہی ہیں ناز سے کیا کیا نکھار آج

ہے سلوری یہ جبلی مرے بادشاہ کی
جسکا نہیں ہے مثل کوئی شہریار آج

شہرت ہے جسکے نام کی یورپ سے ہند تک
وہ جارج پنجمین ہے حقیقت شعار آج

ولیمس اندروں جو کلکٹر یہاں کے ہیں
روشن ہے جنکی ذات سے شہر و دیار آج

ہیں اُن کے واسطے سے یہ اشعار تہنیت
کرتا ہوں پیش اے شہ عالی وقار آج

دشمن اگر جلیں تو جلیں اسکا غم نہیں
جب جان و دل سے ملک ہے سارا نثار آج

تا دیر تیرے سارے ہوا خواہ خوش رہیں
اعدا ادھر ہوں پایمال بشکل غبار آج

ہر دم رہے تو زیب دہِ تاج و تخت و ملک
سن لے دعا یہ قیس کی پروردگار آج